نشانِ حیدر

حسن علی آگریا

مُحافظ پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	نشانِ حیدر
مصنف	:	حسن علی آ گریا
پروف ریڈنگ	:	مونا حسن
نظرثانی	:	پروفیسر معین الدین پیرزادہ
سرورق	:	محمد فیروز آ گریا
کمپوزنگ	:	سیاب احمد صدیقی
اشاعت	:	اپریل 2015ء
تعداد	:	2000 (دوہزار)
قیمت	:	995 روپے

مُحافظ پبلیکیشنز

M-1 میزنائن فلور c-19 سن سیٹ لین 2

فیز III ایکسٹینشن، ڈی ایچ اے کراچی۔

0333-3442418,0300-9292508

بسم الله الرحمن الرحيم

ایک دفعہ اس قومی ترانے کو پڑھنے سے قبل تصور کیجئے گا کہ اس ترانے کا ایک ایک حرف پکار پکار کر اپنے قائم رہنے پر شہدائے افواجِ پاکستان کو خراجِ تحسین و عقیدت پیش کر رہا ہے۔

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچم ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

فہرست

اظہارِ تشکر	06
انتساب	07
پیش لفظ	08
تاثرات	13
پہلا نشانِ حیدر شہید راجہ محمد سرور بھٹی	37
دوسرا نشانِ حیدر شہید میجر چوہدری طفیل محمد	67
تیسرا نشانِ حیدر شہید راجہ عزیز احمد بھٹی	85
چوتھا نشانِ حیدر شہید راشد منہاس	121
پانچواں نشانِ حیدر شہید ملک محمد اکرم	161
چھٹا نشانِ حیدر شہید میجر شبیر شریف	181
ساتواں نشانِ حیدر شہید سوار محمد حسین جنجوعہ	219
آٹھواں نشانِ حیدر شہید محمد محفوظ	243
نواں نشانِ حیدر شہید سیف علی جنجوعہ	261
دسواں نشانِ حیدر شہید کیپٹن کرنل شیر خان	279
گیارہواں نشانِ حیدر شہید لالک جان	305
ایک اور خواب	322

اظہارِ تشکر

شکریہ مونا حسن کا جس کے ساتھ نے پہلے صاحب اولاد اور اب صاحب کتاب بنایا...میجر سید وحید بخاری ، ونگ کمانڈر محمد ندیم خان اور لیفٹیننٹ جنرل (ر) عبد القیوم ...صابر حسین آگریا، سید واصف جیلانی ، انجم منہاس...

ان دوستوں اور کرم فرماؤں کی جانب سے حوصلہ افزائی، محبتوں اور تعاون پر بذریعہ تحریر صرف شکریہ ادا کر دینا شاید کافی نہ ہو...خدا تعالیٰ ان سب کو آسانیاں عطا فرمائے۔آمین
اس صفحے پر اُن لوگوں کے نام لکھتے لکھتے ارادہ توڑ دیا کہ جنہوں نے تعاون سے انکار کیا ......حوصلہ پست کرنا چاہا ...... یا اس کام کو معمولی سمجھا...... اُن سب کا بھی بہت بہت شکریہ۔

دعا گو

حسن علی آگریا

انتساب

وطنِ عزیز کے گمنام سپاہیوں، شہیدوں

اور

عالمِ اسلام کی سب سے بڑی باقاعدہ فوج کے

سپہ سالار

جنرل راحیل شریف کے نام

(جن کے خانوادے کو دو مرتبہ نشانِ حیدر عطا ہوا)

پیش لفظ

میں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟

پی ٹی وی (پاکستان ٹیلی ویژن) پر نشانِ حیدر کے عنوان سے نشر ہونیوالے ڈرامے ''شہید راشد منہاس'' اور ''شہید راجہ عزیز بھٹی'' میں دکھائے جانیوالے شہادت کے مناظر زمانہ طالب علمی میں ایک سے زائد مرتبہ خواب میں دیکھے یہ کتاب لکھنے کی تحریک ان خوابوں سے شروع ہوئی............

یہ زیادہ پرانی بات نہیں کے ملک بھر میں جہاں سے بھی پاک فوج کی کوئی گاڑی گزرتی تو لوگ احتراماً اور بچے والہانہ انداز میں ''پاکستان زندہ باد'' اور ''پاک فوج پائندہ باد'' کے نعرے لگاتے۔ لوگ اپنے گھر، دفتر حتیٰ کہ ٹرکوں پر شہدائے نشانِ حیدر کی تصاویر آویزاں کرتے لیکن اب ایسا خال خال ہی دیکھنے میں آتا ہے، افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم من حیث القوم اپنی نئی نسل کیلئے ان حقیقی ''قومی ہیروز'' کی شناخت قائم رکھنے کی قومی ذمہ

داری سے عہدہ برآں ہونیکی بہت اچھی مثال قائم نہیں کر سکے، انتہائی نامساعد حالات اور کم وسائل کے باوجود جس انداز میں افواجِ پاکستان کے شہداء اور گمنام سپاہیوں نے دفاع وطن کی خاطر اپنے سینوں پر آتشیں گولیوں اور بموں کے تمغے سجائے ان محسنوں کی قربانیوں، کارناموں اور احسانات کو نظر انداز یا فراموش کر کے مجموعی طور پر ہم ایک قومی جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

دنیا کے بیشتر ممالک کا میڈیا اپنی افواج کے نام نہاد کارناموں اور انکی عام سی زندگی کو بھی بہت خاص بنا کر انتہائی خوبصورتی سے پیش کرتا ہے اگر موازنہ کیا جائے تو یہ پروپیگنڈا میرے وطن کے ہیروز کی زندگی، داستانِ حق، دلیری، حب الوطنی اور ایثار و قربانی کے سامنے عشرِ عشیر بھی نہیں یہ کتاب لکھنے کی تحریک یہاں سے شروع ہوئی............

دنیا بھر کا میڈیا اپنی افواج کا مورال بڑھاتا ہے عالمی طاغوتی طاقتیں میڈیا کے ذریعے اپنے ''حملہ آور'' فوجیوں کو بھی ہیرو بنا کر پیش کرتی ہیں مگر پاکستانی میڈیا غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے مقابلے میں اپنے قومی ہیروز، غازیوں اور شہداء کو نظر انداز کر جاتا ہے جنکی بے لوث قربانیوں کے طفیل آج ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں نتیجتاً ہمارے بچے اور نوجوان اپنے حقیقی قومی ہیروز کے کارناموں اور احسانات سے ناواقف ہیں یہ کتاب لکھنے کی تحریک یہاں سے شروع ہوئی............

مملکت خداداد پاکستان کا معجزاتی قیام پہلے دن سے دشمنانِ اسلام کی آنکھ میں کھٹکتا تھا اور تا حال ایسا ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اتحاد کے فقدان کی وجہ سے اس وقت ملک مجموعی طور پر اپنی تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزر رہا ہے اب بیرونی خطرات کے ساتھ ساتھ اندرونی سازشوں کا بھی سامنا ہے کیونکہ دشمن کو اسلام کے نام پر قائم ہونیوالی اس نظریاتی خودمختار ریاست کی ترقی، پاکستانی قوم کا اتحاد اور مضبوطی ہرگز قبول نہیں اسی لئے دشمن کی ہر ممکن کوشش ہے کہ خاکم بدہن کسی بھی طرح اس ارض پاک کو نقصان پہنچایا جائے مگر

اس ناپاک کوشش کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ افواجِ پاکستان ہے جسکے افسران و جوان اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کردہ مقدس امانت (پاکستان) کی حفاظت کیلئے اپنی زندگیوں کا خراج دینا اعزاز جانتے ہیں۔

ازلی دشمن بھارت اور عالمی طاغوتی طاقتوں کی پاکستان دشمنی، ملکی مسائل کے انبار اور بدترین حالات دیکھتے ہوئے اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہ جانے یہ ملک کیسے قائم و دائم ہے جبکہ میڈیا یہ بتانے میں کسی حد تک ناکام رہتا ہے کہ یہ عطیہ خداوندی اللہ کے منتخب کردہ انہی شہداء، گمنام سپاہیوں اور محبّ وطن پاکستانیوں کی بے لوث قربانیوں سے قائم ہے جو ہمیشہ سے دشمن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے، ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ رہیں گے یہ کتاب لکھنے کی تحریک یہاں سے شروع ہوئی............

اس مٹی کا فخر ہے کہ یہ مٹی عاشقانِ رسول ﷺ، اللہ والوں، گمنام سپاہیوں اور شہیدوں سے آباد ہے یہ پاک سرزمین ہماری ماں ہے اس کا تقدس مجروح کرنیوالے اندرونی و بیرونی عناصر نہ پہلے کبھی کامیاب ہوئے اور نہ آئندہ کبھی کامیاب ہوں گے جب تک باری تعالیٰ کی طرف سے اس مٹی کے عشاق اور راہِ حق پر اپنا آپ قربان کرنیوالے یہ سچے سپاہی افواجِ پاکستان کا حصہ ہیں یہ ملک ہمیشہ قائم و دائم اور اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔

میں اس کتاب کے ذریعے قومی ہیروز کی ارواحِ مقدسہ تک یہ احساس پہنچانا چاہتا ہوں کہ پاکستانی قوم آپکے احسانات کی مقروض ہے اور ہمیشہ رہے گی یہ کتاب لکھنے کی تحریک یہاں سے شروع ہوئی............

آخری بات

کوئی نبی، کوئی رسول اور کوئی ولی اللہ ایسا نہیں گزرا جس نے خالق کے بندوں سے پیار اور مخلوق پر مہربانی نہ کی ہو۔ افواجِ پاکستان کے یہ سچے سپاہی جن سے راضی ہو

کر پروردگار نے انہیں منصب شہادت عطا فرمایا ان عظیم 11 شہداء کو یہ عزت ومقام اور از روئے قرآن ہمیشہ کی زندگی دراصل شہادت سے قبل ظاہری حیات میں انہی اوصاف کی بناء پر حاصل ہوئی جو اللہ تعالیٰ اپنے چنیدہ بندوں کو عطا کرتا ہے۔

میں نے یہ کتاب شہدائے نشانِ حیدر کی مخلوق سے محبت اور مہربانیوں کی چھوٹی چھوٹی خوبصورت مثالیں آپ تک پہنچانے کیلئے لکھی ہے............

احقر

حسن علی آگریا

hassanali1577@gmail.com

نشان حیدر

تاثّراتُ

''نشانِ حیدر''

''نشانِ حیدر'' کے نام سے پی ٹی وی پر طویل دورانیے کے کھیل نشر کیے گئے تھے اب سن تو مجھے یاد نہیں رہا مگر یہ یاد ہے اُس زمانے میں ان ڈراموں نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی۔ اس کے بعد شعیب منصور کا اسی موضوع پر ایک ڈرامہ نشر ہوا تھا وہ بھی بہت پسند کیا گیا تھا۔ پی ٹی وی کے سینئر ترین لوگوں کے بعد آنے والوں میں شعیب نے بڑا معیاری اور تخلیقی کام کیا۔ اگر وہ اس موضوع پر مزید کام کرتا تو ناظرین کو تخلیقی اور فنی اعتبار سے زیادہ بہتر ڈرامے دیکھنے کو مل سکتے تھے۔ اب ''محافظ میگ'' کے ایڈیٹر حسن علی آگریا نے ''نشانِ حیدر'' کے عنوان سے لکھی گئی ضخیم کتاب کو مکمل کیا ہے۔ اس میں 11 نشان حیدر کو شامل کیا گیا ہے۔ شہیدوں کے حالاتِ زندگی بڑے مفصل انداز میں بیان کیے گیے ہیں۔ اس کتاب کی افادیت کا جائزہ مختلف پہلوؤں سے لیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے تو ہماری نوجوان نسل سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور طالبات کی آگاہی کیلئے یہ کتاب بہت ضروری ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے انہیں معلوم ہوگا کہ بہادر لوگوں کی پہچان کیا ہوتی ہے؟ گلی محلوں میں بیٹھ کر باتیں بنانا اور اخبارات میں سیاسی بیان بازی کرنا زنانہ کام ہوتا ہے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ملکی سرحدوں کی حفاظت کرنا مردانہ کام ہے جو صرف ہمارے فوجی جوان ہی کرتے ہیں۔ دوسرا پہلو یہ کہ

یہ کتاب شہداء کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی قابلِ ستائش کاوش ہے اور تیسری بات یہ کہ موجودہ حالات میں فوج کو جس طرح بے جا تنقید کا نشانہ بنانے کی روش چل رہی ہے اس سلسلے میں اس کتاب کو مئوثر اور مدلل جواب کے طور پر بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

ملکی دفاع کے ساتھ ساتھ بہت سے فوجی بھائیوں کی ادب کے ساتھ بھی بڑی گہری وابستگی رہی ہے۔سید ضمیر جعفری، کرنل شفیق الرحمٰن اور بہت سے لوگ تھے جنہوں نے ادبی دنیا میں بھی بڑا نام کمایا۔اب جب میں ''نشان حیدر'' پڑھ رہی تھی تو معلوم ہوا کہ عزیز بھٹی شہید بھی ادب سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے انہیں جرمن زبان پر عبور حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ فوج میں جرمن کے سرکاری ترجمان بنائے گئے اور یہ کہ انہوں نے جرمن کی کئی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا تھا۔عزیز بھٹی شہید نے جن کتابوں کا جرمن سے ترجمہ کیا تھا پڑھنے والوں کیلئے وہ بہت قیمتی اثاثہ ہوگا اگر یہ شائع ہو چکی ہیں تو میرے علم میں نہیں ہیں اور اگر ان کتب کی اشاعت تا حال نہیں ہو سکی تو پھر میں شہید کے اہل خانہ سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ ہر صورت میں ان کی اشاعت کو ممکن بنائیں۔اللہ تعالیٰ سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف بخشے۔(آمین)

بانو آپا (بانو قدسیہ)

داستان سرائے

ماڈل ٹاؤن، لاہور

مومن شہید ہونے کی تمنا رکھتا ہے اور شہادت اللہ کا اپنے بندے پر سب سے بڑا احسان اور کرم ہوتا ہے یہ نعمت کوئی انسان اپنی مرضی سے حاصل نہیں کر سکتا اسی لیے شہید کا شمار اللہ رب العزت نے قرآن میں بھی اپنے انعام یافتہ لوگوں میں کیا ہے۔

پاکستانی فوج کا ڈسپلن اور جذبہ جہاد دنیا کی کسی اور فوج میں نہیں پایا جاتا یہی وجہ ہے کہ پاک فوج کے جانباز جب میدان کارزار میں اترتے ہیں تو فتح یا شہادت کا عزم لے کر دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں جب قوم اپنے شہداء کو تعظیم و تکریم دیتی ہے تو ان کی عزت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور آنے والی نسلوں کیلئے ان کی زندگیاں مشعلِ راہ بن جاتی ہیں۔

بلاشبہ شہید کی زندگی بہت خوبصورت ہوتی ہے جیسا کہ حسن علی آگریا نے آپ کے سامنے اس کتاب کی صورت میں پیش کی ہے اور ان کی موت ان کی زندگی کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتی ہے اللہ ہمارے تمام شہدا کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ آمین

آپ جن شہدا کا تذکرہ پڑھ رہے ہیں جو ہمارے ساتھی رہے اور قوم کے بہتر مستقبل کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر گئے ہمارا ان کے ساتھ پیار اور احترام کا جو رشتہ ہے وہ

آخری سانسوں تک قائم رہے گا انشاءاللہ۔

پاکستان ایکس سروس مین سوسائٹی کا صدر ہونے کی حیثیت سے میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں قوم کے ان چمکتے دمکتے ستاروں کی روشنی کو پھیلانے کی کوشش کروں تا کہ آنے والی نسلوں کو ہم اپنے ہیروز کا تعارف اس انداز سے پیش کریں کہ ان کی قربانی سے وہ وطن سے اپنی محبت کو جلا بخشیں۔

ایک انسان کیلئے اس سے زیادہ اور کچھ ممکن نہیں کہ وہ اپنا عزیز سرمایہ یعنی زندگی اللہ کی راہ میں قربان کر دے اپنے وطن سے بے پناہ محبت فوج کا طرہ امتیاز رہا ہے امن ہو یا جنگ فوج ہمیشہ تیار رہتی ہے خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ جذبہ یک طرفہ نہیں ہے بلکہ قوم اپنی افواج کی اس قربانی کے بدلے میں اس کے نامور اور گمنام شہیدوں کو محبت خلوص اور احترام کیساتھ یاد کرتی ہے اور ان کی قربانی کو اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتی ہے۔

یہ ہمارا پیارا وطن ہے اور ہزار سال کی جدوجہد کے بعد حاصل کیا گیا ہے ہمارا طاقتور دشمن اسے ملیا میٹ کرنے کیلئے مختلف حیلے بہانوں سے فوج اور قوم کے درمیان دراڑیں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن ان شاءاللہ اسے اس میدان میں بھی ماضی کی طرح رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا پاکستان قائم ودائم رہے گا اور ہم قربانیاں دیتے رہیں گے ایک گمنام سپاہی سے لے کر کرنل شیر خان شہید تک جتنے بھی شہداء قربان ہوئے ان کا قوم اور تاریخ پر بہت بڑا احسان ہے یہی محبت کا معیار ہونا چاہیے۔

اس کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

ہمارے تمام شہیدوں کو سلام فوجی ہوں یا سویلین، بالخصوص ان لوگوں کو جنہوں

نے بہترین اعزازات پائے نا صرف میڈلوں کی صورت میں بلکہ پاکستانی قوم کے دل میں جگہ بنائی اسی کو کسی نے یوں کہا

صلہ شہید کیا ہے تب و تابِ جاودانہ

میں دعا گو ہوں فاضل مصنف حسن علی آ گریا کیلئے جو کہ ہمارے محسنوں کی خوبصورت زندگی حسین گلدستے کی صورت میں قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی ایسے موضوعات پر لکھتے رہیں گے جن سے قوم بیدار ہو اور فوج و قوم کے رشتوں کو مضبوط بنایا جا سکے۔

والسلام

جنرل (ر) حمید گل

صدر پاکستان ایکس سروس مین سوسائٹی

سابق ڈی جی آئی ایس آئی

آج سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل پاکستان فوج کی مجاہد بٹالین کے نائیک محمد اسلم آزاد کشمیر میں درۂ حاجی پیر کی بلند ترین چوٹی پر پاک سرزمین کا دفاع کرتے ہوئے دشمن کی گولی کا نشانہ بن گئے۔ یہ سنتے ہی میں فوراً چکوال کے ایک دور افتادہ گاؤں خیر پور میں شہید کے والدین سے افسوس کیلئے پہنچ گیا شہید کی والدہ مقصودہ بیگم سے جب میں نے یہ کہا کہ آپ کے لختِ جگر کی جدائی پر میں آپ کے دکھ بانٹنے آیا ہوں تو شہید کی ماں نے کہا کہ دکھ تو اتنا ہے کہ جگر چھلنی ہو رہا ہے لیکن افسوس یا پچھتاوا بالکل نہیں کیونکہ شہادت مادرِ وطن کے دفاع میں ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اس سے پہلے 1971ء کی جنگ میں شہید کے چچا نائیک اسلم نے بنگلہ دیش کیلئے جانثار کی۔ اس شہید کے نام کو زندہ رکھنے کیلئے میں نے اپنے بیٹے کا نام بھی اسلم رکھا تھا آج یہ بھی شہید ہو گیا ہمیں اس پر فخر ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ آج سے چند دن قبل ان کے ایک اور قریبی رشتہ دار جواں سال محمد عاصم کی لاش وانا وزیرستان سے آئی ہے جسکی شہادت بھی ہمارا ایک اعزاز ہے۔ یہ ہے پاکستانی ماؤں کا جذبہ جس کو کوئی دشمن بھی خواہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہوں مسخر نہیں کر سکتا۔

حسن علی آگریا کی یہ کتاب ایک نہایت ہی قابل تعریف کاوش ہے اس میں ہمارے ان نامی گرامی شہداء کا ذکر ہے جنہوں نے پاکستان کا سب سے بڑا اجرات و بہادری

کا اعزاز نشانِ حیدر حاصل کیا۔

آج جب پاکستان دشمن قوتیں ہماری عالی شان اور بہادر افواجِ پاکستان کو بدنام اور کمزور کرنے کی در پے ہیں تو اس کتاب کا ظہور بہت ہی بر وقت ہے۔حسن علی آگریا نے نہایت محنت اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر یہ تخلیقی کام سرانجام دیا ہے میں ان کی اس بڑی ہی پاکیزہ کاوش کو سلام پیش کرتا ہوں۔

اس کتاب کی ایک ایک لائن اور ایک ایک لفظ حقائق پر مبنی ہیں یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں خود ایک سپاہی اور 1971ء کی جنگ کا غازی ہوں اس جنگ میں سیالکوٹ کے محاذ پر ہمارے جری اور بہادر جوان جس جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر دشمن پر لپکتے تھے وہ دیدنی تھا۔ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ ہماری پاک فوج کے ایک لیفٹیننٹ کرنل حاجی محمد اکرم نے جب خود دشمن پر حملے کی قیادت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تو ہندوستانی فوج کے کمانڈروں نے اس کو نا قابل یقین جرأت سے نہ صرف زبانی تعبیر کیا بلکہ لکھ کر اپنی تحریر جسدِ خاکی کے ساتھ بھیج دی۔

مصنف حسن علی پاکستان کے محسن ہیں ان کے قلم کو چومنے کو دل کرتا ہے اللہ ان کو اس کا اجر دے۔آمین

جنرل (ر) عبدالقیوم

ہلال امتیاز (ملٹری)

سابق چیئرمین پاکستان اسٹیل ملز

سابق ملٹری سیکریٹری وزیر اعظم پاکستان

شہادت پاک فوج کے ہر سپاہی کی خواہش ہوتی ہے میں نے 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگ لڑی ہے۔معرکہ کھیم کرن میں جنرل پرویز مشرف کے ساتھ فرنٹ لائن میں تھا۔ان دونوں جنگوں میں ہر فوجی کی طرح شہادت میری بھی خواہش تھی مگر میں غازی رہا۔

میری یہ خوش نصیبی ہے کہ میرا کچھ وقت نشانِ حیدر کا اعزاز حاصل کرنیوالے دو شہیدوں کے ساتھ بھی گزرا۔میجر شبیر شریف اور میجر محمد اکرم فرنٹئیر فورس رجمنٹ سے تھے اور میرا تعلق بھی فرنٹئیر فورس رجمنٹ سے تھا اگرچہ میں دونوں سے ذرا سینئر تھا مگر ہمارے دوستانہ مراسم تھے۔

میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں جن دنوں انسٹرکٹر تھا تو انہی دنوں میجر اکرم بھی وہاں انسٹرکٹر تھے اور ہم دونوں کے کمرے بھی ساتھ ساتھ ہی تھے۔میجر شبیر شریف اور میجر اکرم کے ساتھ ایبٹ آباد اور کوئٹہ میں مختلف کورس ساتھ کئے دونوں ایک اچھے سولجر کے علاوہ انتہائی خوش مزاج ،ملنسار اور بہترین طبیعت کے مالک تھے ان دونوں ''نشانِ حیدر'' کے ساتھ میری کچھ خوبصورت یادیں وابستہ ہیں۔

اس وقت جبکہ ملک کا زیادہ تر میڈیا مایوسی پھیلا رہا ہے اور میڈیا کو پاکستان کی

خوبیاں، عظیم لوگ اور وہ ہیروز نظر نہیں آتے جنہوں نے اس ملک کیلئے اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ ایسے حالات میں نوجوان لکھاری حسن علی آگریا نے دفاع وطن کی خاطر اپنی زندگیاں قربان کرنیوالے قومی ہیروز اور شہیدوں کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے انکی نجی وفوجی زندگی، قربانیوں اور کارناموں پر مکمل اور جامع کتاب لکھ کر ملک وقوم کیلئے بہت اچھا کام کیا ہے جو کہ ناقابل فراموش ہے۔

کتاب نشانِ حیدر وقت کی اہم ضرورت تھی جو مصنف نے حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہو کر لکھی ہے۔ شہیدوں اور نیشنل ہیروز کو خراجِ تحسین پیش کرنیوالے حسن علی آگریا جیسے محبِّ وطن نوجوان صحافی اس ملک کا فخر ہیں اور ہمیں ایسے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

جنرل (ر) معین الدین حیدر

سابق گورنر سندھ

یوں تو وطن عزیز کے دفاع میں قربان ہونیوالی ہر جان قوم کیلئے باعث تکریم ہوتی ہے لیکن چند افراد جس سج دھج سے اس فریضے کو سرانجام دیتے ہیں وہ ان کی جرأت، بہادری، حب الوطنی اور سرفروشی کی زندہ مثال بن کر نت نئی داستانیں رقم کرتی ہیں۔ یہ کتاب ایسے ہی چند سرفروشوں کی داستان ہے جسے مصنف نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے اور ان عظیم ہستیوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ دُعا ہے کہ رب العزت مصنف حسن علی آگریا کی اس کاوش کو شعبہ زندگی کے تمام حلقوں میں پذیرائی عطا فرمائے اور ''نشانِ حیدر'' کو آنیوالی نسلوں کیلئے ایک مشعلِ راہ ثابت کرے۔

دعا گو و خیر اندیش

وائس ایڈمرل (ر) جاوید اقبال

سابق سفیر

کئی بظاہر زندہ افراد قابل ذکر نہیں ہوتے ــــــــ
شہیدوں کے اس ذکرِ خیر کو ''شہید زندہ ہے'' کی منطقی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔
اس کتاب میں پہلی مرتبہ عین حقیقی حالاتِ زندگی پڑھنے کو ملے ــــــــ
راشد منہاس کے علاوہ دیگر مضامین پڑھ کر بے حد شدت سے احساس جاگا کہ یہ سب راشد تھے ــــــ
مصنف حسن علی آگریا آپ کی اس کاوش پر ہماری فیملی ،افواجِ پاکستان کے سپاہی اور یقیناً تمام نشانِ حیدر بہت خوش ہوں گے۔فی الحال ہماری طرف سے راشد منہاس کے Behalf پر شکریہ۔بہت بہت شکریہ۔

شہید راشد منہاس کی والدہ رشیدہ منہاس
اور بڑی بہن فریدہ منہاس
کے تاثرات سے اقتباس

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج نے وطن عزیز کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کیلئے گراں قدر اور عظیم الشان قربانیاں دی ہیں جن پر پوری قوم بجاطور پر فخر کرتی ہے۔

افواج پاکستان کی پوری تاریخ عزم وشجاعت اور لازوال قربانیوں سے عبارت ہے۔ میری حُر جماعت اور پاکستان مسلم لیگ فنکشنل کو اس پر فخر حاصل ہے کہ اس نے وطن عزیز کی حفاظت، سالمیت اور نظریہ پاکستان کی سربلندی کیلئے ہمیشہ اپنی مسلح افواج کی بھرپور اور پُرزور حمایت کی ہے اور جب کبھی بھی پاکستان پر آزمائش کا وقت آیا تو حُر جماعت نے افواج پاکستان کے شانہ بشانہ وطن عزیز کے دفاع کا مقدس اور عظیم فریضہ پوری جانفشانی اور صدق دل سے ادا کیا۔

قومی ہیروز کی عظیم قربانیوں پر لکھی جانے والی کتاب
''نشانِ حیدر''
یقیناً قوم کے ان بہادر شہیدوں کے کارناموں کو اجاگر

کرنے میں مددگار ثابت ہوگی جنہوں نے پاکستان کی
بقاء اور سلامتی کیلئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش
کیئے۔

اس کتاب کی اشاعت پر میں مصنف حسن علی آگریا کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور ہماری بہادر افواج کو نظر بد سے اور ہر قسم کی سازشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

پیر صبغت اللہ شاہ راشدی پیر پگارا

صدر پاکستان فنکشنل لیگ

سربراہ حُر جماعت

نوجوان صحافی حسن علی آگریا کی حب الوطنی کے جذبوں سے بھرپور کتاب ''نشانِ حیدر'' پڑھ کر جو خوشی ہوئی اسے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ جن شہداء کو نشانِ حیدر کے اعزاز سے نوازا گیا ہے یہ عام لوگ نہیں تھے اور نہ ہی ان کے بزرگ دنیا پرست تھے۔ مصنف نے اپنی کتاب نشانِ حیدر میں اس حوالے سے ایک جگہ لکھا ہے کہ

> ''دوسرے نشانِ حیدر شہید میجر طفیل محمد کے والد چوہدری موج دین کیسے انسان تھے؟ اس کا جواب راقم کو تحقیق کیساتھ ساتھ عارفین کی محفل سے ایسے ملا کہ جس خاندان میں اللہ رب العزت اپنے چنیدہ، مخصوص، پیارے، نیک یا شہید کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے حسب ونسب کو بھی غیر معمولی بنا دیتا ہے چنانچہ حقیقت راقم پر آشکار ہوئی کہ ہر شہید کے بزرگوں میں خداشناسی اور دیگر اخلاقی قدریں اپنے بامِ عروج پر ہوتی ہیں تو کوئی ''نشانِ حیدر'' کا مستحق پیدا ہوتا ہے''۔

پاکستان کی یہ خوش نصیبی ہے اور ہمارے فوجی بھائیوں اور بیٹوں نے یہ ثابت بھی کیا ہے کہ پاک فوج کا ہر سپاہی اپنے وطن کی حفاظت کیلئے قربان ہونے کو اپنا اعزاز جانتا ہے۔

یہ ملک افواج پاکستان کے شہیدوں کی وجہ سے قائم ہے مگر بدقسمتی سے ہماری نوجوان نسل اپنے حقیقی قومی ہیروز کی بے مثال قربانیوں اور کارناموں سے ناواقف ہے۔اس حوالے سے حسن علی آگریا نے پہلی مرتبہ گیارہ نشانِ حیدر پر کتاب لکھ کر وہ کام کیا ہے جوشاید پاکستانی حکومت کو کرنا چاہیے تھا۔

اس کتاب میں مصنف نے شہیدوں کی دلیری و بہادری، ذاتی زندگی، عظیم قربانیوں اور کارناموں کو جس خوبصورت انداز میں بیان کر کے جذبہ حب الوطنی بیدار کرنے اور فوج پر تنقید کرنے والوں کو کتاب نشانِ حیدر کی صورت میں جواب دیکر جو کارنامہ انجام دیا ہے میں اس قومی خدمت پر حسن علی آگریا کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ طالب علموں کو اپنے قومی ہیروز سے آگاہی اور ان میں جذبہ حب الوطنی بیدار کرنے کیلئے اس کتاب کو کورس کا لازمی حصہ بنایا جائے۔

دعا گو

انجینئر نجیب ہارون

مرکزی سینئر نائب صدر

پاکستان تحریک انصاف

جناب حسن علی آ گریا کی کتاب بعنوان ''نشانِ حیدر'' کو پڑھنے کے بعد ایک خوشگوار حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ کیونکہ آج کے اس آزاد میڈیا کے دور کی وجہ سے 1857ء کی جنگ آزادی کے بہت سے ''معزز غداروں'' کے مکروہ چہرے اصل صورت میں سامنے آنے شروع ہوگئے ہیں مگر پھر بھی ان ''معزز غدار خاندانوں'' کی اولادیں ابھی تک اس مملکت خداداد پاکستان میں نہ صرف اقتدار کی اعلیٰ مسندوں پر بیٹھی ہیں بلکہ دینی اور روحانی شکلوں میں بھی خود کو عزت وافتخار کے مقام پر ظاہر کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ ان غداروں کے برعکس وہ محبّ وطن اور مجاہد جنہوں نے اس جنگ آزادی میں نہ صرف اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے بلکہ اپنا سارا مال ومتاع اس وطن کی خاطر لٹا دیا تھا آج ان کا کوئی نام لیوا بھی نہیں۔

اس طرح کے حالات میں پھر قوموں کی آئندہ آنے والی نسلوں میں غداروں کیلئے تو بہت پرکشش ترغیبات باقی رہتی ہیں مگر محبّ وطن لوگوں کو جانثاری کے راستوں میں اندھیروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا چنانچہ ان حالات میں نوجوان صحافی حسن علی آگریا کی کتاب نشانِ حیدر کا منظر عام پر آنا ہی ایک روشنی کے مینار سے کم نہیں، جس سے آئندہ کی نسلوں کو وطن کی محبت اور جانثاری کے راستے پر چلنے کی رہنمائی حاصل ہوگی اور

حوصلہ افزائی بھی۔

اس کتاب سے نئی نسل میں ایک نئی سوچ اور روشنی کی نئی کرن پیدا ہو گی کیونکہ 1857ء کے غداروں اور انکی نسلوں کو ہی اس ملک میں عزت وافتخار ملا ہے جبکہ وطن کی خاطر اپنی جان ومال قربان کرنیوالوں کا ذکر کتابوں سے بھی نکال دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے حسن علی آگریا نے وطن عزیز پر اپنی زندگیاں قربان کرنیوالے افواجِ پاکستان کے شہداء پر کتاب لکھ کر ایک نیک کام کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی انہیں اس کا اجر دیگا۔

یہ تصنیف ایک قومی امانت ہے چنانچہ یہ ضروری ہے کہ کتاب نشانِ حیدر کم از کم تمام تعلیمی اداروں اور لائبریریوں میں ضرور ہونی چاہیے تا کہ ہماری نئی نسل کو پتہ چلے کہ ان کے اور اس ملک کے اصل محسن اور ہیرو کون ہیں اور اگر حکومت چاہے تو جہاں رقص کرنیوالوں کو صدارتی ایوارڈ مل سکتا ہے تو نوجوان صحافی اور کتاب نشانِ حیدر کے مصنف حسن علی آگریا کی حوصلہ افزائی کیلئے یہاں بھی غور کیا جائے۔

نوٹ: یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ 11 نشانِ حیدر کا اعزاز پانے والوں میں سے 9 راجپوت ہیں۔

پروفیسر انجینئر رانا سعید احمد طور

مرکزی نائب صدر پاکستان مسلم لیگ (ق)

چیئرمین پاکستان راجپوت قومی اتحاد

ہمارے صحافی دوست اور پی ایف یو جے کے ممبر حسن علی آگریا نے پہلی مرتبہ نشانِ حیدر پر ضخیم ترین کتاب لکھ کر قومی خدمت کا کام کیا ہے۔ وقت کی اہم ضرورت اور قومی سطح کی یہ کتاب خوبصورت تحریر بھی ہے اور تحقیق بھی۔ جس میں قوم کو اپنے قومی ہیروز سے روشناس کرانے کیلئے شہیدوں کے حقیقی حالات زندگی اور شہادت کو جس خوبصورتی اور مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے شاید اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی لہٰذا کتاب کے مصنف کو بھی تحریر کا نشانِ حیدر ملنا چاہیے۔

اگر ہم نے پاکستان کے ان محسنوں اور حقیقی قومی ہیروز کو اپنی نئی نسل تک نہ پہنچایا تو یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہوگی لہٰذا اس کتاب کو پانچویں جماعت کے بعد کورس میں شامل کرنا چاہیے۔

دعا گو

رانا عظیم

صدر پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ملک کی خاطر لڑنے کیلئے فوجی وردی یا اسلحہ بارود کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس مٹی سے محبت کرنے والا دل ہونا چاہیے۔ دوسال قبل میری حسن علی آگریا سے ملاقات ہوئی، دلکش آنکھوں والا یہ نوجوان اپنے اندر وطن کی محبت سموئے پھرتا ہے۔ آجکل کے دور میں جہاں اہل قلم اپنے ''سپانسرز'' کے ''ایجنڈے'' کا پرچار کرتے ہیں یہ دیوانہ ''پاکستانیت'' کا علم اُٹھا کر چل رہا ہے۔ دیوانے کا لفظ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد لکھا ہے کیونکہ ایسے وقت میں جب پاکستانی لکھاریوں کو پاکستانی کہلاتے ہوئے شرم محسوس ہو، اپنی افواج اور سپاہ کے خلاف لکھنا اور نجی محفلوں میں بولنا ''فیشن'' کے زمرے میں آتا ہو یہ دیوانگی کی حد تک بے پرواہ ہو کر اپنی کتاب ''نشانِ حیدر'' لکھنے میں مگن رہا۔ کسی کی مالی مدد یا معاونت کے بغیر دوسال کے طویل عرصے تک ایک ہی مشن سے جُڑا رہا۔ خوش قسمتی سے مجھے اس نادر کتاب کے ابتدائی مسودے پڑھنے کا موقع ملا۔ شہداء کی زندگی اور اُن کے جراُت کے واقعات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قاری کا خون بھی گرما جاتا ہے۔

حسن نے کتاب لکھنے سے قبل اور دوران بہت ہی مفصل تحقیق کی۔ شہداء کے اہل خانہ، اُن کے ہم عصروں اور اُن کے اداروں سے ملاقات، مشاورت اور رہنمائی لی۔ میرے نزدیک شہدائے وطن کی قربانیوں کو سراہنے کیلئے اس کتاب سے بہتر کیا نذرانہ ہوسکتا ہے۔

حسن بلاشبہ ادیبوں کی اُس صنف سے تعلق رکھتا ہے جو عنقا ہوتی جا رہی ہے۔
بلاشبہ یہ کتاب آنے والی نسلوں کیلیئے رہنمائی کا باعث بنے گی۔
بہت ساری نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ

میجر سید وحید اختر بخاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش نظر کتاب نشانِ حیدر موضوعاتی اعتبار سے وہ سوانحی خاکے ہیں جو نشانِ حیدر کا اعزاز پانے والے پاک فوج کے جوانوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے تحریر کئے گئے۔ شہادت وہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جو ہر فوجی جوان کا خواب ہوتا ہے اور نشانِ حیدر وہ عظیم ترین اعزاز ہے جسکے سامنے کوئی دوسرا اعزاز ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

مصنف کا پاک فوج کیلئے یہ نذرانہ عقیدت یقیناً اس زیاں خانے میں ان کیلئے راہ نجات کا ذریعہ تو ہوگا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ دیکھا جائے تو یہ ادب کی دنیا میں بھی ایک گراں نما اضافہ ہے۔

جہاں باپ اور بیٹے ایک ہی میدان کارزار میں لیلائے وطن پر جانثار کرنے کیلئے بے قرار نظر آتے ہیں شریف فیملی کا یہ اعزاز قاری کو ان دشوار گزار راہوں میں لے جاتا ہے جہاں فکشن نہیں ہوتا درحقیقت قاری کا دل شہید کی دھڑکن اور اس کے محسوسات سے آشنا ہوتا چلا جاتا ہے۔ رزمیہ داستانیں لکھی ہی اس مقصد کیلئے جاتی ہیں کہ مادرِ گیتی سے محبت کے جذبے کو اجاگر کیا جائے یقیناً مصنف اپنے مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے موضوع پر جو گرفت قائم رکھی ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔

کارگل کے معرکہ سے متعلق ایک عام قاری کے ذہن میں جو سوالات گردش کرتے ہیں اس حوالے سے مصنف نے اسکی جغرافیائی اہمیت کو جس خوبی سے واضح کیا ہے اس کو پاک فوج کا رکن نمائندہ ہی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے لیکن آگریا صاحب ایک عام قاری کے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کی بھی تشفی کرواتے نظر آتے ہیں۔انہوں نے تحقیقی بنیادوں پر جو کام کیا ہے وہ انکی موضوع سے محبت اور عقیدت کے ساتھ ساتھ انکی ذہنی مشقت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

دشمن کی جانب سے شہید کیپٹن شیر خان کیلئے لکھا جانے والا تعریفی خط اس ارضِ وطن کے ماتھے کا وہ جھومر ہے جسکی چمک کبھی ماند نہ پڑے گی یہ خط وہ عظیم ترین اعزاز ہے جو دشمن نے از خود محسوس کیا۔

کتاب کا سیدھا سادہ رواں اسلوب اس کی کامیابی کی ضمانت بھی ہے اور حسن علی آگریا صاحب کی طرف سے پاک فوج کیلئے بہترین خراجِ تحسین بھی۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی پاک فوج سے متعلق موضوعات پر قلم اٹھاتے رہیں گے جو وقتِ ناتواں کی اہم ترین ضرورت ہے کیونکہ بقول شاعر ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

صلہ شہید تو تب وتاب جاودانہ ہے اور ہمیشہ رہے گی اور اسکے لئے اس قسم کی تحریرات وقت کا اہم اور دل آگین تقاضہ ہے۔

بریگیڈیر شہزاد اختر

ڈائریکٹر جنرل پاکستان کوسٹ گارڈ

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں راشد منہاس کا کورس میٹ ہی نہیں بلکہ اُن کی شہادت کے وقت اُن کا روم میٹ بھی تھا۔

راشد ایک ملنسار اور انتہائی خوش مزاج انسان تھا۔ اُسکی بہترین اخلاقی قدروں نے اُسے ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ ماضی کی عظیم ہستیوں کے متعلق اُسکا مشاہدہ بہت وسیع تھا۔ اُسکی کتابوں کی Collection سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ راشد منہاس جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہے اور وہ ملک وقوم کیلئے کسی بھی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔

بری اور بحری افواج کی طرح پاک فضائیہ بھی اپنے شہیدوں کی وجہ سے قائم ہے جس نے پائلٹ آفیسر راشد منہاس جیسا لازوال قربانی پیش کرنے والا نوجوان پیدا کیا۔

میں کتاب نشانِ حیدر کے مصنف حسن علی آ کریا کو مبارکباد دیتا ہوں اور انشاءاللہ یہ کتاب آنے والی نوجوان نسلوں کیلئے ایک مشعل راہ ثابت ہوگی۔

والسلام

گروپ کیپٹن (ر) مسعود اختر حسینی

فضائی مصور، تمغہ بسالت

صدارتی ایوارڈ برائے حسنِ کارکردگی

پہلا نشانِ حیدر

شہید

راجہ محمدّ سرور بھٹی

جمعرات ۱۰ نومبر ۱۹۱۰ء

تا

منگل ۲۷ جولائی ۱۹۴۸ء

Captain
Raja Muhammad Sarwar
Shaheed

راجہ محمد سرور بھٹی

ولدیت	:	راجہ محمد حیات خان
تاریخ پیدائش	:	جمعرات 10 نومبر 1910ء
جائے ولادت	:	سنگوری، گوجر خان۔ راولپنڈی
آرمی نمبر	:	9614
رینک	:	کیپٹن
آرمڈ سروس	:	پنجاب رجمنٹ
تاریخ شہادت	:	منگل 27 جولائی 1948ء
بمقام	:	اوڑی سیکٹر، کشمیر
آخری آرام گاہ	:	تل پترا، اوڑی سیکٹر کشمیر (یادگار... جی ٹی روڈ، سنگوری گوجر خان)
عرصہ حیات (ظاہری)	:	37 سال 8 ماہ 17 دن

زندگی کی حسین یادیں سمٹ کر انہی چند سالوں میں رونق افروز ہوتی ہیں جو ہم نے کراچی یونیورسٹی میں گزارے اوراس عرصہ کی لذتیں تمام عمر کو راحت بخش بنانے کیلئے کافی ہیں۔یونیورسٹی کی خوبصورتیوں میں سے ایک خوبصورتی وہاں موجود چند لوگوں کی ظاہر وباطن کی یکساں روشنی بھی تھی جو بد قسمتی سے یونیورسٹی کے بعد خال خال ہی نظر آئی۔

خدا کے فضل سے مالا مال کچھ ایسے بندے جنکی زندگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ان سے پیار کرتا ہے ایسے کرم والے لوگوں کیساتھ رہنا میں اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔میرے ذہن ودل میں ''بابا جی'' کا ایک خاکہ قائم تھا چنانچہ بغیر کسی نام نہاد ظاہری بود وباش اور نشست وبرخاست کے مجھے ''بابا جی'' نوجوانوں میں نظر آجاتے تھے۔یونیورسٹی میں ایک

خوبصورت نوجوان (باباجی) سے ملاقات اور پھر دوستی کے بعد یہ یقین ہو گیا کہ اللہ والے نہ صرف ہر جگہ ہوتے ہیں بلکہ عمر، مخصوص لباس اور حلیے کی قید سے بھی آزاد ہوتے ہیں۔

یونیورسٹی کے خوبصورت رابطوں میں سے ایک رابطہ ''عبداللہ''......

عبداللہ میرے تمام دوستوں میں سب سے مختلف تھا دوسروں کی مدد کیلئے ہر وقت تیار رہنے والا اور سچا.................. کلاسز سے فراغت اور پوائنٹس (یونیورسٹی بس) جانے کے بعد اگر کوئی اور ہمراہ نہ ہوتا تو ہم دونوں کا دوپہر سے شام تک کا وقت ساتھ ہی گزرتا، خوبصورت و حسین شاموں میں آرٹس لابی سے پیدل چلتے ہوئے ہمارا آخری پڑاؤ کراچی یونیورسٹی میں قائم صوفی ہوٹل ہوتا۔ کب شروع اور کب ختم ہوئے یہ دن، مہینے اور سال پتہ ہی نہ چلا۔

جامعہ کراچی سے پاس آؤٹ ہونے کے بعد میرے دوست عبداللہ کی زندگی کی کشتی دکھوں اور تکلیفوں کے دریا میں ہچکولے کھانے لگی۔ شاید ادھوری محبت، انسانی خواہشات اور معاشی مسائل کی وجہ سے اب وہ اُس رنگ میں نہیں رہا جس رنگ میں وہ رہنا چاہتا تھا۔

عبداللہ کا کہنا ہے کہ میں بے چین رہا۔ سوچتا

رہا کہ میں کیوں ہوں؟ کیا ہوں؟ اور کس لئے ہوں؟ شاید باہر کے مسائل اور اندر کے یہی سوالات اُسے پریشان کرتے رہے۔ اُسکا کسی جگہ جی نہ لگتا وہ زندگی کے مسائل کیساتھ ساتھ اس بات پر بھی پریشان رہتا کہ میرا ظاہر و باطن ایک سا کیوں نہیں۔ میرا ظاہر میرے باطن سے جدا کیوں ہے اور میرا اندر میرے باہر جیسا کیوں نہیں۔ وہ کہتا کہ اب حد تو یہ کہ نماز پڑھنے سے میرا ظاہر تو آمادہ رہتا لیکن میرا اندر اس عبادت کا کوئی اثر نہ لیتا شاید میری نماز صرف باہر تھی اندر سب خالی تھا۔

تن اُجلا من کالا، یہ ہے بگلے کا بھیس
اس سے اچھا کالا، جو اندر باہر ایک

عبداللہ کا کہنا ہے کہ ایک روز وہ محلے کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گیا نماز کی ادائیگی کے بعد جب وہ باہر نکلنے لگا تو وضو خانہ کے قریب صحن اور سیڑھیوں کے درمیان ایک ضعیف العمر اماں بیٹھی شاید آسمان کی طرف مخاطَب تھی۔ پاس ہی ایک نوجوان بیٹھا تھا جو لباس سے قطعاً شہری نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا اور ضرورت مند سمجھ کر کچھ پیسے دیئے۔ نوجوان نے پیسے لینے سے انکار کر دیا اور

بامشکل اُردو بولتے ہوئے بتایا کہ ہم عمرکوٹ کے رہنے والے ہیں اور یہ میری دادی ہے میری دادی کو گردوں میں شدید تکلیف ہے۔ دوائیں لی ہیں لیکن آرام نہیں آرہا اب دادی کہتی ہے کہ مجھے مزید علاج نہیں کرانا اپنی مٹی (عمرکوٹ) میں واپس جانا ہے لیکن اب ہمارے پاس واپسی کا کرایہ تک نہیں آپ اگر مہربانی کریں تو ہمیں اسٹیشن تک پہنچا کر ریل کا ٹکٹ لے دیں اللہ سائیں آپ کا بھلا کرے گا۔

عبداللہ بتاتا ہے کہ نوجوان کے چہرے پر بلا کی کشش اور معصومیت تھی باتوں میں بھی سچائی اور میٹھا پن تھا میں نے اپنی جیب ٹٹولی تو میرے پاس تقریباً گیارہ سو روپے تھے، دادی کو سہارا دے کر مسجد سے سڑک تک لائے اور پھر ٹیکسی میں بٹھا کر کینٹ اسٹیشن لے گئے ریلوے اسٹیشن کے اندر انہیں ایک بینچ پر بٹھایا پھر میں نے ٹکٹ لا کر لڑکے کو دیئے ابھی ٹرین کی روانگی میں ایک گھنٹہ باقی تھا میں قریبی اسٹال سے کچھ جوس ، بسکٹ اور منرل واٹر کی دو بوتلیں لے آیا۔ دیہاتی نوجوان کی دادی تکلیف میں تھی انہوں نے اپنے پیر سیدھے کیئے تو میں زمین پر بیٹھ گیا اور پیر دبانے شروع کردیئے کہ شاید انھیں کچھ آرام آجائے تو واقعی اب وہ اپنا درد بھول کر مجھے دیکھ رہی تھیں میں انکی وہ محبت اور پیار بھری نظریں کبھی نہیں بھول سکتا، ٹرین

چلنے کا وقت قریب آیا تو ہم نے دادی کو لے جا کر سیٹ پر بٹھا دیا میں نے ساتھ بیٹھے مسافروں سے بھی درخواست کی کہ بیمار ہے راستے میں خیال رکھیے گا میرے پاس ابھی بھی کچھ پیسے باقی تھے میں نے وہ نکال کر لڑکے کو دیئے وہ لینے سے انکاری ہوا تو میں نے کہا کہ رکھ لو یار یہ میرے نہیں تمہارے ہی ہیں راستے میں ضرورت پڑ سکتی ہے اور پھر گاؤں کیلئے ٹیکسی وغیرہ کرنا ہوگی تو اس نے رکھ لیے، میں ٹرین سے اُتر کر کھڑکی کے قریب کھڑا ہو گیا تو کچھ لمحوں بعد ہی نوجوان نے کہا کہ آپ کو دادی بلا رہی ہے میں جلدی سے دادی کے پاس گیا کیونکہ ٹرین چلنے والی تھی دادی نے میری طرف ہاتھ آگے بڑھایا تو میں اپنا سر جھکائے اُنکے قریب چلا گیا انھوں نے میری پیشانی پر محبتوں بھرا بوسہ دیا سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر دعا کے انداز میں اُٹھائے پھر میں ٹرین سے نیچے آ گیا ٹرین چلنا شروع ہوئی میں باہر سے اور دادی کھڑکی سے مجھے دیکھ رہی تھی ٹرین اب میری نظروں سے بہت دور جا چکی تھی میں کچھ دیر وہیں ساکت کھڑا رہا۔

عبداللہ نے مزید بتایا کہ ٹرین جانے کے بعد اچانک مجھے نماز کا خیال آیا تو اسٹیشن کے اندر ہی ریل کی پٹریوں کے سامنے سبز رنگ کی ایک چھوٹی سی

مسجد میں چلا گیا اُس وقت مسجد کے چھوٹے سے صحن میں سوائے ایک ضعیف آدمی کے کوئی اور نہ تھا میں وضو کر کے نماز سے فارغ ہوا تو بوڑھے شخص نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا میں سمجھا شاید پیسے مانگے گا مگر قریب گیا تو اُس کا چہرہ واضح ہوا کہ وہ ایک غیر معمولی آدمی ہے شاید میرے بابا جی کے تصور سے ملتا جلتا............

بابا جی نے کہا
''ڈیوٹی پوری ہوگئی جا بیٹا اب مزے کر''

اس ایک جملے نے عبداللہ کے ظاہر و باطن کے فرق کو مٹا دیا اور وہ روح کی گہرائی تک لذت محسوس کرنے لگا اور کچھ کہے بغیر چل پڑا۔ کینٹ اسٹیشن سے نکل کر اپنی خوابیدہ کیفیت سے لوٹا تو احساس ہوا کہ دسمبر کی سردیاں ہیں اور کسی حد تک سناٹا بھی ہو چکا ہے مگر اُسے اندر اور باہر ہر طرف روشنی ہی روشنی محسوس ہوئی اب اُس کے پاس نہ گھر جانے کا کرایہ تھا اور نہ ہی سگریٹ خریدنے کے پیسے تھے چنانچہ کینٹ اسٹیشن سے گھر تک کا تقریباً 5 کلو میٹر کا سفر پیدل ہی کیا جو اُسکی زندگی کا بہترین سفر تھا۔

بظاہر تو یہ ایک چھوٹا سا واقعہ اور شاید چھوٹی سی اچھائی تھی مگر اس واقعے کے بعد اُس نے محسوس کیا

کہ اُسکی زندگی تیزی سے بدلنا شروع ہوگئی تمام اُلجھنیں، بے چینی اور مسائل سلجھتے گئے ''مٹی کو ہاتھ لگاتا تو سونا ہوجاتا'' والی کیفیت ہوگئی تھی۔

اس ایک واقعہ نے میرے دوست عبداللہ کی زندگی بدل دی تھی جبکہ پہلے نشانِ حیدر شہید کیپٹن راجہ محمد سرور کی زندگی تو اسطرح کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت واقعات اور اچھائیوں سے بھری ہوئی ہے۔

خاندانی پس منظر

پہلے نشانِ حیدر شہید کیپٹن راجہ محمد سرور کا تعلق راجپوت بھٹی گھرانے سے تھا انکے والد راجہ محمد حیات خان برطانوی فوج میں حوالدار تھے انگریز حکومت نے پہلی جنگ عظیم میں انکی بہادری اور فرض شناسی کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے چک نمبر 229 گ ب تحصیل سمندری میں تین مربع زمین انعام میں دی تھی۔

راجہ محمد حیات بہت عرصے تک اسی گاؤں کے نمبردار بھی رہے وہ ایک نیک اور سچے انسان تھے بحیثیت نمبردار ہمیشہ لوگوں کے مسائل حل کرنے اور خدمت خلق میں مصروف رہتے ان کا اخلاق و کردار مثالی تھا اس لیے گاؤں کے لوگ بھی انھیں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ ایک بے داغ زندگی گزارنے کے بعد منگل 23 فروری 1932ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

شہید کے والد راجہ محمد حیات خان کو اللہ نے چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا بڑے بیٹے راجہ محمد مرزا خان نے اپنے والد کی طرح فوجی زندگی گزاری اور صوبیدار میجر

ریٹائرڈ ہوئے انگریز سرکار نے انکی فرض شناسی، دلیری اور بے خوفی کے اعتراف میں انھیں تعریفی اسناد کے علاوہ ایک مربع زمین انعام دی تھی دوسرے بیٹے راجہ محمد سردار خان بھی فوجی تھے تیسرے بیٹے راجہ محمد افسر خان نے اپنی گزر بسر کیلئے زمینداری کا پیشہ اپنایا وہ علاقہ کی بے حد مقبول اور ہر دل عزیز شخصیت تھے انہیں خدمت خلق کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں نے یونین کونسل کا ممبر بھی منتخب کیا تھا راجہ حیات محمد خان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے شہید کیپٹن راجہ محمد سرور خان تھے۔

یہ مٹی کہاں کی ہے؟

ماہِ رمضان کے بعد عید کا دن مسلمانوں کیلئے خوشیوں کا پیغام لے کر آتا ہے مگر راجہ حیات محمد خان کیلئے یہ دن دُہری خوشی کا دن تھا اس دن اللہ نے انھیں ایک بیٹے سے نوازا، جمعرات کے دن 10 نومبر 1910ء کو" موضع سنگوری" تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی میں ایک عظیم ماں نے پاکستان کی عسکری تاریخ کے ایک ایسے ہیرو کو جنم دیا جس سے نشان حیدر کی کہانی شروع ہوتی ہے اس عظیم سپوت کا نام راجہ محمد سرور خان رکھا گیا۔

سونا اُگلنے والی پنجاب کی زرخیز مٹی میں صرف سنگوری وہ علاقہ ہے جو بارش نہ ہونیکی وجہ سے زیادہ تر بنجر اور غیر آباد تھا اس علاقے میں بنجر زمین کی وجہ سے کھیتی باڑی ممکن نہ تھی اسلئے یہاں کے لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر فوجی ملازمت ہی تھا اپنی گزر بسر کیلئے کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہونیکی وجہ سے اس پیشے میں مہارت ان کیلئے انتہائی ضروری تھی اسی لئے تاریخی طور پر یہاں کے رہنے والے لوگ سپاہیانہ صلاحیتوں کے مالک اور بہترین فوجی ثابت ہوئے ہیں انگریز حکومت کی فوجی طاقت بھی اسی علاقے کے لوگ تھے یہی وجہ ہے کہ انگریز سرکار نے راولپنڈی، سرگودھا، میانوالی، کیمبل پور اور جہلم کے علاقوں کو "مارشل ایریا" کا نام دے رکھا تھا۔

راجہ محمد سرور کا تعلیمی سلسلہ گاؤں کی مسجد سے شروع ہوا، 6 برس کے ہوئے تو والد نے انھیں چک نمبر 229 گ ب ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے مقامی اسکول میں داخل کروادیا پرائمری پاس کرنے کے بعد 1925ء میں تاندلیانوالہ مڈل اسکول سے آٹھویں جماعت کا امتحان دیا وہ محنتی اور انتہائی ذہین طالب علم تھے انہوں نے 1927ء میں ''اسلامیہ ہائی اسکول''، ضلع لائل پور سے میٹرک کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی میٹرک کے امتحان میں پوزیشن حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں انگریزوں کی حکومت تھی اور مسلمان تعلیم سے بہت دور تھے چونکہ انگریز سرکار میں مسلم نوجوانوں کیلئے چپڑاسی اور کلرک کے علاوہ کوئی جگہ نہ تھی اس لئے ان حالات میں راجہ محمد سرور کیلئے بھی یہ انتہائی مشکل وقت تھا۔

سپاہی سے کیپٹن تک کا سفر

راجہ محمد سرور کا تعلق ایک فوجی خاندان سے تھا گھر اور خاندان کے بیشتر افراد فوج میں ملازمت کر رہے تھے، بچپن ہی سے سپاہیانہ خوبیوں کا مالک یہ نوجوان فوج میں افسر بھرتی ہونا چاہتا تھا مگر انگریز حکومت میں افسر بھرتی ہونا اتنا آسان کام نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ میٹرک میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے بعد اسی خواہش کی تکمیل میں دوسال کا عرصہ گزر گیا۔

راجہ محمد سرور اولیاء کرام اور اللہ والوں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے انہی دنوں شاہ امام بریؒ کا عرس جاری تھا وہ عرس میں شرکت کیلئے راولپنڈی گئے تو انھیں پتہ چلا کہ پنڈی میں فوجی بھرتی جاری ہے انہوں نے شاہ امام بریؒ کے مزار پر حاضری دی اور اپنے مقصد میں کامیابی کیلئے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعاؤں کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور سلیکشن بورڈ کے سامنے پیش ہوگئے انھیں بلوچ رجمنٹ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھرتی کر لیا گیا

اسطرح وہ پیر مورخہ 15 اپریل 1929ء کو بطور سپاہی فوج میں شامل ہوئے۔

1941ء تک وہ بلوچ رجمنٹ کی سیکنڈ بٹالین میں حوالدار ہو گئے اسی دوران انھوں نے احمد نگر سے ڈرائیونگ اور نظم ونسق کا کورس بھی مکمل کیا یہی وہ سال تھا جب رائل انڈین آرمی میں جے سی او (جونیئر کمیشنڈ آفیسر) منتخب ہوئے اور انھیں وی سی او اسکول آف رائل انڈین سروس کور میں بطور انسٹرکٹر تعینات کر دیا گیا جہاں وہ بعد ازاں صوبیدار کے عہدے تک پہنچے۔ 1942ء میں راجہ محمد سرور کو کمیشن کیلئے منتخب کر لیا گیا ٹریننگ کورس کی تکمیل کے بعد انڈین ملٹری اکیڈمی سے کمیشن حاصل کیا۔

19 مارچ 1944ء کو سیکنڈ لیفٹیننٹ اور پھر اسی سال لیفٹیننٹ ہو گئے جب دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ ہوا تو پیر 30 ستمبر 1946ء کو سیکنڈ پنجاب رجمنٹ میں تعیناتی کے بعد انہیں ہفتہ یکم فروری 1947ء کو کیپٹن بنا دیا گیا جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو راجہ محمد سرور "سیکنڈ پنجاب رجمنٹ" سے ہی منسلک تھے۔

منزل اس طرح بھی ملتی ہے

یہ راجہ محمد سرور کی نوجوانی کا واقعہ ہے ایک روز وہ گاؤں میں قدرت کی حسین شام کا نظارہ کر رہے تھے چہل قدمی کرتے ہوئے جب کنویں تک پہنچے تو وہاں ایک پریشان حال بوڑھا سر جھکائے بیٹھا نظر آیا انہوں نے قریب جا کر سلام کیا اور پاس بیٹھتے ہوئے کہا کہ بابا جی کیا بات ہے آپ یہاں اس وقت اور اکیلے کیوں بیٹھے ہیں، بوڑھے نے کہا بیٹا مجھے اپنے گاؤں جانا ہے جو ابھی بہت دور ہے بیمار ہوں چلتے چلتے تھک گیا ہوں اب مجھ میں مزید چلنے کی ہمت نہیں اگر تم مجھے قریبی مسجد تک سہارا دے کر لے جاؤ تو میں رات وہیں گزار لوں گا کچھ وقت آرام کے بعد صبح اپنے گاؤں نکل پڑوں گا راجہ محمد سرور بولے اچھا بابا جی یہ بتائیں کہ آپ نے کھانا کھایا؟ تو نہیں میں جواب

ملا۔

اب بوڑھا راجہ محمد سرور کے مضبوط کندھوں کا سہارا لیکر چل رہا تھا مگر وہ مسجد کی بجائے بوڑھے کو اپنے گھر لے آئے اور گھر والوں کو بہترین کھانا بنانے کیلئے کہا جب کھانا تیار ہو گیا تو خود بھی ساتھ کھایا تا کہ بوڑھا جی بھر کے کھالے اور تکلف نہ کرے، کھانے کے بعد وہ بوڑھے کو اپنے کمرے میں لے گئے اور اپنے آرام دہ بستر پر لٹاتے ہوئے کہا کہ اب آپ یہاں آرام کریں صبح چلے جایئے گا وہ تسلی دے کر اپنے کمرے سے باہر آ گئے۔

رات گزر گئی صبح ہوئی تو نوجوان میزبان نے بہت ادب سے اپنے بوڑھے مہمان کو جگایا اچھی طرح سے ناشتہ کرایا اور پھر انہیں سڑک تک لے آئے کرایہ وغیرہ کیلئے کچھ پیسے دیئے اور گاؤں جانیوالی سواری پر بٹھا کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ راجہ محمد سرور چہل قدمی کرتے ہوئے گاؤں کے کنویں تک شاید جس کام کیلئے آئے تھے وہ ڈیوٹی پوری کر کے اب وہ اپنے گھر آ گئے تھے۔

دل سے نکلی دعائیں

موسم سرما کی ایک شام شدید سردی میں گرم چادر اوڑھے کسی کام سے جا رہے تھے کہ ایک خستہ حال بوڑھا ٹھنڈ میں کانپتے ہوئے قریب سے گزرا، اسکی یہ حالت راجہ محمد سرور سے دیکھی نہ گئی وہ بوڑھے کو ٹھنڈ سے بچانے کیلئے اپنی گرم چادر اُتار کر اسے اوڑھا دیتے ہیں اور خود بغیر چادر ہی شدید سردی میں اپنی منزل کی طرف چل پڑتے ہیں۔

اگر چہ اب انکے پاس وہ گرم چادر تو نہ رہی انہوں نے ایک کمزور بوڑھے انسان کو تکلیف سے بچانے کیلئے خود کو مشکل میں ڈال دیا تھا مگر بوڑھے کے دل سے نکلی ہوئی ڈھیر ساری دعائیں اور رب کے راضی ہونے کا احساس یقیناً راجہ محمد سرور کے ساتھ تھا۔

خوف خدا

ایک دفعہ تانگے میں سوار تحصیل مندرہ سے کہیں جا رہے تھے راستے میں ایک بڑھیا نے اللہ کے نام پر پیسے مانگے جیب میں ہاتھ ڈالا تو سکّے نہ تھے مزاج کے برخلاف بڑھیا سے معافی مانگ کر کچھ دیے بغیر ہی چل دیے ابھی کچھ دور ہی گئے ہوں گے کہ انھیں خیال آیا کہ بڑھیا نے اللہ کے نام پر سوال کیا تھا اور میں نے صرف ریزگاری نہ ہونیکی وجہ سے اسے انکار کیوں کیا؟ اگر میرا پالنے والا رب مجھ سے ناراض ہو گیا تو؟

راجہ محمد سرور کے اندر کی اپنی ہی دنیا تھی سوچنے کا انداز بھی مختلف تھا بے چین ہوئے تو بھول گئے کہ وہ کس کام کیلئے جا رہے تھے تانگے سے اُتر کر اب پیدل ہی چلنا شروع کر دیا پیدل چلتے چلتے اُسی جگہ پر واپس آئے جہاں اللہ کے نام پر سوال ہوا تھا بڑھیا کو تلاش کرنے لگے بہت تلاش کے بعد آخر کار شام کے وقت انھیں وہ بڑھیا نظر آ گئی ،قریب جا کر بہت ادب سے معافی مانگی اور اسے پیسے دیئے وہ خوش ہوئی تو اللہ کا شکر ادا کیا۔

انوکھی فلم

کیپٹن راجہ محمد سرور کا اردلی ایک واقعہ کچھ یوں بیان کرتا ہے کہ

ایک بار کپتان صاحب کے کچھ دوستوں نے فلم دیکھنے کا پروگرام بنایا جب وہ لینے آئے تو آپ نے معذرت کر لی دوستوں نے چلنے کیلئے بہت اصرار کیا مگر وہ انکار کرتے رہے دوست ناراض ہونے لگے تو صاحب نے کچھ روپے دوستوں کو دیے اور کہا کہ یار تم لوگ فلم دیکھ آؤ دوست پیسے لے کر فلم دیکھنے چلے گئے جب وہ لوگ چلے گئے تو مجھ سے کہنے لگے کہ

''شاید میرے رزق میں کوئی گڑ بڑ ہوگئی ہے جو یہ روپیہ
صحیح جگہ پر خرچ نہیں ہوا''۔

اتفاق سے اگلے ہی روز دوستوں نے وہ روپے کپتان صاحب کو واپس لوٹا دیئے میں قریب ہی کھڑا تھا مجھ سے کہنے لگے!

''بخدا مجھے روپیہ جانے کا بالکل دُکھ نہ تھا بلکہ تکلیف
اس بات کی تھی کہ یہ پیسے کسی مستحق اور ضرورت مند پر
خرچ کیوں نہ ہوئے''۔

اسکے بعد وہ اُٹھے اور مجھ سے کہا چلو فلم دیکھنے چلتے ہیں صاحب کی اس بات پر میں بہت حیران ہوتے ہوئے انکے ساتھ چل دیا اب ہم دونوں پیدل جا رہے تھے صاحب کا رُخ پکچر ہاؤس کی طرف تھا راستے میں جو بھی مستحق آدمی ملا، یا جس نے بھی اللہ کے نام پر سوال کیا صاحب انکو پیسے دیتے گئے ضرورت مندوں کو بانٹتے بانٹتے جب جیب خالی ہوگئی تو واپس گھر کی طرف چل دیئے جب گھر پہنچے تو مجھ سے کہا

''دیکھا یار یہ پکچریں کتنی خوبصورت اور سکون بخش تھیں''۔

اب میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ کون سی فلم دیکھنے آئے تھے اس عمل کے بعد صاحب کے چہرے پر کمال کا سکون اور اطمینان تھا۔

اللہ والے

یہ وطن عزیز کی خوش نصیبی ہے کہ اس پاک سرزمین میں ایسے گمنام سپاہیوں اور اللہ والوں کی کمی نہیں جو خاموشی سے بے لوث اپنی ڈیوٹی پوری کر رہے ہیں جن کا دنیاوی انعام و اکرام اور شہرت سے کوئی واسطہ نہیں وہ پردے ہی میں رہ کر اپنا کام کر کے چلے جاتے ہیں۔

خدا اور انسان کا رشتہ سب رشتوں سے پیارا ہے اگر نیکی خالص رضائے الٰہی کیلئے ہو اور اسے مخفی رکھا جائے تو مالک کائنات بہت خوش ہوتا ہے اور جس سے اللہ خوش ہو جائے اس پر فضل وکرم ہونا یقینی بات ہے۔

راجہ محمد سرور کی نیکیوں کا مقصد بھی صرف اور صرف اپنے پروردگار کو راضی کرنا تھا وہ اپنے نیک کاموں کو پردے میں رکھنے کی ہرممکن کوشش کرتے ماتحت جوانوں اور اردلی کا کہنا ہے کہ وہ بند مٹھی سے ضرورت مندوں کی مدد کرتے اکثر مسجد یا مدرسے کی تعمیر کیلئے رقم دیتے تو کبھی سامنے نہ آتے اگر رسید میں نام ظاہر کرنا ضروری ہوتا تو فرضی نام لکھوا دیتے اور اپنے ماتحتوں کو کسی کی مدد کیلئے کہیں بھجواتے تو ساتھ ہی اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی سخت تاکید کیا کرتے تھے۔

اللہ کو کیا جواب دوں گا؟

راجہ محمد سرور میں ''میں'' تو قریب سے بھی نہ گزری تھی وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ نہ صرف دوستوں کی طرح پیش آتے بلکہ انکی ضرورتوں کا بھی خاص خیال رکھتے تھے، کیپٹن صاحب کا اردلی انکی دریا دلی، شفقتوں، محبتوں اور پیار کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

ایک بار میں صاحب کی فرمائش کے مطابق مرغی کا سالن پکا کر لایا صاحب کیلئے کھانا لگایا تو مجھ سے کہنے لگے کہ جوان اپنے لیے سالن رکھا ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا

کہ صاحب آپ کھایئے آپکے کھانے کے بعد میں بھی کھالوں گا تو کہنے لگے یعنی تم میرے بعد میرا بچا ہوا کھانا کھاؤ گے میں نے کہا صاحب جی اس میں کیا حرج ہے تو کیپٹن صاحب نے کہا کہ

''جوان جب اللہ مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اپنا بچا ہوا
کھانا میرے بندے کو کھلایا تو میں کیا جواب دوں گا؟''

یہ کہہ کر انھوں نے پہلے میرے لیے سالن نکالا اور مجھے دیتے ہوئے کہا کہ اسے کھاؤ یا کسی اور کو دے دو مگر میرے سامنے سے لے جاؤ۔

اردلی مزید کہتا ہے کہ صاحب اپنوں سے زیادہ میرا خیال رکھتے ہر دو تین ماہ بعد مجھے گھر جانے کیلئے چھٹی دیتے اور کہتے کہ کچھ دن گھر والوں کیساتھ گزار آؤ، گھر جاتا تو کرائے کے پیسے اور گھر والوں کیلئے کچھ نہ کچھ تحفے بھی ضرور دیتے جب میں چھٹی گزار کر واپس آتا تو سب کی خیریت دریافت کرتے اور مجھے خوش دیکھ کر صاحب بہت خوش ہوتے۔

Un Social

قیام پاکستان سے قبل فوج میں رقص و سرور کی محفلیں معمول کی بات تھی انگریز سرکار میں فوجی افسران اکثر شراب و شباب کی محفلوں میں مصروف رہتے مگر سچی نمازیں پڑھنے والے راجہ محمد سرور ہمیشہ ان برائیوں سے دور رہے جب بھی اسطرح کی محفلیں ہوتیں تو وہ محفل ختم ہونے تک دور کہیں اکیلے بیٹھے اپنے ہی ایک رنگ میں ہوتے۔

فوج میں ترقی کیلئے سالانہ ''اے سی آر'' کی بہت اہمیت ہوتی ہے انھیں اس سالانہ خفیہ رپورٹ میں ہمیشہ ''UnSocial'' لکھا گیا کیونکہ وہ غیر اخلاقی محفلوں میں شرکت کی بجائے اپنے کام سے کام رکھا کرتے تھے اس رپورٹ کے بارے میں جب کپتان صاحب کو ایک دوست نے بتایا تو مسکراتے ہوئے بولے کہ

''یار میں UnSocial ہی ٹھیک ہوں''۔

کھیلوں سے دلچسپی

راجہ محمد سرور کو کھیلوں سے خاص لگاؤ تھا کبڈی، گھڑ دوڑ، نشانہ بازی اور فٹبال پسندیدہ کھیل تھے جب بھی چھٹیوں پر گاؤں آتے تو نہ صرف نوجوانوں کے ساتھ مل کر فٹبال اور کبڈی کھیلا کرتے بلکہ اکثر دوستوں کے ساتھ شکار پر بھی نکل جایا کرتے اپنے بہترین کھیل کی وجہ سے وہ دوران ملازمت بھی فٹبال ٹیم کا حصہ رہے جولائی 1943ء میں بریلی کورس کے دوران کیپٹن راجہ محمد سرور کی ٹیم نے ایفی شینسی کپ بھی جیتا تھا۔

سچی نمازیں

حق و سچ کی راہ پر چلنے والے راجہ محمد سرور پر اللہ رب العزت کا خاص فضل و کرم تھا اس جوان کی نمازیں سچی اور ریاکاری سے پاک تھیں ان نمازوں کے انکی زندگی اور روح پر بھرپور اثرات ہوئے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طرح کی برائیوں سے دور رہے انھوں نے عالم شباب میں غیر اخلاقی محفلوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی نہ صرف پاکیزہ زندگی گزاری بلکہ ہمیشہ اپنی نماز قائم رکھی۔

راجہ محمد سرور نے خالق اور اُسکی مخلوق کے حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزاری۔ سادگی، ملنساری، سخاوت، مہمان نوازی، انصاف پسندی اور خوش اخلاقی انکی طبیعت میں شامل تھی۔

زندگی اپنوں کے ساتھ

راجہ محمد سرور بے داغ، سچے اور درگزر کرنیوالے انسان تھے اسی لئے پروردگار نے انہیں انعام کے طور پر شریک سفر بھی سچا، نیک سیرت، پاکیزہ اور باکردار دیا۔

1936ء کا سال انکی زندگی میں شادی کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے اتوار 15 مارچ کو یہ شادی سادگی سے آبائی گاؤں سنگوری میں ہوئی اہلیہ ''بی بی کرم جان'' کا تعلق خاندان سے ہی تھا جو گھر والوں کا انتخاب تھیں۔

کیپٹن راجہ محمد سرور آسانیاں دینے اور خوشیاں بانٹنے والے انسان تھے انکی اس خوبی سے اہلیہ بھی خوب فیضیاب ہوئیں وہ اپنی شریک حیات کو کبھی تکلیف نہ ہونے دیتے اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھتے۔

دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ سچے تھے خالق کائنات نے انکی ازدواجی زندگی خوشیوں سے بھر دی تھی انھیں بیٹا اور بیٹی دونوں عطا ہوئے بیٹے کا نام ''محمد صفدر'' اور بیٹی کا نام ''گلزار'' رکھا گیا۔

راجہ محمد سرور کی طبیعت میں عاجزی وانکساری تھی وہ فوج میں کیپٹن تھے مگر جب بھی چھٹیوں پر گھر آتے تو کھیتوں میں ہل چلاتے، چارہ کاٹتے اور ایک عام کسان کی طرح محنت کیا کرتے بڑے بھائی کو کپتان صاحب کا اسطرح سے زمینوں پر کام کرنا، ناگوار گزرتا تو انھیں منع کرتے اور کہتے کہ یار یہ ایک افسر کی شان نہیں اس بات پر راجہ محمد سرور ہمیشہ یہی کہتے کہ

''بھائی آپکے کام کرنے سے مجھے بہت خوشی ملتی ہے
رہی بات افسری کی تو وہ فوج میں افسر ہوں یہاں
صرف آپکا چھوٹا بھائی اور خدمت گزار ہوں''۔

شہ رگ پر حملہ

ہندو انگریز گٹھ جوڑ نے جب برصغیر میں رہنے والے مسلمانوں کی زندگی مشکل کر دی تو انہوں نے عزت و امن سے رہنے کیلئے ایک آزاد اور مسلم ریاست کا خواب دیکھا جس کیلئے وہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سربراہی میں طویل جدوجہد اور لازوال قربانیوں سے بھی گزرے بلآخر رب العزت نے انہیں 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی صورت میں ایک عظیم نعمت سے نوازا مگر پاکستان کا معرض وجود میں آنا بھارتی انتہا پسند ہندو لیڈروں اور ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

مملکت خداداد کے وجود میں آنے سے قبل ہی ہندوؤں اور انگریزوں نے مل کر پاکستان کے خلاف سازشیں شروع کردی تھیں یہی وجہ ہے کہ ریڈکلف ایوارڈ کے ذریعے گورداسپور کا ضلع بھارت کو دیدیا گیا تاکہ کشمیر پر قبضہ کیلئے اسے فوجی راستہ مل جائے کیونکہ ہندوستانی سرزمین کسی جگہ بھی کشمیر سے نہیں ملتی تھی اس سازش کو اور زیادہ مستحکم اور کامیاب کرنے کیلئے اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھنے والوں نے تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے حصے میں آنے والا اسلحہ بھی روک لیا تھا تاکہ پاک فوج کشمیر کا دفاع نہ کرسکے۔

ابھی ارض پاک کو وجود میں آئے ہوئے ایک سال بھی نہ ہوا تھا، وسائل نہ ہونے اور بہت سے مسائل کے علاوہ دفاعی صورتحال یہ تھی کہ فضائیہ اور توپ خانہ غیر موثر جبکہ فوجی ساز و سامان نہ ہونے کے برابر تھا پاک فوج ابھی نامکمل تھی پاکستانی اثاثہ جات اور اسلحہ پر بھارتی قبضے کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت کا بھی کوئی خاطر خواہ انتظام نہ تھا ان مشکل

حالات میں پاکستان کسی بھی صورت جنگ کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا مگر بھارت نے دوقومی نظریے کی دشمنی میں ارض پاک کو مٹانے کا کبھی بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

پاکستان کی شہ رگ کشمیر پر ہی وطن عزیز کی معیشت اور دفاع کا انحصار ہے دشمن نے پہلا وار شہ رگ پر حملہ کر کے کیا جولائی 1948ء میں دراندازبھارتی فوج نے کشمیر کے انتہائی اہم مقام ''اوڑی'' پر قبضہ کر لیا یہ قبضہ بلند پہاڑی پر ہونیکی وجہ سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا اس نے یہاں مضبوط مورچے بنانے کے بعد آگے پیش قدمی کا منصوبہ بنایا جو کسی بھی صورت پاکستان کیلئے ناقابل قبول تھا چنانچہ اس فتنے کو ختم کرنے کیلئے سیکنڈ پنجاب رجمنٹ کے جانبازوں کو کشمیر جانے کا حکم ملا۔

منظوری

کیپٹن راجہ محمد سرور کا تعلق بھی سیکنڈ پنجاب رجمنٹ سے تھا بے داغ زندگی گزارنے والے اس جوان کی منزل قریب تھی مگر اتفاق سے وہ ان دنوں جی ایچ کیو راولپنڈی میں سگنل کورس کی ٹریننگ لے رہے تھے چند دنوں بعد جب ٹریننگ ختم ہوئی تو فوراً محاذ جنگ پر جانیوالی یونٹ میں شمولیت کی درخواست دے دی لیکن انھیں اپنی خواہش کے برخلاف جنرل ہیڈکوارٹر میں فرائض ادا کرنے کو کہا گیا یہ فیصلہ جذبہ حب الوطنی اور شہادت کے جذبے سے سرشار اس مجاہد کیلئے یقیناً تکلیف دہ تھا۔

راجہ محمد سرور قربان ہونیوالی شخصیت تھی وہ ساری زندگی صرف انسانیت کے رشتے اُن لوگوں کیلئے اپنا آپ اور اپنا آرام قربان کرتے رہے جنھیں وہ جانتے تک نہ تھے اب جبکہ وطن عزیز کیلئے کچھ کرنے کا وقت آیا تو وہ کیسے پیچھے رہ سکتے تھے انہوں نے دُعا کیلئے بارگاہِ الٰہیٰ میں ہاتھ اٹھائے اور جہاد پر جانے کیلئے درخواست کی جو قبول ہوگئی چونکہ اب

پروردگار کی طرف سے عرضی منظور ہوگئی تھی اس لیے سی او(کمانڈنگ آفیسر) کی طرف سے رکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں تھا۔

آخری ملاقاتیں

رمضان کا مبارک مہینہ تھا رب تعالیٰ کی منظوری اور کمانڈنگ آفیسر سے اجازت ملتے ہی اپنوں سے ملنے آبائی گاؤں سنگوری روانہ ہوئے گھر والوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور گاؤں والوں کو محاذ جنگ پر جانیکی خوش خبری سناتے ہوئے سب سے یہی درخواست کرتے کہ

''اگر مجھ سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوگئی ہوتو معاف کر دینا
اور میرے لیے شہادت کی دعا کرنا۔''

کیپٹن راجہ محمد دو دن کی چھٹی پر گاؤں گئے تھے دن بھر سب عزیزوں سے ملنے کے بعد رات کچھ دیر آرام کیا فجر کی اذان سے کچھ دیر پہلے بیدار ہوکر بچوں کے پاس آئے جو گہری نیند سو رہے تھے کچھ دیر کھڑے بچوں کو محبت اور شفقت بھری نظروں سے دیکھتے رہے انھیں پیار کیا پھر شاید یہ الفاظ دل سے زبان تک بھی آ گئے ہوں گے کہ

''یا اللہ یہ معصوم بچے اب تیرے حوالے ہیں''۔

پھر بیٹے صفدر کو جگایا اسے ہمراہ لے کر مسجد گئے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد امام مسجد برکت اللہ سے ملے اور انہیں خصوصی طور پر شہادت کی دعا کیلئے کہا امام برکت اللہ سے دعائیں لینے کے بعد گھر آئے اور اہلیہ کے پاس آخری ملاقات کیلئے گئے بی بی کرم جان کی

آنکھوں میں آنسو دیکھے تو کہنے لگے!

''مجھے روتے ہوئے نہیں مسکراتے ہوئے رخصت کرو،
زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے اس نے چاہا تو میں
کامیاب وکامران لوٹوں گا اگر پروردگار نے شہادت کا
مرتبہ دیا تو یہ اسکی عنایت ہوگی میرے بعد تم بچوں کا
خیال رکھنا اس مکان کی تعمیر کروالینا اور اسی گھر میں
بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا''۔

آج جو کچھ بوئے گا کاٹے گا کل

انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ بانٹتا ہے کیپٹن راجہ سرور گاؤں میں رہنے والوں کیساتھ ہمیشہ اپنوں ہی کی طرح پیش آتے انکے اُلجھے معاملات ومسائل حل کرتے محبت وپیار بانٹتے گاؤں کو اپنا گھر اور یہاں رہنے والوں کو اپنی فیملی سمجھتے وہ اللہ کی راہ میں بے دریغ اپنا مال خرچ کیا کرتے یہی وجہ ہے کہ اپنی سخاوت کی وجہ سے گاؤں میں ''سخی سرور'' کے نام سے مشہور تھے۔

انہوں نے محبتوں کے بیج بوئے تھے اس لیے گاؤں سنگوری کے لوگوں نے بھی ان محبتوں کا جواب اپنائیت سے دیا یہ لوگ راجہ محمد سرور سے بے انتہا عقیدت ومحبت رکھتے تھے ان کا یہ پیار خالص اور سچا تھا جو آج بھی اُنکی نسلوں میں موجود ہے اپنے ہردلعزیز ہیرو کو الوداع کہنے کیلئے ''مندرہ اسٹیشن'' پر تقریباً پورا گاؤں ہی موجود تھا۔ٹرین چلنے سے قبل بھی ریلوے اسٹیشن پر آئے ہوئے اپنے عزیزوں اور گاؤں والوں سے شہادت کی دعا کیلئے کہا اپنے لوگوں کی دعائیں لے کر اب وہ مری میں اپنی یونٹ آگئے تھے۔

معرکہ اوڑی کا فاتح

بھارتی فوج نے اوڑی پر قبضہ کر کے پہاڑی پر اپنے مضبوط مورچہ بنا لیے تھے جہاں دشمن بالکل محفوظ پوزیشن میں تھا دفاعی لحاظ سے یہ جگہ انتہائی اہمیت کی حامل تھی کیونکہ بلندی پر ہونیکی وجہ سے دشمن یہاں بیٹھ کر پاک فوج کی نقل وحرکت سے پوری طرح باخبر رہتا تھا اوران راستوں سے ہونیوالی کوئی بھی پیش قدمی دشمن کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھی ایسی صورتحال میں نیچے سے بہت اونچائی پر بھارتی مورچہ تک پہنچنا اتنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ پاک فوج کے جوان دشمن کے نشانوں پر تھے۔

یہ ایک انتہائی خطرناک مشن تھا جس میں زندہ بچ جانے اور کامیابی کے امکانات بہت کم تھے اللہ کی مدد اور خاص کرم کے بغیر فتح ممکن نہ تھی یہی وہ توکل اور آسرا تھا جسکی وجہ سے کیپٹن راجہ محمد سرور کی کمانڈ میں جوانوں نے دشمن کے مضبوط مورچہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کیا۔

27 جولائی 1948ء کی صبح طلوع ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا پاک فوج کے جوان کیپٹن راجہ محمد سرور کی کمانڈ میں وطن عزیز کی خاطر ایک عظیم مقصد کیلئے نکل چکے تھے جیسے ہی اونچائی پر بیٹھے دشمن نے پیش قدمی ہوتے ہوئے دیکھی تو مشین گنوں، دستی بموں اور توپوں سے گولوں کی بارش شروع کر دی اس مشکل موقع پر کیپٹن راجہ محمد سرور نے انتہائی غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ کیا انہوں نے اپنے جوانوں کی ڈھال بنتے ہوئے دشمن کی فائرنگ کا بھرپور جواب دیا اور آگے بڑھ کر دلیرانہ کمانڈ کرتے ہوئے نہ صرف اپنے ساتھیوں کو محفوظ کیا بلکہ دشمن کی جانب سے ہونیوالی گولیوں کی بارش میں بھی پیش قدمی جاری رکھی وہ ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کیلئے نعرہ تکبیر کی گونج میں فائرنگ اور دستی بموں سے حملہ کرتے ہوئے آگے اور آگے بڑھ رہے تھے۔

دشمن کی جانب سے بھی بغیر کسی وقفے کے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا جس سے پاک فوج کا برین گنر فرمان علی شہید ہوگیا مگر اب پاک فوج کے جوانوں اور بھارتی سپاہیوں کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا یہ صورتحال دیکھ کر دشمن نے فائرنگ میں اور اضافہ کر دیا اس فائرنگ سے راہِ حق کے کئی سپاہی شہید اور زخمی ہوئے مگر پیش قدمی پھر بھی جاری رہی۔

کیپٹن راجہ محمد سرور اپنی گن سے بھارتی مورچے پر گولیاں برساتے برساتے اپنی پلاٹون کو دشمن کے اتنا قریب لے گئے کہ اب پاک فوج کے سچے سپاہیوں اور بھارتی مورچے کے درمیان صرف 20 گز کا فاصلہ رہ گیا، منزل بالکل سامنے ہی تھی کہ خاردار تاروں کی صورت میں ایک اور دیوار حائل ہوگئی کیونکہ دشمن نے اپنی اس چوکی کو ناقابل تسخیر بنانے کیلئے اپنے گرد خاردار تاروں کا محفوظ حصار بھی بنایا ہوا تھا مگر اس صورتحال سے بھی ارضِ پاک کا یہ نڈر کیپٹن بالکل پریشان نہ ہوا وہ فائرنگ کرتے ہوئے اکیلے ہی خاردار تاروں کے قریب آگئے یہاں بھی کیپٹن راجہ محمد سرور نے انتہائی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی مشین گنوں کو دستی بموں کے حملوں سے خاموش کر دیا مگر اس دوران گولی لگنے سے ان کا دایاں بازو زخمی ہوگیا لیکن وہ دشمن کی جانب سے لگنے والی گولی اور اپنے زخموں سے بے پرواہ تھے یہی وجہ تھی کہ گولی لگنے کے فوراً بعد انکی جوشیلی آواز گونجی

''ساتھیو آگے بڑھو منزل قریب ہے''۔

کیپٹن راجہ محمد سرور کی دلیرانہ قیادت میں اب یہ مادرِ وطن کے سپوت بہت مضبوط پوزیشن میں آگئے تھے پاک فوج کی فتح میں اب صرف خاردار تاریں ہی رکاوٹ تھی کپتان صاحب گولیوں کی بوچھاڑ میں جان کی پرواہ کئے بغیر اپنی منزل کی راہ میں حائل یہ

آخری دیوار بھی گرانے میں مصروف تھے کہ خودکار ہتھیاروں سے نکلی ہوئی گولیوں نے ان کا سینہ چھلنی کر دیا مگر اس سے پہلے خاردار تاریں کٹ چکی تھیں اور شہید کیپٹن اپنا کام مکمل کر چکے تھے اسی دوران پاک فوج کا ایک گنر اور چھ جوان اپنے کمانڈر راجہ محمد سرور تک آ گئے تاریں کٹتے ہی نعرہ تکبیر، اللہ اکبر کی گونج میں مادرِ وطن کے سپوتوں نے دشمن پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ وہ اپنی جان بچانے کیلئے مورچہ چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔

اوڑی کا معرکہ شہید کیپٹن راجہ محمد سرور کی بے مثال قیادت میں راہِ حق کے سپاہی جیت چکے تھے اب اس پہاڑی پر پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرا رہا تھا۔

''27 جولائی منگل کی شام ''تل پترا'' کے مقام پر
معرکہ اوڑی کے اس عظیم فاتح کو سپردِ خاک کیا گیا''۔

پہلا نشانِ حیدر

عام زندگی میں چھوٹی چھوٹی مہربانیوں، قربانیوں اور نیکیوں سے رب تعالیٰ کو راضی رکھنے اور وطن عزیز کیلئے اپنی زندگی کی عظیم قربانی دینے والے اس شہید کو ملک کی عسکری تاریخ کا پہلا اور سب سے بڑا فوجی اعزاز ''نشانِ حیدر'' عطا کیا گیا۔

شہید کیپٹن راجہ محمد سرور ہمیشہ اپنا آپ قربان کر کے لوگوں کو خوشیاں دیتے رہے مگر اس بار وہ پاکستان کو فاتح بنا کر پوری قوم کو خوشیاں دے گئے اس عظیم الشان کارنامے پر انھیں بروز ہفتہ مورخہ 23 مارچ 1957ء کو پہلا نشانِ حیدر دینے کا اعلان کیا گیا یہ اعلان اُس وقت کے صدر مملکت اسکندر مرزا نے کیا باقاعدہ تقریب 27 اکتوبر 1959ء کو منگل کے دن راولپنڈی میں منعقد ہوئی جس میں صدر ایوب خان نے کیپٹن سرور کی اہلیہ بی بی کرم جان کو شہید کا ''نشانِ حیدر'' دیا۔

اس تقریب میں شہید کیپٹن راجہ محمد سرور کے قریبی اور وابستہ لوگوں نے انکی چھوٹی چھوٹی نیکیوں اور خوبصورت واقعات کا ذکر کیا اسکے علاوہ معرکہ اوڑی کی اہمیت وتفصیلات بیان کرتے ہوئے شہید کی بے خوفی، بہادری، دلیری اور کارناموں کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

کیپٹن سرور زندہ ہے

شہید کو کبھی موت نہیں آتی وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اللہ نے بھی شہید کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔موت آنیوالی ایک حقیقت ہے ایک نہ ایک دن ضرور آئے گی مگر کیپٹن راجہ محمد سرور شہید جیسی موت بہت کم خوش نصیبوں کو عطا ہوتی ہے سرور کو جوموت عطا ہوئی وہ ان کیلئے ہمیشہ کی زندگی بن گئی کیونکہ شہادت اللہ والوں کی معراج ہے جوموت کو بھی ہمیشہ کی زندگی میں بدل دیتی ہے۔

معرکہ اُوڑی کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل مسعود احمد نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

''حیاتِ جاوداں شہید کا مقدر تھی اسکی یاد کو ہمارے دلوں میں ہمیشہ کیلئے نقش رہنا تھا کشمیر میں جب حالات زیادہ سنگین ہوگئے تو وہ محاذ پر جانے کیلئے بے قرار ہوگیا جذبہ جہاد اور شوق شہادت اسکے چہرے کی سرخی بن گیا تھا خون بہنے کے باوجود وہ دشمن کا صفایا

کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے محاذ کا رنگ بدل دیا۔

نشانِ حیدر کا اعزاز تو اسے بعد میں ملا مگر اس سے بھی بڑا یعنی ''شہادت'' کا اعزاز تو اسے بہت پہلے مل گیا تھا جسکی اسے تمنا تھی جب میں سوچتا ہوں کہ میرا نام اسی فوج کی فہرست میں شامل تھا جس میں سرور شہید کا نام تھا تو میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے''۔

صدر ایوب نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ

''کیپٹن سرور شہید نے وطن عزیز کیلئے جان قربان کر کے قربانی کی عظیم مثال قائم کی ہے ہمیں چاہیے کہ ہم شہید کی اس قربانی سے وطن کی محبت اور خدمت کا درس سیکھیں''۔

کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ کہتے ہیں کہ

''میں شہید کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں جس نے سب سے پہلا نشانِ حیدر حاصل کر کے پاکستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے شہید کیپٹن سرور نے اپنی قربانی سے اپنا، اپنی فوج کا اور اپنی بٹالین کا نام ہمیشہ کیلئے زندہ کر دیا ہے آیئے ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ اس سنہری کارنامے کی یاد ہمیشہ تازہ رکھیں گے''۔

شہید کے قریبی دوست لیفٹیننٹ کرنل عباس کا کہنا ہے کہ

''کیپٹن سرور بہت با اخلاق تھے وہ ہر ایک کی امداد کرتے نماز کے پابند اور تہجد گزار تھے انھیں اولیاء کرام سے بڑی عقیدت تھی وہ اللہ والوں کے مزاروں پر حاضری دیا کرتے تھے ایک بار میں بھی انکے ہمراہ نور پور شاہاں گیا جہاں وہ مستحق غرباء کو پیسے دے کر بے حد مسرور ہوئے بزرگان کے فیض کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا کے یہ پیارے بندے مر کر بھی زندہ رہتے ہیں اور دوسروں کی روزی کا سبب بنتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کئی لوگوں کی روزی روٹی کا سبب اپنے ان پیاروں کو بنایا ہوا ہے''۔

میجر افضل خان جو شہید کے دوست تھے کہتے ہیں کہ

''ہم دونوں اکٹھے رہتے تھے وہ صبح سویرے نماز فجر کی ادائیگی کیلئے اُٹھتے تو مجھے بھی نماز کیلئے زبردستی اُٹھاتے میں نیند کا بہت پکا تھا مگر وہ مجھے سونے نہ دیتے اور نماز ضرور پڑھواتے انکے اس عمل پر میں کیپٹن سرور کو مولوی کہتا تو وہ مجھے روکتے ہوئے کہتے کہ

''مجھے مولوی نہیں شہید کہہ کر پکارا کرو''۔

دوسرا نشانِ حیدر

شہید

میجر چوہدری طُفیل محمّد

بُدھ ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء

تا

جمعرات ۷ اگست ۱۹۵۸ء

Major
Tufail Muhammad
Shaheed

میجر چوہدری طُفیل مُحمّدؐ

ولدیت	:	چوہدری موج دین
تاریخ پیدائش	:	بدھ 22 جولائی 1914ء
جائے ولادت	:	گاؤں سار دبار، کھر کال ہوشیار پور (بھارت)
آرمی نمبر	:	1224
رینک	:	میجر
آرمڈ سروس	:	پنجاب رجمنٹ / ایسٹ پاکستان رائفلز
تاریخ شہادت	:	جمعرات 7 اگست 1958ء
بمقام	:	لکشمی پور، ضلع کومیلا (سابقہ مشرقی پاکستان)
آخری آرام گاہ	:	چک نمبر 253 ای بی طفیل آباد، بورے والا، وہاڑی
عرصہ حیات (ظاہری)	:	44 سال 16 دن

دوسرے ''نشانِ حیدر'' شہید میجر طفیل محمد
کے والد چوہدری موج دین کیسے آدمی تھے؟

اس کا جواب راقم کو تحقیق کیساتھ ساتھ عارفین کی محفل سے ایسے ملا کہ جس خاندان میں اللہ رب العزت اپنے چنیدہ، مخصوص، پیارے، نیک یا شہید کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسکے حسب ونسب کو بھی غیر معمولی بنا دیتا ہے چنانچہ حقیقت راقم پر آشکار ہوئی کہ ہر شہید کے بزرگوں میں خداشناسی اور دیگر اخلاقی قدریں اپنے بام عروج پر ہوتی ہیں تو کوئی ''نشانِ حیدر'' کا مستحق پیدا ہوتا ہے۔

موضع کھر کال ہوشیار پور کے رئیس میجر طفیل محمد کے والد چوہدری موج دین ایک سچے، نیک اور عبادت گزار انسان تھے طبیعت میں بھی عاجزی وانکساری تھی یہی وجہ تھی کہ اللہ

نے انھیں عزت کے ساتھ ساتھ دولت سے بھی نوازا مگر اس دولت کو انہوں نے اپنی محدود ضروریات پوری کرنے کے بعد رب تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے ہی خرچ کیا۔

اللہ کے بندوں کو خوشی دینا انکی روحانی غذا تھی اسی لئے غمزدہ، مستحق اور ضرورت مندوں کی مدد کیلئے وہ کہیں بھی جانے کو فوراً تیار ہو جاتے تھے انھیں اللہ والوں سے بڑی عقیدت تھی یہی وجہ تھی کہ وہ صاحبان نظر کی صحبت میں رہنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے انہی خوبیوں اور انسان دوستی کی وجہ سے لوگ چوہدری موج دین کو ''صوفی صاحب'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

انگریز دور حکومت میں روزگار اور کاروبار کیلئے مسلمانوں کی نقل مکانی عام سی بات تھی۔ چوہدری موج دین کیلئے بھی 1913ء ضلع ہوشیار پور سے نقل مکانی کا سال تھا وہ اپنے کچھ کاروباری معاملات کی وجہ سے ضلع جالندھر کے گاؤں ''ساردبار'' منتقل ہو گئے یہی وہ علاقہ ہے جہاں 22 جولائی 1914ء کو بدھ کی صبح طفیل محمد کی ولادت ہوئی تھی۔

خالق کائنات نے جب برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے نواز کر اپنا الگ وطن عطا کیا تو چوہدری موج دین ایک دفعہ پھر خاندان سمیت جالندھر سے پاکستان آئے یہاں یہ گھرانہ ضلع ساہیوال کے گاؤں چک نمبر 253 ای بی میں آباد ہوا۔

طفیل محمد کے والد کا انتقال 7 دسمبر 1948ء کو ہوا اور ساہیوال میں ہی انکی آخری آرام گاہ ہے۔

تعلیمی سلسلہ

قیام پاکستان سے قبل برصغیر میں مسلم نوجوانوں کیلئے ترقی کے راستے تقریباً نہ ہونے کے برابر تھے انگریز سرکار مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں پر زیادہ مہربان تھی اسی لئے اکثر ہندو افراد ہی اہم عہدوں کیلئے چُنے جاتے تھے اس دہرے معیار، امتیازی سلوک اور

کچھ معاشی مشکلات کے سبب سے مسلمانوں کی اکثریت اعلیٰ تعلیم تو درکنار عام تعلیم سے بھی دور ہوگئی تھی صرف چند ہی مسلم گھرانوں میں اعلیٰ تعلیم کا رواج تھا۔

علم دوست چوہدری موج دین تعلیم کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے انہوں نے اپنے بچے کی تعلیم کیلئے یکے بعد دیگر بہترین تعلیمی اداروں کا انتخاب کیا شام چوراسی مدرسہ طفیل محمد کی پہلی درسگاہ ٹھہرا جہاں سے انھوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر گورنمنٹ کالج جالندھر سے ایف اے کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئے، بیٹے کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینے والے اس باپ کی یہ خواہش تھی کہ ان کا بیٹا مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔

طفیل محمد کا فیصلہ

طفیل محمد نے اپنے مستقبل کے حوالے سے ایک فیصلہ کر لیا تھا اور وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ انہوں نے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کیا یہ فیصلہ ہمیشہ کی زندگی اور تاریخ میں خود کو زندہ رکھنے کی طرف پہلا قدم تھا انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں فوجی بنوں گا اگرچہ والد چوہدری موج دین کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا طفیل محمد تعلیمی سلسلہ جاری رکھے مگر بیٹے کا جنون دیکھتے ہوئے انھیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔

طفیل محمد نے 18 سال کی عمر میں جب ایف اے کا امتحان پاس کر لیا تو اب وہ والد کی خواہش کے برعکس اعلیٰ تعلیم حاصل کرنیکی بجائے فوج میں بھرتی ہونا چاہتے تھے۔

عسکری زندگی سے لگاؤ کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ طفیل محمد کا تعلق ایک فوجی گھرانے سے تھا اسکواڈرن لیڈر محمد شریف، میجر محمد اختر، میجر نیاز علی اور فلائٹ سارجنٹ خورشید محمد یہ خاندان کے وہ قابل ذکر فوجی ہیں جو اپنی دلیری و شجاعت کی بدولت انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

فوج میں بھرتی اور ترقی کا سفر

انسان اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی دولت اور بڑے بڑے عہدوں سے نہیں بلکہ اپنے کام اور کردار کی وجہ سے ہی پہچانا جاتا ہے۔ طفیل محمد اپنے والد سے اجازت ملنے کے بعد جمعہ 22 جولائی 1932ء کو فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہو گئے ان میں آگے بڑھنے کا جذبہ اور صلاحیت دونوں ہی موجود تھی وہ کردار کے کھرے اور اپنے کام کو عبادت سمجھ کر ایمانداری سے کیا کرتے تھے چنانچہ طفیل محمد کی قابلیت، محنت، لگن اور بہترین کارکردگی سے اعلیٰ افسران بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے یہی وجہ تھی کہ وہ بتدریج ترقی کرتے ہوئے 1940ء میں صوبیدار کے عہدے تک پہنچے اور پھر انڈین ملٹری اکیڈمی ڈیرہ دون سے باقاعدہ کمیشن حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے اس بڑی کامیابی کے بعد اب وہ جون 1943ء کو بطور ''سیکنڈ لیفٹیننٹ'' ایک نئے سفر کا آغاز کر رہے تھے کچھ عرصے بعد ہی 11 نومبر 1966ء کو انہیں لیفٹیننٹ بنا دیا گیا۔

طفیل محمد محنت اور بہترین کارکردگی کی بدولت اپنی یونٹ میں ایک نگینے کی طرح چمک رہے تھے انہیں 28 مارچ 1945ء کو ٹریننگ کیپٹن کے اہم عہدے پر تعینات کیا گیا یہاں بھی وہ ایک کامیاب اور مثالی انسٹرکٹر ثابت ہوئے انہوں نے کام کے جنون اور اپنی انتھک محنت سے اس میدان میں بھی ایک انقلاب برپا کر دیا اور تربیت کے ایسے جدید اور نئے طریقے متعارف کروائے جو آج بھی ''طفیل میتھڈز آف ٹریننگ'' کے نام سے پاک فوج کے ٹریننگ سینٹر میں رائج ہیں۔

14 اگست 1947ء کا دن برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی طرح طفیل محمد کیلئے بھی بے انتہا خوشی کا دن تھا بلکہ مثلِ عید تھا چنانچہ اب وہ پاک فوج کی پنجاب رجمنٹ کا حصہ تھے۔

اب ایک آزاد خود مختار اپنا وطن تھا اور پھر اسکی حفاظت کی ذمہ داری تھی چنانچہ وہ

اور بھی زیادہ محنت اور لگن سے کام کرنے لگے پاکستان آرمی میں بھی انکی شاندار خدمات کا اعتراف جا بجا کیا جاتا رہا اور پھر وہ میجر رینک پر پروموٹ ہو گئے انہیں اپریل 1948ء کو سیکنڈ بٹالین آف پنجاب رجمنٹ میں کمپنی کمانڈر تعینات کر دیا گیا انہی دنوں گلگت میں اسکاؤٹس کی تنظیم نو کی جارہی تھی یہ کام ملکی دفاع کیلئے انتہائی اہم تھا چنانچہ تجربہ اور قابلیت کو دیکھتے ہوئے اس اہم کام کیلئے بھی میجر طفیل محمد کا ہی انتخاب کیا گیا اور اب انکی تعیناتی بحیثیت ملٹری کمانڈنٹ آفیسر گلگت کر دی گئی۔

وہ اپنی محنت، ذہانت اور قابلیت سے اسکاؤٹس کی تنظیم نو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس وقت وہ گلگت آئے تو 500 اسکاؤٹس تھے مگر میجر طفیل محمد کی انتھک کوششوں سے یہ تعداد 1500 سے بھی زیادہ ہو گئی تھی یہاں انہوں نے چار سال کا عرصہ وطن عزیز کی خدمت میں گزارا اور اسکاؤٹس کو سرحدی دفاع کی بہترین تربیت دی۔

گھریلو زندگی

طفیل محمد نے اللہ رب العزت اور سرکارﷺ کی ہدایت کے عین مطابق تمام رشتوں کا حق ادا کرنیکی بھرپور کوشش کی وہ عملی زندگی کیساتھ ساتھ گھریلو زندگی میں بھی ایک کامیاب اور نفیس انسان تھے۔ ایک سپاہی سے میجر رینک تک کا کامیاب سفر دراصل ماں باپ کی دعاوں کا ہی نتیجہ تھا۔

گھر والوں نے جب شادی کیلئے خاندان سے لڑکی کا انتخاب کیا تو اس فرماں بردار بیٹے نے والدین کی خوشی کو ہی اپنی خوشی جانا یہ نیک سیرت شریک حیات نیاز بی بی کی سچائی کا ثمر ہی تھا کہ میجر طفیل محمد جیسا سچا اور خیال رکھنے والا ہم سفر انھیں عطا کیا گیا دونوں میاں بیوی سادہ اور سچے تھے اسلیئے ازدواجی زندگی بھی خوشیوں سے بھرپور تھی اللہ نے انھیں ایک بیٹی سے نوازا جس کا نام "نسیم" رکھا گیا یہ انکی اکلوتی بیٹی تھی۔

بیٹے کی کمی میجر صاحب کے بھائی اقبال کے بیٹے محمد اختر نے پوری کر دی بھتیجا اختر منہ بولا بیٹا تھا اور میجر طفیل محمد کے گھر ہی میں اس بچے کی پرورش ہوئی میجر طفیل محمد کو اپنے دونوں بچے بیٹی نسیم اور بیٹے اختر سے بہت پیار تھا وہ جب بھی چھٹیوں پر گھر آتے تو بچوں کے ساتھ بھر پور وقت گزارتے ، گاؤں میں بھتیجے اختر اور دوسرے بچوں کیساتھ بھی کرکٹ کھیلا کرتے۔

انہوں نے دونوں بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی اختر کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد میجر طفیل محمد نے ہی اسے فوج میں بھرتی کروایا تھا۔ شہید کی خواہش کے مطابق بعد از شہادت گھر والوں نے 2 مئی 1971ء کو اتوار کے دن نسیم طفیل اور محمد اختر کی شادی کر دی۔

معمولاتِ زندگی اور مشاغل

میجر طفیل محمد کا صبح سویرے اذان فجر سے پہلے بیدار ہو کر اپنے پیارے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا روز کا معمول تھا وہ اپنی صبح کا آغاز اپنے پاک وطن میں اللہ رب العزت کے پاک نام سے ہی کیا کرتے تھے۔

یہ میجر طفیل کی خوش مزاجی ،ملنساری اور محبت ہی تھی کہ وہ جب بھی چھٹیوں پر گھر آتے تو گاؤں اور گھر میں رونق ہو جایا کرتی تھی گاؤں میں شاید ہی ایسا کوئی ہوتا جو اس ہر دلعزیز جوان سے ملنے نہ آتا ہو میجر طفیل محمد مہمانوں کو اللہ کی رحمت سمجھتے جب بھی کوئی مہمان آتا تو اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتے اور کسی بھی مہمان یا ملاقاتی کو کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دیتے انہیں بھی کھانے میں اُس دن بہت ہی لطف آتا جس دن دسترخوان مہمانوں سے بھرا ہوتا تھا۔

میجر طفیل محمد کو قدرتی مناظر سے خاص لگاؤ تھا وہ اکثر خوبصورت و دلکش مناظر کو کیمرے کے ذریعے قید کر کے تصویروں کی صورت خوبصورت یاد بنا لیتے تھے۔ انہیں کھیلوں

سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ کرکٹ، ہاکی، رسہ، کشی، لمبی دوڑ اور چھلانگ پسندیدہ کھیل تھے چھٹی کے دنوں میں شکار پر بھی ضرور جایا کرتے تھے۔

کتاب میجر طفیل کی بہترین دوست اور ساتھی تھی اسی لئے ان کا علم اور مطالعہ وسیع تھا سیرت پاک ﷺ پر لکھی گئی کتابوں کے علاوہ فوجی تاریخ، سفرنامے، تاریخی ناول اور قرآن کی تفاسیر ذاتی لائبریری میں موجود تھیں جبکہ تاریخ اسلام اور فوجی جرنیلوں کی سوانح عمری پسندیدہ مضمون تھے۔

مشرقی پاکستان کی صورتحال

بھارت نے کبھی بھی ارض پاک کو دل سے تسلیم نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک وطن عزیز کیخلاف اسکی سازشوں کا سلسلہ جاری ہے چونکہ پاکستان دنیا کا واحد اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنیوالا ملک ہے اور اسکی بنیاد دین اسلام کے عنوان سے رکھی گئی ہے اسی لئے پاکستان کی مخالفت میں ہندوستان کو اسلام دشمن قوتوں اور طاغوتی طاقتوں کا آشیرباد ہمیشہ حاصل رہا چنانچہ ارض پاک کے وجود کو چند مہینوں کا قصہ کہنے والے دشمن، اہل بنگال کے ذہنوں میں علیحدگی کا بیج بونے لگے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں ایک بہت بڑے جلسے عام سے خطاب کرتے ہوئے اس خطرے کی نشان دہی ان الفاظ میں کی تھی۔

> ''ہمارے درمیان ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو پاکستان کو تباہ کرنے کیلئے دوسرے ملکوں سے اُجرت لے رہے ہیں، تخریبی کارروائیوں میں سرگرم ہندوستان پاکستانی قوم کے درمیان نفاق پیدا کرنیکی کوششیں شروع کر چکا ہے''۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کا فاصلہ ایک ہزار میل اور درمیان میں بھارت تھا یعنی محل وقوع کے لحاظ سے مشرقی پاکستان کی صورتحال یہ تھی کہ وہ دشمن کے محاصرے میں تھا دوسری طرف بدقسمتی سے قائداعظم کی وفات اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد کچھ مفاد پرست ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے انہوں نے دارالحکومت کراچی کو اقتدار کی جنگ کا اکھاڑہ بنا دیا تھا، پاکستان کو مٹانے کی خواہش رکھنے والے اس موقع کو کیسے ہاتھ سے جانے دیتے چنانچہ بھارت نے بھرپور پروپیگنڈہ مہم کے تحت اہل بنگال کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ مغربی پاکستان کو مشرقی پاکستان کے دفاع سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی مغربی پاکستان کی فوج بنگالیوں کا کبھی دفاع کرے گی۔

ای پی آر (ایسٹ پاکستان رائفلز)

اس شعبے کا بنیادی کام سرحدوں میں اسمگلنگ کی روک تھام تھا اسلئے اسکی حیثیت رینجرز جیسی ہونی چاہیے تھی مگر یہ غیر منظم فورس ڈیوٹی اور تنظیم کے لحاظ سے انتشار کا شکار تھی جسکی حیثیت اور فرائض واضح نہ تھے اور اس کا کمانڈر بھی ایک انسپکٹر جنرل پولیس تھا چنانچہ ایسٹ پاکستان رائفلز کے غیر فعال ہونیکی وجہ سے سرحدیں دشمن کیلئے کھلی تھیں۔

بھارت کی زیرسرپرستی اور کچھ مقامی افراد کی پشت پناہی سے ہندو اسمگلر اور بھارتی ایجنٹ ملک کی جڑیں کھوکھلی اور مشرقی پاکستان کی معیشت کو تباہ کر رہے تھے یہ ہندو چور دروازوں سے پٹ سن، غلہ، کپڑا، سونا، دوائیاں، گندم اور چاول وغیرہ باآسانی بھارت منتقل کر رہے تھے یہی وجہ تھی کہ کچھ مقامی بااثر اعلیٰ حکام کا ٹولہ بھی ای پی آر کو انسپکٹر جنرل پولیس کے ماتحت، غیر فعال اور مفلوج ہی رکھنا چاہتا تھا تا کہ سرحدوں پر کڑی نگرانی نہ ہو سکے اور اسی طرح اسمگلنگ کے ذریعے انکی دولت میں اضافہ ہوتا رہے۔

جون 1958ء میں ایسٹ پاکستان رائفلز کی تنظیم نو اور اسے فعال کرنے کیلئے

بریگیڈیئر صاحب داد کو ڈائریکٹر جنرل اور میجر طفیل محمد کو بحیثیت ونگ کمانڈر اکھنور (مشرقی پاکستان) بھیجا گیا افواج پاکستان کے ان دونوں افسران نے انتھک محنت اور کوشش سے اس ادارے کو فعال اور منظم کر لیا تھا۔

میجر طفیل محمد نے جی او سی میجر جنرل امراؤ خان اور بریگیڈیئر صاحب داد کی کمانڈ میں نہ صرف بہت سے اسمگلروں کو گرفتار کیا بلکہ اسمگلنگ پر بھی مکمل قابو پا لیا تھا ای پی آر (ایسٹ پاکستان رائفلز) کی ان کامیاب کارروائیوں سے ہندو اسمگلروں اور بھارتی ایجنٹوں کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں جس پر بھارت نے سرحدی جھڑپوں کا آغاز کر دیا۔

لکشمی پور پر قبضہ

اسمگلنگ کا غیر قانونی دھندہ بند ہو جانیکی وجہ سے خاص طور پر لکشمی پور کے ہندوؤں میں شدید بے چینی تھی کیونکہ یہ سرحدی علاقہ ہندو اسمگلروں کا گڑھ تھا اپنا دھندہ چوپٹ ہونے پر اسمگلروں کے سرغنہ دھرانی سرکار نے اگرتلہ جا کر بھارتی پارلیمنٹ میں اثر ورسوخ رکھنے والی مہارانی جوائے پور سے کہا کہ وہ کسی بھی طرح لکشمی پور پر بھارت سرکار کا قبضہ کروائے مہارانی جوائے پور کیلئے بھی اپنے بھانجے میجر دیو برہمن کو فاتح لکشمی پور بنانے کا یہ ایک اچھا موقع تھا کیونکہ لکشمی پور کا میدان خالی تھا اور کوئی جنگ بھی نہ ہونی تھی یہی وجہ تھی کہ جب بھارتی فوج اس علاقے پر قبضہ کیلئے آئی تو اس کا کمانڈر میجر دیو برہمن ہی تھا اس طرح بھارت نے اگست 1958ء میں عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کے سرحدی مقام لکشمی پور پر قبضہ کر لیا اور بھارتی فوج نے چاروں طرف مارٹر گنیں نصب کر کے ایک اونچے ٹیلے پر اپنے مضبوط مورچے بنا لیے۔

لکشمی پور پر جارحیت اور قبضہ کے بعد اب ہندو اسمگلروں نے یہاں رہنے والے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی اس صورتحال میں بھارتی جارحیت کا منہ توڑ

جواب دینا ناگزیر ہو چکا تھا اور اب پاک فوج کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کا بھر پور دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ دشمن نے اہل بنگال کے ذہنوں میں یہ خوف ڈال دیا تھا کہ افواج پاکستان کبھی بھی مشرقی پاکستان کا دفاع نہیں کرے گی۔

معرکہ لکشمی پور

حکومت پاکستان کی پہلے تو یہی کوشش تھی کہ لکشمی پور کا مسئلہ مذاکرات کے ذریعہ پرامن طریقے سے حل ہو جائے مگر دشمن امن کی اس کوشش کو کمزوری سمجھ بیٹھا اور پاکستانی مطالبہ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا مشرقی پاکستان کے جی او سی میجر جنرل امراؤ خان نے بھی پہلے بات چیت کے ذریعے ہی مسئلہ کا حل نکالنا چاہا لیکن بھارتی فوجی قیادت بھی طاقت وغرور کے نشے میں تھی چنانچہ جی او سی میجر جنرل امراؤ خان نے 3، اگست 1958ء کو فوجی کارروائی کا فیصلہ کرتے ہوئے بریگیڈیئر صاحب داد کو آپریشن کی تیاری کا حکم دیدیا بریگیڈیئر صاحب داد نے اپنی پیشہ وارانہ تجربہ کی روشنی میں اس اہم مشن کیلئے ایک ذہین، دلیر اور قابل کمانڈر میجر طفیل کا انتخاب کرلیا اور انھیں فوری طور پر کومیلا سے ڈھاکہ ہیڈکوارٹر طلب کیا میجر طفیل محمد فوراً ڈھاکہ آئے اور بریگیڈیئر صاحب داد سے تفصیلی ملاقات کے بعد اپنے کام کا آغاز کردیا۔

میجر طفیل محمد دشمن کی پوزیشن کا اندازہ لگانے اور علاقے سے واقفیت کیلئے ایس ڈی ایم عبدالمنان کی سربراہی میں جانیوالے ایک سویلین وفد کے ساتھ انکے اسسٹنٹ بن کر لکشمی پور گئے اور اس خفیہ مشن سے واپس آ کر ایک منصوبہ تیار کیا جسکی تفصیلات بریگیڈیئر صاحب داد کو بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارے کل 75 جوان تین دستوں میں تقسیم ہوں گے ہر دستہ 25 سپاہیوں پر مشتمل ہوگا یہ تینوں دستے علیحدہ علیحدہ بذریعہ ٹرین لکشمی پور کے قریب اُتر کر اپنے ٹارگٹ کی طرف جائیں گے اور ہدف کے قریب پہنچ کر دشمن پر تین

اطراف یعنی دائیں بائیں اور سامنے سے مقررہ وقت پر ایک ساتھ حملہ کریں گے۔

بریگیڈیئر صاحب دادا نے اس پلان پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے منظوری دیدی تو میجر طفیل محمد آپریشن کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے اب انکی ساری توجہ اپنے جوانوں پر تھی۔

میدان جنگ میں تنخواہ دار سپاہیوں کا ہجوم لے کر جانا کامیابی کی ضمانت نہیں کامیابی تو یہ ہے کہ راہِ حق پر جنگ ہو اور ہر جوان لڑنے کیلئے دل سے تیار ہو یہی وجہ ہے کہ حق و سچ کی قوت اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار قلیل سپاہ بھی کثیر فوج کو شکست دے دیتی ہے۔ یہ میجر طفیل کی قابلیت اور بہترین تربیت تھی جو تمام سپاہی سچے جذبوں کیساتھ اپنی مرضی سے انتہائی خطرناک مشن پر جانے کیلئے بے چین تھے اور ایسے سپاہی محاذ پر جانے کیلئے تیار ہوگئے کہ جنگی ڈیوٹی جنگ لڑنا نہیں بلکہ سرحدوں پر اسمگلنگ روکنا تھی۔

میجر طفیل نے محاذ پر روانگی سے قبل 6، اگست 1958ء کو اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

''جوانو! آپ مجھے صرف اپنا کمانڈر یا افسر نہیں بلکہ اپنا ساتھی سمجھو میں بھی آپ سب ساتھیوں سے کھلی اور صاف صاف بات کروں گا مجھے پتہ ہے کہ ایسٹ پاکستان رائفلز کا کام دشمن فوج سے جنگ کرنا یا اس سے اپنا علاقہ واپس لینا نہیں بلکہ سرحدوں پر اسمگلنگ روکنا ہے لیکن دشمن نے ہمارے علاقے پر قبضہ کر کے وطن عزیز کے وقار پر ضرب لگانیکی کوشش کی ہے ہم یہ کام مادرِ وطن کی عزت و ناموس کیلئے کرنے جا رہے

ہیں اسلیئے کوئی بھی جوان میرے ساتھ مجبوری میں یا بے
دلی سے نہ جائے اور نہ ہی میں کسی ایسے جوان کو اپنے
ساتھ لے کر جاؤں گا جس کے دل و دماغ میں ذرا سی
بھی ہچکچاہٹ ہو میرے نزدیک کسی بھی جوان کا اس
مشن میں چلنا یا نہ چلنا اسکی اپنی مرضی کا سودا ہے جو
جوان نہ چلنا چاہے یا کسی بھی وجہ سے خود کو اس لڑائی
کیلیئے کمزور یا فٹ نہ سمجھتا ہو تو وہ بے شک نہ چلے خدا کی
قسم مجھے ذرا بھر بھی افسوس نہ ہوگا اور جو جوان میرے
ساتھ اس معرکہ میں جانے کیلیئے دل سے راضی ہوں وہ
ایک قدم آگے آ جائیں"۔

یہ جملہ ادا ہونے کے بعد کوئی ایک جوان بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنا قدم آگے نہ بڑھایا ہو سب کے سب جوانوں نے اپنے قدم آگے بڑھا دیئے جوانوں کے اس جذبے پر میجر طفیل نے کہا

"آفرین ہے ساتھیو! تمھیں کون شکست دے سکتا ہے
ہم سب راہِ حق میں مادرِ وطن کیلیئے قربان ہونے کا
جذبہ رکھتے ہیں انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی اور ہم ضرور
کامیاب ہوں گے"۔

آپریشن پلان کیمطابق تین اطراف یعنی دائیں بائیں اور سامنے سے حملہ کرنا تھا، دشمن کے علاقے سے گزر کر بالکل سامنے سے حملہ کرنیوالی تیسری پلاٹون کا کام انتہائی خطرناک تھا اور اس آپریشن کے کامیاب ہونے کا انحصار بھی اسی پلاٹون کی کارکردگی پر تھا

چنانچہ افواج پاکستان کے اس دلیر میجر طفیل محمد نے سب سے مشکل ہدف یعنی تیسری پلاٹون کا انتخاب خود اپنے لیے کیا اور جمعدار محمد اعظم کو اپنا نائب بنا دیا۔

میجر طفیل محمد کو جس طرف سے اپنی کمانڈ میں حملہ کرنا تھا وہاں شہادت یقینی تھی اس بات کا بخوبی اندازہ جمعدار محمد اعظم کو بھی تھا چنانچہ وہ اپنے ہر دل عزیز میجر صاحب کے پاس آ کر کہنے لگا! سر

''آپ اپنی جگہ پر مجھے جانے دیں پاک فوج کو آپ
جیسے قابل افسر کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے میں آپکی
جگہ اپنی ڈیوٹی پوری ذمہ سے ادا کروں گا''۔

میجر طفیل نے اپنے جوان کی اس بات پر مسکراتے ہوئے کہا کہ
''محمد اعظم کبھی کسی کے چلے جانے سے کوئی کام نہیں
رُکتا میرے بعد میری جگہ پر کوئی اور طفیل آ جائے گا
آپ ڈرتے ہو کہ میں شہید نہ ہو جاؤں اگر تم میری جگہ
شہید ہو گئے تو کیا میں اس سعادت سے محروم نہ رہ
جاؤں گا''۔

میجر صاحب نے پھر کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ
''میں تمھارے جذبات کی دل سے قدر کرتا ہوں تم اپنا
کام کرو اور مجھے میرا کام کرنے دو، دیکھتے ہیں کہ
شہادت کی سعادت کس کے حصے میں آتی ہے''۔

آپریشن پلان کے مطابق یہ تینوں پلاٹون علیحدہ علیحدہ بذریعہ ٹرین لکشمی پور کے

قریب پہنچ گئی رات کا وقت تھا اور ہر طرف مکمل خاموشی تھی مگر میجر طفیل محمد اپنی بہترین پیشہ ورانہ مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے جوانوں کو اپنی کمانڈ میں کامیابی سے ہدف کے بہت قریب لے گئے اب دشمن صرف 15 گز کی دوری پر تھا حق و باطل کا معرکہ شروع ہونے ہی والا تھا کہ مورچہ اور پہرے پر موجود قابض سپاہیوں کی نظریں میجر طفیل محمد پر پڑ گئی چونکہ افواج پاکستان کا یہ کمانڈر سب سے آگے تھا اسلیئے دشمن نے انہیں دیکھتے ہی فائرنگ شروع کر دی وہ ان گولیوں کا نشانہ بھی بنے مگر اس ذہین اور نڈر کمانڈر نے اپنے ساتھیوں کو یہ بالکل محسوس نہ ہونے دیا کہ انھیں گولیاں لگی ہیں میجر طفیل نے زوردار آواز میں نعرہ تکبیر لگایا تو رات کی خاموشی میں لکشمی پور فائرنگ اور دستی بموں سے گونج اٹھا۔

قابض بھارتی فوجیوں اور راہِ حق کے سپاہیوں کے درمیان جنگ شروع ہو چکی تھی ایک طرف جھوٹے اور باطل خوف زدہ ہو کر لڑ رہے تھے تو دوسری طرف راہِ حق کے سچے سپاہی اپنی جانوں سے بے پرواہ دلیری سے لڑتے ہوئے حق و سچ کا پرچم بلند کر رہے تھے۔

دشمن کی ایک مشین گن سے مسلسل گولیاں برس رہی تھیں، میجر طفیل محمد نے دستی بم پھینک کر اس مشین گن کو بالکل خاموش کر دیا اب وہ ٹارگٹ پر گولیاں برسانے کیساتھ ساتھ اپنے جوانوں کا حوصلہ بھی بڑھا رہے تھے۔لڑائی اپنے عروج پر تھی نائب جمعدار محمد اعظم مادرِ وطن پر قربان ہوتے ہوئے شہادت کی زندگی پا چکے تھے اپنے نائب کی شہادت کے بعد زخمی کمانڈر میجر طفیل محمد پیٹ کے بل رینگتے ہوئے اپنے ہدف کے قریب پہنچ گئے اور دستی بم سے حملہ کر کے اُس مشین گن کے پرخچے اُڑا دیئے جسکی گولیوں سے نائب محمد اعظم شہید ہوئے

تھے یہ میجر طفیل محمد کی دانشمندی، ہمت اور دلیری تھی کہ چار گولیاں لگنے کے باوجود وہ دشمن پر کاری ضرب لگاتے ہوئے اپنے جوانوں کا حوصلہ مسلسل بڑھا رہے تھے۔

پلان کے مطابق تینوں اطراف سے جانثار سپاہیوں نے میجر طفیل محمد کی دلیرانہ کمانڈ میں بہادری کے جوہر دکھائے دشمن جب ذہنی طور پر اپنی شکست تسلیم کر چکا تو میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگا مہارانی جوائے پور کے بھانجے میجر دیو برہمن نے بھی بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی مگر اس بھارتی کمانڈر کی یہ بدقسمتی تھی کہ وہ اُسی طرف سے بھاگ رہا تھا جہاں میجر طفیل شدید زخمی حالت میں تھے چونکہ اب تک میجر طفیل محمد کا بہت زیادہ خون بہہ چکا تھا اسلئے کوشش کے باوجود جب وہ کھڑے نہ ہو سکے تو انھوں نے اپنی ٹانگوں کے ذریعے بھاگتے ہوئے میجر دیو برہمن کو گرا دیا اس بھارتی کمانڈر نے فرار ہونیکی بہت کوشش کی مگر وہ میجر طفیل کے مضبوط ارادوں سے خود کو آزاد نہ کرا سکا دونوں کمانڈروں کے درمیان کشمکش جاری تھی کہ میجر طفیل نے دشمن کمانڈر کے سر پر اپنی فولادی کیپ دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا اتنے میں پاک فوج کا ایک جوان بھاگتا ہوا آیا اور بھارتی کمانڈر میجر دیو برہمن کو گولی مارنے لگا تو میجر طفیل نے اپنے سپاہی کو روکتے ہوئے زخمی دشمن کو گولی مارنے سے منع کیا اور کہا کہ اب یہ ہمارا قیدی ہے۔

میجر طفیل محمد شدید زخمی ہونے کے باوجود بھی دشمن کی پسپائی اور وطن عزیز کی فتح تک بہادری سے لڑتے رہے وہ سینے میں لگی گولیوں کی پرواہ کیے بغیر میدان جنگ میں اُس وقت تک اپنے ساتھیوں کی کمانڈ کرتے رہے جب تک کہ لکشمی پور فتح نہ ہو گیا جب وہ اپنی ڈیوٹی اور فرض ادا کر چکے اور لکشمی پور فتح ہو چکا تو پھر جوانوں کو یہ علم ہوا کہ میجر صاحب شدید زخمی ہیں انھیں فوری طور پر ٹرین کے ذریعے سی ایم ایچ (کمبائنڈ ملٹری اسپتال) کومیلا لے جایا گیا جہاں ان کا کامیاب آپریشن ہوا اور سینے میں لگی چار گولیاں نکال لی گئیں مگر فاتح لکشمی پور میجر طفیل محمد شہید کو رب تعالیٰ نے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دی تھی۔ صدر ایوب خان نے ہفتہ 7 نومبر 1959ء کو ''نشانِ حیدر'' کا یہ اعزاز شہید میجر طفیل کی صاحبزادی نسیم اختر کو دیا۔

تیسرا نشانِ حیدر

شہید
راجہ عزیز احمد بھٹی

بدھ ۶ اگست ۱۹۲۳ء

تا

اتوار ۱۲ ستمبر ۱۹۶۵ء

Major
Raja Aziz Bhatti
Shaheed

راجہ عزیز احمد بھٹی

ولدیت	:	محمد عبداللہ بھٹی
تاریخ پیدائش	:	بدھ 6 اگست 1923ء
جائے ولادت	:	ہانگ کانگ (برطانوی راج)
آرمی نمبر	:	2695
رینک	:	میجر
آرمڈ سروس	:	پنجاب رجمنٹ
تاریخ شہادت	:	اتوار 12 ستمبر 1965ء
بمقام	:	بی آر بی نہر، واہگہ سیکٹر لاہور
آخری آرام گاہ	:	حویلی ماسٹر عبداللہ بھٹی، لادیاں گجرات، صوبہ پنجاب
عرصہ حیات (ظاہری)	:	42 سال 1 ماہ 6 دن

6 ستمبر 1965ء کو رات کی تاریکی میں ارضِ پاک
پر بھارتی حملے کے بعد ایک طرف بھارتی وزیر دفاع
چاون یہ کہہ رہا تھا کہ
دوپہر تک لاہور میں بھارت کا قبضہ ہو جائے گا
شام تک ہندوستانی فوجیں وزیر آباد پہنچ جائیں گی اور
میں آل انڈیا ریڈیو سے خطاب کروں گا۔

ہندوستانی وزیراعظم لال بہادر شاستری بھی پارلیمنٹ
سے اپنے خطاب میں کہنے لگا کہ
آج شام تک آپ کو ایک بڑی خوش خبری ملے گی۔

انڈین کمانڈر انچیف جنرل چودھری کو تو منزل
سامنے نظر آ رہی تھی وہ بھارتی فوجیوں سے یہ وعدہ کر رہا

تھا کہ ''لاہور جم خانہ کلب'' میں انھیں جام فتح پیش کیا جائے گا۔

بھارت نے اپنے ایک ہندوستانی اشونی کمار اشونی کو لاہور کا سول ایڈمنسٹریٹر بھی مقرر کر دیا تھا مگر دوسری طرف پاک فوج کا ایک مردِ مجاہد مادرِ وطن کی حفاظت کیلئے میدان جنگ میں آنے سے چند لمحوں قبل اپنے معصوم بچوں سے آخری ملاقات میں یہ کہہ رہا تھا کہ

میں وطن عزیز کی حفاظت کیلئے جہاد پر جا رہا ہوں اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرے بچو رونا نہیں تم انشاء اللہ اُس باپ کے بیٹے ہو گے جو اپنی جان تو قربان کر دے گا لیکن دشمن کو پاک سرزمین پر اپنے ناپاک قدم رکھنے کی اجازت کبھی نہیں دے گا تم فخر سے اپنے دوستوں کو بتانا کہ میرے بابا وطن کی حفاظت میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

مادرِ وطن کے اس جانباز سپوت نے نہ صرف اپنے بچوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا بلکہ حملہ آوروں کو عبرتناک شکست بھی دی اپنی زندگی وطن پر قربان کرنیوالے اس عظیم شہید کے وہ معصوم بچے سب کو فخر سے بتاتے تھے اور ہیں کہ ہم وطن عزیز پر قبضے کی راہ میں دیوار بننے والے جنگ ستمبر کے ہیرو ''شہید میجر عزیز بھٹی'' کی اولاد ہیں۔

خاندانی پس منظر

تیسرے نشانِ حیدر شہید میجر راجہ عزیز احمد بھٹی کا تعلق ''راجپوت بھٹی'' گھرانے سے ہے اپنی سچائی، عبادت اور حسن اخلاق کی وجہ سے پورے خاندان میں مثالی یہ گھرانہ بے انتہا عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

میجر عزیز بھٹی کے والد محمد عبداللہ بھٹی 1889ء میں ضلع گجرات کے ایک قدیم اور تاریخی گاؤں ''لادیاں'' میں پیدا ہوئے یہ گاؤں مغل بادشاہ اکبر کے دور میں آباد ہوا تھا 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان انتہائی ابتری، بدحالی اور مشکلات کا شکار تھے اس دور میں برصغیر کے مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا معاشی مجبوریوں اور تلاش معاش کے سلسلے میں لوگوں کی بڑی تعداد ہندوستان سے دوسرے ممالک نقل مکانی کر رہی تھی۔

محمد عبداللہ بھٹی (والد میجر عزیز بھٹی) کے دو بھائی امام الدین اور احمد دین ہانگ کانگ پولیس میں ملازم تھے چنانچہ بزرگوں کی اجازت اور شادی ہونے کے بعد محمد عبداللہ بھی اپنی اہلیہ ''بی بی آمنہ'' کے ہمراہ ہانگ کانگ منتقل ہو گئے وہاں انہوں نے چھوٹے پیمانے پر کاروبار کیا ناکام ہوئے تو طبیعت کے برخلاف مجبوراً نیول پولیس (بحری فوج کا محکمہ پولیس) میں بھرتی ہو گئے حالانکہ فطری طور پر انھیں درس وتدریس سے کافی لگاؤ تھا یہی وجہ تھی کہ کچھ عرصے بعد ہی فوج کی ملازمت چھوڑ کر مزاج کے مطابق محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے جہاں وہ ایک بہت اچھے استاد کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔

محمد عبداللہ بھٹی کے بچوں کی ولادت ہانگ کانگ میں ہوئی انکی تمام اولاد تعلیم یافتہ اور اعلیٰ کردار کی مالک تھی نذیر احمد سب سے بڑے بیٹے تھے جو پاکستانی سفارت خانے میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے اس کے بعد بیٹی محترمہ طاہرہ بیگم کی پیدائش ہوئی جنکی شادی ایئر کموڈور محمد اشرف بھٹی سے ہوئی ۔نوجوانی میں ہی دنیا سے جانیوالے بشیر احمد کے بعد تیسرے بیٹے عزیز احمد تھے جنکی وجہ سے محمد عبداللہ بھٹی اور انکے خاندان کا نام پاکستان کی

تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا چوتھے صاحبزادے سردار احمد کا شمار بھی پاک فضائیہ کے شاہینوں میں ہوتا ہے ایک بیٹی اور چار بیٹوں کے بعد پیدا ہونیوالی محترمہ راشدہ جنکے شریک سفر فضل کریم بھی ملٹری آفیسر تھے اور سب سے چھوٹے بیٹے رشید احمد انجینئرنگ کے شعبے سے وابستہ رہے۔

ابتدائی تعلیم

تیسرے نشانِ حیدر کی پیدائش 6، اگست 1923ء کو پیر کے روز ہانگ کانگ میں ہوئی نام عزیز احمد رکھا گیا جبکہ گھر والے انھیں پیار سے ''راجہ'' کہہ کر پکارتے تھے، محمد عبداللہ بھٹی ایلس کدوری اسکول ہانگ کانگ میں ٹیچر کے فرائض سرانجام دے رہے تھے یہی وجہ تھی کہ راجہ عزیز بھٹی کو بھی ابتدائی تعلیم کیلئے اسی اسکول میں داخل کرادیا گیا یہ اسکول مڈل کلاس تک تھا میٹرک کیلئے انھوں نے کوئینز میری کالج میں داخلہ لیا۔

کالج کے پرنسپل راجہ عزیز بھٹی کی ذہانت اور قابلیت سے بے حد متاثر تھے یہی وجہ تھی کہ پرنسپل نے ان کیلئے برطانوی حکومت سے وظیفے کی سفارش کی تھی جو منظور بھی ہوگئی مگر دوسری جنگ عظیم کے اثرات کی وجہ سے وہ فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

جب جاپان نے ہانگ کانگ پر قبضہ کرلیا تو مجبوراً راجہ عزیز بھٹی کو تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا، اسی دوران بھائی بشیر احمد کو جاپانیوں نے سرخ وسفید رنگت کی وجہ سے انگریز ہونے کے شبے میں قتل کردیا یہ سانحہ بھٹی فیملی پر قیامت بن کر گزرا۔

جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو راجہ عزیز بھٹی نے بحریہ میں بطور واچ مین شمولیت اختیار کرلی اپنی خداداد صلاحیتوں اور انتھک محنت کی وجہ سے ہیڈ واچ مین ہوگئے اور پھر ترقی کرتے ہوئے کپتان کے کورس کی عملی تربیت بھی لینے لگے انہی دنوں جاپان کو شکست ہوگئی اور صورتحال انتہائی تیزی سے خراب ہونے لگی ان حالات میں راجہ عزیز بھٹی کے والد محمد

عبداللہ بھٹی نے فیصلہ کیا کہ اب بیوی بچوں کے ہمراہ مزید یہاں رہنا ٹھیک نہیں یوں یہ خاندان دسمبر 1945ء کو اپنے گاؤں ''لادیاں'' واپس آ گیا۔

شادی

لادیاں آنے کے تقریباً چھ ماہ بعد گھر والوں نے جون 1946ء کو 23 برس کی عمر میں راجہ عزیز بھٹی کی شادی انکے چچا سابق نائب صوبیدار کرم الدین بھٹی کی صاحبزادی سے کر دی اہلیہ کا اصل نام ''رشیدہ'' تھا لیکن راجہ عزیز بھٹی انہیں از راہِ محبت ''زرینہ'' کہہ کر پکارتے تھے۔

بیگم زرینہ عزیز بھٹی کے بطن سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں بڑے صاحبزادے ظفر جاوید سینئر کیمبرج کرنیکے بعد اپنے بابا شہید راجہ عزیز بھٹی کی وصیت کے مطابق پاک فوج میں بھرتی ہوئے راجہ عزیز بھٹی کے دیگر بچوں کے نام ذوالفقار احمد، رفیق احمد، اقبال جاوید، رفعت آراء اور زینت آراء ہیں۔

کھیلوں سے دلچسپی

راجہ عزیز بھٹی اسکول میں بہترین کھلاڑی کی حیثیت سے فٹبال، ہاکی اور ٹینس کی ٹیموں میں کھیلتے رہے کرکٹ کے تو مثالی بیٹسمین تھے اس کے علاوہ ان کا شمار بہترین تیراک اور غوطہ خوروں میں ہوتا تھا انہیں سکیٹنگ میں بھی خاص مہارت حاصل تھی۔

راجہ عزیز بھٹی کو موسیقی سے خاص لگاؤ تھا بہت چھوٹی عمر ہی سے ہارمونیم اور ماؤتھ آرگن بجانے کے ماہر تھے انھیں انگریزی اور چینی دھنیں بہت پسند تھیں فوج میں شمولیت کے بعد اکثر تقاریب میں ماؤتھ آرگن اور ہارمونیم بجا کر محفل کی جان بن جایا کرتے تھے۔

بحثییت ادیب

درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ ماسٹر محمد عبداللہ بھٹی (والد راجہ عزیز بھٹی) کا گھرانہ علم وادب کا گہوارہ تھا یہی وجہ ہے کہ علم دوست راجہ عزیز بھٹی کو مطالعے سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا وہ جنگی وعسکری واقعات، آپ بیتیاں، سوانح عمری اور اپنا پسندیدہ مضمون تاریخ بہت شوق ودلچسپی سے پڑھا کرتے انکی معلومات بھی بہت وسیع تھی وہ نہ صرف بہت اچھے لکھاری تھے بلکہ انہیں ہر موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرنے کا کمال بھی حاصل تھا 1949ء میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے جریدے ''رائزنگ کریسنٹ'' کا اجراء ہوا تو اس کیلئے یادگار اور بہترین مضامین لکھے انگریزی میگزین ''تھنڈر بولٹ'' کے ایڈیٹر بھی رہے اس میگزین کیلئے بے شمار دلچسپ و نادر مضامین تحریر کر کے انگریزی ادب میں بھی بحثییت ادیب خود کو منوایا انہیں پنجابی، اردو، انگریزی، سنگاپوری اور خصوصاً جرمن زبان پر عبور حاصل تھا یہی وجہ تھی کہ فوج میں جرمن کے سرکاری ترجمان بنائے گئے اور انہوں نے جرمن کی کئی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا۔

گھر.....پہلی سیڑھی

اللہ والے کہتے ہیں

''رب کو راضی کرنیکی پہلی سیڑھی گھر ہے''۔

انسان کی ڈیوٹی اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے والدین کی خدمت، بیوی بچوں سے محبت، رشتہ داروں سے حسن سلوک اور گھریلو زندگی میں اپنی ڈیوٹی پوری کرنے اور ان تمام رشتوں میں سچے رہنے والوں کیلئے اللہ کا فضل وکرم ہر جگہ انکے ساتھ رہتا ہے چونکہ راجہ

عزیز بھٹی کے اندر سچ تھا اس لیے گھریلو زندگی میں خاندانی رشتوں کے حوالے سے جو ذمہ داری تھی انھوں نے نہایت سچائی اور ایمانداری سے نبھائی وہ خدمت گزار وفرماں بردار بیٹے ، شفیق باپ اور بہترین شوہر تھے یہی وجہ ہے کہ انکی گھریلو زندگی خوشیوں سے بھر پور تھی ۔

راجہ عزیز بھٹی جب بھی چھٹیوں پر گھر آتے تو بچوں کے ساتھ بھر پور وقت گزارتے انہیں اکثر سیر وتفریح کیلئے لے جاتے اور دوستانہ ماحول میں ان کے ساتھ کھیلا کرتے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ بچوں کی تعلیم وتربیت پر بھی خصوصی توجہ دیتے ۔

اہلیہ (زرینہ عزیز بھٹی) کا تعلق ایک دیہاتی ماحول سے تھا اور اُس زمانے میں لڑکیوں کی تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی تھی اس لیے زرینہ بھٹی تقریباً ناخواندہ ہی تھیں لیکن راجہ عزیز بھٹی نے کبھی انھیں اس بات کا احساس نہ ہونے دیا وہ جب بھی بچوں کو پڑھاتے تو ساتھ ہی اپنی شریک حیات کو بھی پڑھانے کیلئے بٹھا لیتے جب وہ اردو اور انگریزی سے کچھ واقف ہوگئیں تو ان کا داخلہ ایک نائٹ اسکول میں کروادیا آخر کار شوہر کی بھر پور توجہ، محنت اور کوشش سے بیگم زرینہ بھٹی بہت کچھ سیکھ گئیں تھیں ۔

راجہ عزیز بھٹی نے گھریلو زندگی اور خاندانی رشتوں کے حوالے سے اپنے فرائض انتہائی سچائی سے پورے کئے یوں انھوں نے خالق کائنات کی طرف سے گھر کے اندر لگائی گئی ڈیوٹی پوری کر کے اللہ کے پیاروں کی لسٹ میں اپنا نام لکھوالیا تھا ۔

اللہ کے پیارے

پروردگار کی مخلوق کیلئے اپنا آرام اور اپنا
آپ قربان کرنیکی سعادت کرم والوں کو ہی ملتی ہے یہی
وہ اللہ کے پیارے ہیں جو پریشان حال لوگوں کی
تکلیفیں خوشی خوشی اپنے اوپر لے لیتے ہیں خوشیاں

بانٹنا، آسانیاں دینا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور
اپنی ذات سے لوگوں کو فیض پہنچانا راجہ عزیز بھٹی کی
روحانی غذا تھی اس روحانی تسکین کیلئے وہ اپنی
خواہشات اور آرام بھی قربان کر دیتے۔

ٹینس راجہ عزیز بھٹی بہت شوق سے کھیلا کرتے ایک بار انھوں نے کئی دنوں تک ٹینس نہ کھیلی تو اس بات پر دوستوں کو بہت حیرت ہوئی وجہ معلوم کی تو پتہ چلا کہ ان کا ریکٹ ٹوٹا ہوا ہے کیونکہ ریکٹ خریدنے کیلئے جو رقم تھی انھوں نے ان پیسوں سے ایک ضرورت مند کی مدد کر دی ہے۔

وہ نہ صرف دوستوں اور ماتحت جوانوں کا ہمیشہ خیال رکھتے بلکہ انھیں آسانیاں دینے کیلئے خود کو بھی مشکل میں ڈال دیتے تربیتی مشقوں کے دوران اپنے سپاہیوں کو آرام دینے کیلئے کوئی بھی کام کرنے میں شرم محسوس نہ کرتے اور نہ ہی خود کو اپنے ماتحتوں سے برتر سمجھتے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کاموں کے علاوہ بھی نہ صرف خندقیں کھودتے بلکہ مشین گن اور وائرلیس سیٹ بھی اُٹھا کر چلتے اسکے علاوہ سنتری کا کام کرنے اور کھانا پکانے کیلئے بھی رضا کارانہ طور پر خود کو پیش کر دیتے۔

راجہ عزیز بھٹی کے دوست اور بہت عرصہ ساتھ رہنے والے میجر شفقت بلوچ کہتے ہیں کہ

''وہ سب کا بہترین دوست تھا زندگی کے ہر مسئلے میں
انتہائی مخلصانہ مشورے دیتا وہ دوستوں کیلئے تو ساہوکار
تھا اور ہر وقت مالی امداد کیلئے تیار رہتا مدد کی کیسی ہی
نوعیت کیوں نہ ہوتی عزیز بھٹی کسی کو مایوس نہ کرتا''۔

اللہ کا انتخاب

راجہ عزیز بھٹی انکار کرنیوالوں میں نہیں بلکہ
ماننے اور رب تعالیٰ کو منا لینے والوں میں سے تھے انکار
کرنیوالے، جھوٹے اور مَیں سے بھرے ہوئے مدینے
میں ہوں یا کعبہ میں نماز میں ہوں یا حج میں وہ خالی اور
خسارے میں ہی رہتے ہیں جبکہ ماننے والوں کے
ساتھ اللہ کا فضل ہمیشہ رہتا ہے چاہے وہ کہیں بھی
رہیں۔

راجہ عزیز بھٹی نے 27 سال یعنی نوجوانی کی عمر ہانگ کانگ میں گزاری اس کے علاوہ عالم شباب میں مغربی ممالک میں بھی ایک عرصہ گزارا مگر ہر جگہ سادہ اور سچے رہے وہ جہاں بھی گئے ان کا ہر عمل اپنے پروردگار کو راضی کرنے کیلئے تھا مرکز ومحور صرف مالک ہی کی ذات تھی افسر ہونے کے باوجود اندر اور باہر کہیں ''مَیں'' نہ تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ''مَیں'' اور اللہ کی محبت ایک ساتھ نہیں رہ سکتی راجہ عزیز بھٹی اللہ کا انتخاب تھے شاید اسی لیے رب تعالیٰ نے انھیں ہر جھوٹ اور برائی سے بچائے رکھا وہ کہا کرتے تھے کہ

''حقیقی خوشی دولت سے نہیں بلکہ خدا اور رسول ﷺ
سے محبت اور صراط مستقیم کے راستے پر ''سچا'' چلنے سے
ملتی ہے''۔

پی ایم اے کاکول (Pakistan Miltary Academy)

14 اگست 1947ء کو جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو راجہ عزیز بھٹی نے پاک فوج میں کمیشن حاصل کرنے کیلئے درخواست دی تو اللہ کے فضل اور اپنی محنت سے کامیاب ہوئے تو 21 جنوری 1948ء کو بدھ کے روز ملٹری اکیڈمی کاکول (ایبٹ آباد) پہنچے جہاں انھوں نے دوسالہ فوجی تربیت کے دوران بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

ہفتہ 4 فروری 1950ء کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے پہلے ریگولر کورس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ہوئی جس میں راجہ عزیز بھٹی نے بیک وقت دو اعزازات حاصل کیے انھیں بہترین کیڈٹ اعزاز کے علاوہ شہید ملت وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان نے سوارڈ آف آنر (اعزازی تلوار) اور کامن گولڈ میڈل سے نوازا۔

پاک فوج میں ترقی کا سفر

راجہ عزیز بھٹی 14 اپریل 1950ء کو جمعہ کے دن ''پنجاب رجمنٹ'' میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے شامل ہوئے انکی محنت وقابلیت دیدنی تھی۔ 1951ء میں انھیں اسی رجمنٹ کا کمپنی کمانڈر مقرر کیا گیا 1953ء تک یعنی دو سال اڈجوٹنٹ لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز رہے اور پھر وہ 1956ء تک کیپٹن اڈجوٹنٹ، مارٹر آفیسر اور کمپنی کمانڈر جیسے اہم عہدوں پر ملک وملت کی دیوانہ وار خدمت میں مصروف رہے کہ اسی سال انھیں اعلیٰ فوجی تربیت کیلئے کینیڈا بھیجا گیا وہاں 10 ماہ کی فوجی تربیت کے بعد جب وہ وطن واپس آئے تو ان کا ''میجر رینک'' میں پروموشن ہو گیا بعدازاں اسٹاف کورس کیلئے جرمنی بھیجے گئے وہاں بھی میجر عزیز بھٹی کو پروفیشنل اور اکیڈیمک مضامین میں نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

جولائی 1957ء سے ستمبر 1959ء تک کوہاٹ اور جہلم میں جی ایس او III آپریشنز کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور جون 1961ء سے جون 1964ء تک

پنجاب رجمنٹ کے کمپنی کمانڈر رہے اسکول آف انفینٹری اینڈ ٹیکٹکس کوئٹہ میں بھی انسٹرکٹر کے فرائض انجام دیئے اور مئی 1965ء تک 17 پنجاب رجمنٹ میں سیکنڈ ان کمانڈ کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے بھارتی فوجی جارحیت کے وقت میجر راجہ عزیز بھٹی بر کی محاذ پر بطور کمپنی کمانڈر تعینات تھے۔

بھارت کی خوش فہمیاں

ہندوستان نے پہلے اپریل 1965ء میں پاکستانی علاقے ''رن آف کچھ'' پر حملہ کیا لیکن جب پاک فوج کے ہاتھوں اسے منہ کی کھانی پڑی تو بھارتی وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے 28 اپریل کو بدھ کے دن یہ اعلان کیا کہ اب بھارت اپنی مرضی کا محاذ کھولے گا یوں دشمن نے اپنی مکمل جنگی تیاری کے بعد 6 ستمبر 1965ء کو رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔

بھارت نے لاہور پر چار جگہوں برکی روڈ، واہگہ بارڈر، راوی سائفن اور بیدیاں کی جانب سے حملہ کیا درانداز ازلی دشمن کا منصوبہ یہ تھا کہ سب سے پہلے لاہور اور شاہدرہ کے درمیان راوی کے پل پر قبضہ کیا جائے اس کے بعد ایک ڈویژن فوج گوجرانوالہ اور ایک ڈویژن فوج شیخوپورہ روڈ سے حملہ آور ہوگی دوسری طرف سے کھیم کرن پر حملہ کرنیوالی ایک ڈویژن فوج قصور سے ہوتی ہوئی لاہور والی ڈویژن فوج سے آملے گی پھر یہاں سے ایک ڈویژن فوج ملتان روڈ پر واقع ٹھوکر نیاز بیگ سے ہوتی ہوئی ساہیوال روانہ ہو جائے گی یوں 72 گھنٹوں کے اندر بھارت پاکستان پر قابض ہو جائے گا لیکن مادرِ وطن کے بہادر بیٹوں نے یہ ناپاک منصوبے اپنے پاک لہو کا نذرانہ پیش کر کے خاک میں ملا دیئے اور دشمن کی تمام خوش فہمیاں دور کر دیں۔

جنگی ماہرین اور مبصرین یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ بھارت کی اتنی بڑی فوجی قوت کے سامنے تعداد کے اعتبار سے ایک چھوٹی اور مختصر فوج اپنے ملک کا دفاع کر لے گی

مگر عالمی میڈیا اور سارا عالم گواہ ہے کہ افواج پاکستان نے نہ صرف اپنے پیارے وطن کا دفاع کیا بلکہ بھارتی جنگی قوت کو مشکوک اور کچھ عرصے کیلئے بیکار بھی کر دیا تھا۔

دفاع وطن

میجر عزیز بھٹی ''برکی سیکٹر'' میں کمپنی کمانڈر تھے اور انھیں بھارتی فوج کی پیش قدمی روکنا تھی چونکہ وہ ان دنوں چھٹی پر تھے اس لیے عارضی طور پر کمپنی کی کمان لیفٹیننٹ عبدالرحمٰن کو سونپی گئی۔

6 ستمبر پیر کی صبح جیپ میں سوار پاک فوج کا حوالدار، میجر صاحب کے پاس آیا اور انھیں تمام صورتحال سے آگاہ کیا تو میجر عزیز بھٹی نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر محاذ پر جانیکی تیاری شروع کر دی گھر والوں سے رخصت ہو کر تقریباً ساڑھے سات بجے جب محاذ پر پہنچے تو ساتھی جوان اپنے ہر دلعزیز میجر عزیز کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ابھی وہ محاذ کا جائزہ لینے میں مصروف تھے کہ انھیں یہ اطلاع ملی کہ دشمن فوجیں ''ہڈیارہ'' کی طرف سے پیش قدمی کر رہی ہیں اور صرف چھ ہزار گز کے فاصلے پر ہیں۔

میجر عزیز بھٹی نے فوری طور پر دوربین کے ذریعے پوزیشن کا اندازہ لگا کر ٹھیک نشانے پر فائر کروائے تو سوائے چند فوجیوں کے پوری بھارتی کمپنی کا صفایا ہو گیا اس جانی نقصان پر ہندوستانی فضائیہ حرکت میں آگئی اور بھارتی طیاروں نے آسمان سے گولے برسانا شروع کر دیے اس فضائی بمباری کے دوران ایک بم میجر بھٹی کی مشاہداتی چوکی پر گرا جس سے چوکی کا ایک حصہ تباہ ہو گیا لیکن تمام سپاہی بفضل خدا محفوظ رہے۔

میجر عزیز نے اپنے جانباز ساتھیوں کی کامیاب کمانڈ کرتے ہوئے پہلا ہی بھارتی حملہ بہت بری طرح ناکام کر دیا حملہ آور دشمن کا پہلا دن اس پر بہت بھاری گزرا اور اب وہ اپنے سینکڑوں مردہ سپاہیوں کی نعشیں اُٹھا رہا تھا۔

پہلے روز کی پسپائی کے بعد بھارت اگلے حملے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا رات بھر اسکے یہاں گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی اس نے اسلحہ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تھا مگر حملہ آور فوج کو یہ معلوم نہ تھا کہ میجر عزیز بھٹی کی شوق شہادت سے لبریز اور نیند سے ناراض آنکھیں رات بھر مسلسل ان کا پہرہ دے رہی تھیں اور وہ بھارتی اسلحہ کی پوزیشن کا بخوبی اندازہ کر چکے تھے۔

7 ستمبر کی صبح ہوتے ہی میجر عزیز بھٹی نے وقت ضائع کیے بغیر توپ خانے کو صحیح ٹارگٹ بتا کر فائر کا حکم دیا جوانوں نے ٹھیک نشانے پر گولے برسائے جس سے دشمن کا نہ صرف اسلحہ ڈپو تباہ ہو گیا بلکہ بہت سے بھارتی فوجی بھی مارے گئے۔ راہِ حق کے سپاہیوں کی اس کامیاب کارروائی پر بھارت اپنی فضائیہ کو جس پر اُسے بہت مان تھا ایک بار پھر حرکت میں لے آیا لیکن پاکستانی ایئر فورس کے شاہینوں نے ان کا یہ غرور بھی خاک میں ملا دیا حملے کیلئے آنیوالے تمام بھارتی طیارے پاک فضائیہ نے مار گرائے اسطرح دوسرے دن بھی افواج پاکستان کے جانبازوں نے مادرِ وطن کا کامیاب دفاع کیا۔

دو دن کی مسلسل ناکامی اور شدید جانی و مالی نقصانات کے بعد بھارتی افواج کی کمانڈ نے 8 ستمبر کو مجبوراً محاذ کا رُخ تبدیل کر دیا اب وہ چھنک وِنڈی کی طرف سے حملہ آور ہوا لیکن یہاں بھی میجر عزیز بھٹی مضبوط چٹان بن کر سامنے کھڑے تھے اس حملے میں بھی دشمن کو ایک بار پھر پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ میجر عزیز بھٹی کی بہترین اور دانشمندانہ جنگی حکمت عملی تھی کہ دشمن یہ ماننے پر مجبور ہو گیا کہ برکی محاذ پر انکے مقابلے میں پاکستان کی کم از کم ایک ڈویژن فوج اور بے شمار اسلحہ و گولہ بارود موجود ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ انکی کمانڈ میں صرف 150 جانثار جوان اور توپ خانے کی ایک ہی یونٹ تھی جسکی کمان وہ اکیلے ہی کر رہے تھے۔

میجر عزیز بھٹی کی مشاہداتی چوکی دشمن کیلئے مسلسل ناکامی کا باعث بنی ہوئی تھی چنانچہ 9 ستمبر کو اُجالا ہوتے ہی بھارتی طیاروں نے چوکی پر اندھا دھند گولے برسائے لیکن

پاکستانی شاہینوں کے خوف کی وجہ سے ان کا ایک بھی نشانہ ہدف پر نہ لگا فضائی حملہ ناکام ہوا تو بھارتی ٹینکوں نے بھی خوب آگ برسائی مگروہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اچانک دو بھارتی ٹینک چوکی کی طرف بڑھنے لگے لیکن دشمن کو یہ معلوم نہ تھا کہ میجر بھٹی کی عقابی نظریں ان دونوں ٹینکوں کے آگے آنے کا انتظار کر رہی تھیں جیسے ہی یہ ٹینک مزید آگے آئے تو انہوں نے ٹھیک نشانے پر فائر کروایا جس سے یہ دونوں ٹینک بھی آگ کے شعلوں میں تبدیل ہوگئے اب میجر عزیز بھٹی نے اسلحہ ڈپو کو ٹارگٹ بنایا اور دشمن کا ذخیرہ کیا ہوا تمام اسلحہ ایک بار پھر تباہ کر دیا۔

جانکیہ کے چیلوں پر مشتمل بھارتی فوج نے 9 ستمبر کی پسپائی کے بعد 10 ستمبر کو ایک بار پھر محاذ کا رُخ بدل لیا اب اس نے برکہ کلاں کی جھاڑیوں اور آس پاس کے علاقوں میں بے شمار اسلحہ جمع کر لیا تھا مگر میجر بھٹی بھی دشمن کی ہر چال اور حرکت پر مسلسل نظر رکھے ہوئے تھے یہاں بھی انہوں نے ٹھیک ٹارگٹ پر گولے برسائے اور جمع کیا گیا اسلحہ تباہ کر دیا لیکن اب وہ برکہ کلاں چھوڑ کر برکہ خورد کی جانب سے حملہ آور ہوا، ٹینکوں کا ایک منظّم دستہ اور توپ خانہ بھی دشمن کے ساتھ تھا اس صورتحال میں میجر عزیز بھٹی نے جوانوں کو مورچوں سے نکل کر نہر کے کنارے پوزیشن سنبھالنے کو کہا جوان اپنے کمانڈر کی ہدایت کے مطابق بچتے بچاتے نہر کنارے پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور مورچے سنبھالنے لگے میجر بھٹی ابھی مورچہ بندی میں مصروف تھے کہ دشمن نے اپنی بریگیڈ اور ٹینک بٹالین کی مدد سے حملہ کر دیا مادرِ وطن کے سپوت اس حملے کے سامنے بھی سینہ سپر ہوگئے راہِ حق کی جنگ لڑنے والے سپاہیوں کے ہاتھوں بہت سے بھارتی ٹینکس تباہ ہوئے اور ٹینک کمانڈر بھی مارا گیا مگر اسکے باوجود فرزندانِ پاکستان چاروں طرف سے محاصرہ میں تھے کیونکہ دشمن تعداد میں بہت زیادہ تھا۔

ایک مسلح دستے نے میجر عزیز بھٹی کو گھیر کر ہینڈز اپ کرا دیا دوسری طرف سکھ حوالدار نے اپنی اسٹین گن کی نالی ایک ساتھی جوان کے شانے پر رکھ دی بظاہر موت یقینی تھی

مگر میجر بھٹی کیلیئے کاتب تقدیر نے وطن عزیز کا کامیاب دفاع لکھ دیا تھا انھوں نے انتہائی سمجھداری سے پینترا بدل کر گولیوں کی بوچھاڑ کردی جس سے درجنوں بھارتی فوجی موقع پر ہی ڈھیر ہوگئے اب خطرہ کسی قدر کم ہوا تو میجر عزیز بھٹی اپنے جوانوں کو ساتھ لے کر نہر کنارے باقی ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔

جنگ زوروں پر تھی تازہ کمک ملنے کی وجہ سے دشمن کی طاقت میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا تھا اور اب وہ بڑھتے بڑھتے نہر کنارے پہنچ گئے تھے جبکہ دوسری طرف میجر عزیز بھٹی کی پلاٹون کے پاس اسلحہ تقریباً ختم ہونے کے قریب تھا چنانچہ پہلے توانہوں نے اپنی توپ کو گرنیڈ کے ذریعے ناکارہ کردیا تا کہ دشمن کے کام نہ آسکے اور پھر ساتھیوں کو نہر پار کرائی۔

کمپنی کا ایک جوان مسکین علی نہر پار نہ کرسکا اور وہ دوسرے کنارے پر ہی رہ گیا میجر عزیز بھٹی کو اپنے اس ساتھی کے بچھڑنے کا بہت دکھ ہوا، انھوں نے ساتھیوں سے سپاہی مسکین علی کو لانیکی خواہش کا اظہار کیا تو دو بہترین تیراک بہادر علی اور غلام سرور نے اس خدمت کیلیئے خود کو پیش کیا لیکن صورتحال انتہائی خطرناک دیکھتے ہوئے میجر عزیز نے اپنے ان دو جوانوں کو مشکل میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ دشمن بالکل سامنے پوزیشن لئے ہوئے تھا لیکن اسکے باوجود میجر بھٹی نے سپاہی مسکین علی کو واپس لانیکی ہر ممکن کوشش کردی کہ شاید کوئی صورت بن جائے مگر نہر کنارے شدید گولہ باری جاری تھی جس سے جہلم کا جوان نذر محمد شہید ہوگیا۔

اب میجر عزیز بھٹی جان کی پرواہ کیے بغیر نہر کے اوپر کھڑے ہوکر دشمن کی پوزیشن کا جائزہ لینے لگے جب صوبیدار غلام محمد نے خطرہ محسوس کیا تو قریب آکر کہنے لگا صاحب جی پڑی کے اوپر خطرہ ہے آپ نیچے آجائیں تو میجر صاحب نے کہا!

”صوبیدار صاحب! بالکل یہاں خطرہ تو ہے لیکن صحیح

پوزیشن معلوم کرنے کیلئے اسکے علاوہ کوئی اور اونچی جگہ
نہیں ہے صوبیدار صاحب اس وقت وطن عزیز کا دفاع
وتحفظ سب سے اہم ہے اگر میری جان اس راہ میں کام
آئے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے''۔

اب تک میجر عزیز بھٹی نے تقریباً پانچ دن سے زیادہ کا وقت بغیر آرام کیے ہی قلیل سپاہ کے ساتھ بہت بڑی فوج کا مقابلہ کیا تھا عام حالات میں یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ انسان مسلسل رات دن جاگ کر میدان جنگ میں کامیابی کے جوہر دکھائے لیکن پاکستان ایک ایسا عشق اور جنون ہے جس کیلئے اپنا آپ قربان کرنیوالے افواج پاکستان کے جوان ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتے ہیں۔

فیلڈ ہیڈکوارٹر سے پیغام

کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل محمد ابراہیم قریشی کی طرف سے میجر عزیز بھٹی کیلئے پیغام آیا کہ وہ ایک ضروری میٹنگ کیلئے فیلڈ ہیڈکوارٹر پہنچ جائیں پیغام ملتے ہی انہوں نے نائب صوبیدار شیر دل کو بلا کر کہا

میں ہیڈکوارٹر جا رہا ہوں اب آپکو میرے
بعد سارا کام خود ہی کرنا ہوگا میرے واپس آنے تک
دشمن پر کڑی نظر رکھیں اور ضرورت کے مطابق فائر
کرواتے رہیں۔

سی او کرنل قریشی، میجر محمد اصغر، کیپٹن منیر الدین اور کیپٹن دلشاد فیلڈ ہیڈکوارٹر میں

بیٹھے ہوئے تھے کہ میجر عزیز بھٹی کی تیز رفتار جیپ آ کر رُکی تقریباً چھ دن انتہائی نازک اور اہم ترین محاذ پر تاریخی کردار ادا کرنیوالا یہ شیر دل جوان پوری مستعدی کے ساتھ جیپ سے اُترا اور تیز رفتار قدم اٹھاتا ہوا ساتھی افسران کی جانب بڑھا تو سب نے کھڑے ہو کر مادرِ وطن کے اس جانباز سپوت کو گلے لگایا اور عظیم الشان کارنامے پر انھیں مبارکباد دی۔

میجر عزیز بھٹی کی حیرت انگیز مستعدی، چہرے کے تاثرات اور مسلسل جاگتی ہوئی سرخ آنکھیں انکی بے تاب سرگرمیوں، فرائض کی انجام دہی، وطن عزیز سے محبت، بہادری و شجاعت اور عسکری تاریخ میں انکے لاجواب کارناموں کی داستانیں سنا رہی تھیں وہ اس میٹنگ سے جلد فارغ ہو کر واپس محاذ پر جانے کیلئے بے قرار تھے۔

کمانڈنگ آفیسر کا خراج تحسین

سی او کرنل قریشی نے کہا بھٹی صاحب! تاریخی جنگ لڑنے پر میں آپکو مبارک باد دیتا ہوں جوانوں کی انتہائی کم نفری ہونے کے باوجود آپ نے لاہور کو دشمن کے ناپاک قدموں سے بچالیا ہے مگر مسلسل جاگ کر یہ آپ اپنے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں آپ کو اب آرام کی اشد ضرورت ہے میں نے آپ کو پہلے بھی واپس بلایا تھا مگر آپ ٹال گئے تھے مجھے ڈر تھا کہ آج بھی ٹال نہ جائیں اسی لیے بہانے سے بلایا ہے میں آپکی جگہ دوسرا آفیسر بھیج رہا ہوں آپ آرام کر لیں آپکو اب پچھلے مورچوں میں بھیج دیتے ہیں۔

جذبہ حب الوطنی

میجر عزیز بھٹی نے اپنے سی او (کمانڈنگ آفیسر) سے کہا! سر

’’جس احساس اور جذبے کے تحت آپ نے مجھے واپس بلایا ہے میں اس کیلئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تہہ دل سے اسکی قدر بھی کرتا ہوں لیکن یقین جانیں میرے لیے آرام و راحت محاذ پر ہے حقیقت میں تکلیف و آرام صرف جسمانی نہیں ہوتے بلکہ ان کا تعلق انسان کے احساسات سے بھی ہوتا ہے اگر مجھے محاذ سے واپس بلا لیا جائے تو میرے لیے یہ ایک روحانی عذاب ہوگا۔

بلاشبہ ان دنوں میں نے جسمانی آرام کا خیال نہیں کیا لیکن آپ یقین کریں کہ مجھے اس کا بہت زیادہ صلہ ملا ہے جذباتی طور پر یہ لمحات میرے لیے انتہائی روحانی مسرت اور اطمینان کا باعث ہوئے ہیں مجھے فخر ہے کہ میرے جوانوں نے اپنے عزم سے دشمن کی یلغار کو روک دیا ہے مگر پاکستان کے پاس اتنی فوج نہیں کہ ہر محاذ پر تازہ دم دستے بھیج کر سب سپاہیوں کو آرام دلا سکیں ان حالات میں میرے لیے یہ امر ناقابل تصور ہوگا کہ میں اپنے ساتھیوں کو محاذ پر چھوڑ کر یہاں آرام کرنے بیٹھ جاؤں۔

محترم قریشی صاحب!

یہ صرف لاہور کے تحفظ کا سوال نہیں بلکہ پاکستان
اور اسلام کے تحفظ کا سوال ہے ملک وملت پر موجودہ
نازک وقت ہم سے عظیم قربانیوں کا تقاضہ کرتا ہے
واللہ! میں اس راہ پر اپنی جان کی قربانی بھی حقیر سمجھتا
ہوں، خدا کیلئے آپ میرے لیے تشویش نہ کریں
میرے اعصاب اللہ کے فضل سے بڑے مضبوط ہیں
مجھے کوئی تھکن محسوس نہیں ہوتی میں آرام نہیں کرنا چاہتا
اور نہ ہی پچھلے مورچوں میں جاؤں گا بلکہ وطن عزیز کی
حفاظت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرنا پسند کروں
گا''۔

میجر عزیز بھٹی کے دلائل، جوش جہاد اور حب الوطنی کو دیکھتے ہوئے سی او (کمانڈنگ آفیسر) کرنل قریشی نے یہ محسوس کرلیا کہ بلاشبہ میجر بھٹی کو محاذ سے واپس بلانا ظلم ہوگا البتہ انہوں نے اپنی طرف سے یہ بھرپور کوشش کی کہ وہ چند گھنٹے ہی آرام کرلیں لیکن میجر صاحب ایک گھنٹے بعد کرنل قریشی اور دوسرے ساتھی افسران سے رخصت ہوکر محاذ پر آ گئے۔

گھر والوں کو خط

میجر صاحب نے محاذ جنگ سے خط میں اپنی بہادر اہلیہ زرینہ بھٹی کیلئے لکھا کہ

''تم میرے لیے فکر مند نہ ہونا میں میدان جنگ کا
عادی ہو چکا ہوں مجھے یہ یقین ہے کہ فتح و نصرت

ہمارے قدم چومے گی اپنے ملک کیلئے جو کم سے کم تحفہ
پیش کر سکتا ہوں وہ میری جان ہے اور اس کیلئے میں ہر
وقت تیار ہوں''۔

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

میجر عزیز بھٹی پٹرولنگ اور کڑی نگرانی میں مصروف آدھی رات کو پٹڑی پر سے گزر رہے تھے کہ ایمبولینس کی آواز سُن کر وہ گاڑی کے قریب چلے گئے اور ڈرائیور انور سے پوچھا کہ گاڑی کیوں اسٹارٹ کر رکھی ہے ڈرائیور نے کہا صاحب! گاڑی کا سلف خراب ہے اگر کوئی ایمرجنسی ہوگئی تو مشکل ہوگی اسٹارٹ کرنے کیلئے اسے دھکیلنا پڑے گا تو میجر صاحب کہنے لگے!

''یار اللہ کا آسرا چاہیے اگر کوئی ایمرجنسی ہوئی تو اسے
دھکیلنے والے بہت ہیں آپ گاڑی بند کر دیں اور
اطمینان رکھیں''۔

گاڑی بند کر کے انور نے پوچھا صاحب اگر اجازت دیں تو صبح اسے ٹھیک کروانے ورکشاپ لے جاؤں تو میجر صاحب نے کہا کہ

''ہاں ضرور لے جائیں البتہ صبح 10 بجے تک کا انتظار کر
لیں کیا پتہ کوئی ایمرجنسی ہو جائے اور اسکی ضرورت
پڑ جائے''۔

ڈرائیور انور سوچتا رہا سے اس بات پر حیرت تھی کہ میجر صاحب نے خاص طور پر دس بجے تک ہی انتظار کا کیوں کہا ہے۔ میجر عزیز بھٹی نے پھر پٹڑی پر چڑھ کر دشمن کا جائزہ لیا کوئی نقل وحرکت نہ تھی تو نیچے اُتر کر ڈرائیور سے کہا یار گاڑی میں سے اسٹریچر تو نکالو، انور نے اسٹریچر نکالا تو وہ اس پر لیٹ گئے ڈرائیور کی حیرت کو دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولے

''یہ تو بہت آرام دہ ہے اس پر تو خوب نیند آتی ہے''۔

(اسی اسٹریچر اور ایمبولینس میں میجر راجہ عزیز بھٹی کو شہادت کے بعد لے جایا گیا تھا)۔

شہادت سے تقریباً پانچ گھنٹے قبل سپاہی امان خان سے پانی منگوا کر وضو کیا اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئے عبادت سے فارغ ہو کر گرم پانی سے منہ اور سر دھویا کئی دنوں بعد کنگھی کا استعمال کیا اور اپنے بال سنوارے، اتنے میں صوبیدار غلام محمد آ گئے جو دشت شناسی کا علم رکھتے تھے چائے پیتے ہوئے میجر صاحب نے اچانک غلام محمد کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہنے لگے!

آپکو پامسٹری میں بڑی دسترس ہے یار ذرا میرا ہاتھ دیکھ کر یہ تو بتاؤ کہ میری قسمت میں شہادت ہے یا نہیں؟

صوبیدار نے دونوں ہاتھوں کی لکیروں کا بغور مشاہدہ کرنے کے بعد کہا جناب! آپکی قسمت میں شہادت تو ہے مگر میں وقت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا کہ عمر کے کس حصے میں نصیب ہوگی تو وہ مسکراتے ہوئے بولے

''صوبیدار صاحب میں آپ کو بتاتا ہوں میری
شہادت بہت ہی قریب ہے''۔

پھر میجر عزیز بھٹی نے اپنے اردلی سید حسنات احمد سے نئی وردی لانے کو کہا اس جوان نے وردی لا کر دی اور کہنے لگا میجر صاحب! آ پکی اپنی وردی مل نہیں رہی تھی اس لیے دوسرے آفیسر نے یہ وردی بھیجی ہے تو میجر بھٹی نے مختصر جملہ یہ کہا کہ

''یار وردی اور کفن اپنا ہی اچھا ہوتا ہے''۔

یہ انکی زندگی کی آخری صبح تھی شاید قدرت نے بھی انھیں یہ احساس دلا دیا تھا کہ آنیوالا وقت دعاؤں کی تکمیل یعنی شہادت کا ہے۔

منزلِ شہادت

12 ستمبر کی صبح طلوع ہو چکی تھی میجر عزیز بھٹی پٹڑی پر سے پوزیشن کا جائزہ لے رہے تھے کہ انکی نظر کھجور کے درختوں کی اوٹ میں چھپی دشمن کی ایک پلاٹون پر گئی جو نہر کی جانب سے پیش قدمی کر رہی تھی انھوں نے صحیح پوزیشن پر فائر کروایا کچھ تو بھارتی فوجی مارے گئے جو باقی بچے وہ بھاگنے لگے جوانوں نے میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں پر بھی فائر کیا تو وہ بھی وہیں ڈھیر ہو گئے وہ دوبارہ نہر کی پٹڑی کے اوپر آ کر دوربین سے جائزہ لینے لگے ایک گولہ میجر عزیز بھٹی کے بالکل قریب آ کر پھٹا لیکن وہ محفوظ رہے، اب گولے انکے قریب پھٹ رہے تھے مگر انھیں اپنی زندگی سے زیادہ مادرِ وطن کا دفاع عزیز تھا حوالدار فیض علی نے جب یہ دیکھا کہ میجر صاحب نشانے پر ہیں تو نیچے آ جانے کیلئے کہا میجر بھٹی نے جواب دیا کہ

''اگر میں نیچے آ جاؤں گا تو ٹھیک پوزیشن واضح نہیں ہو سکتی اس وقت صرف اور صرف دشمن کی پیش قدمی روکنا اہم ہے''۔

وہ پٹڑی کے اوپر کھڑے اپنے عظیم مقصد میں مصروف تھے کہ انھیں کچھ دیر بعد برکی سے پل کی طرف بڑھتے ہوئے ٹینک نظر آئے جسکے پیچھے انفینٹری (پیدل فوج) بھی تھی میجر عزیز بھٹی نے ڈگری لے کر فائر کروایا مگر گولے ہدف پر نہ لگے دوبارہ میسج پاس کیا تو اس بار گولے ٹھیک ٹارگٹ پر پڑے اور دشمن کے دو ٹینک راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔

توپ خانے کا انچارج کیپٹن انور فائر کروار ہا تھا انھوں نے خوش ہو کر کہا ویل ڈن انور، یہ الفاظ زبان پر تھے کہ سامنے سے ایک گولہ شیشم کے درخت کو کاٹتا ہوا بالکل قریب اینٹوں کے ڈھیر پر گرا، گرد و غبار بہت زیادہ اُٹھا تو جوان سمجھے کہ شاید میجر صاحب زخمی ہو گئے ہیں ساتھی بھاگتے ہوئے اپنے کمانڈر کے پاس آئے لیکن انھیں خراش تک نہیں آئی تھی۔

میجر عزیز بھٹی نے ساتھیوں کو اپنی سلامتی کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ

''یہ گولہ میرے لیے نہیں تھا آپ لوگ فوراً اپنی اپنی

پوزیشن میں جائیں''۔

مادرِ وطن کا یہ عظیم سپوت اپنی پاک سرزمین کا کامیاب دفاع کر کے اپنا فرض پورا کر چکا تھا اور پھر وہ وقت بھی قریب آ گیا تھا کہ جس کا ذکر میجر عزیز بھٹی نے ایمبولینس کے ڈرائیور انور سے کیا تھا۔

والدہ بی بی آمنہ کا لاڈلا، زرینہ بھٹی کا سہاگ اور اللہ کا یہ پیارا صبح ساڑھے نو بجے کے قریب پٹڑی پر کھڑا اپنے عظیم مقصد میں مصروف تھا کہ ایک گولہ سینہ چیرتے ہوئے دائیں پھیپھڑے سے پار ہو گیا۔

حوالدار فیض علی اور سپاہی امان اللہ فوراً بھاگتے ہوئے آئے مگر فرض شناسی وشجاعت کا پیکر، قربانی وایثار کا مجسمہ اور عسکری تاریخ کا عظیم ہیرو ہمیشہ کی زندگی پا گیا تھا۔

تاثرات،خراج تحسین وعقیدت

گھنگھریالے بالوں اور معصوم صورت
والے شہید میجر راجہ عزیز بھٹی مادرِ وطن کے وہ قابل فخر
سپوت ہیں جن پر انکی کمپنی اور افوج پاکستان کو ہی نہیں
بلکہ پوری قوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ دشمن کے سامنے
لاہور پر قبضے کی راہ میں صرف ایک ہی دیوار تھی اور وہ
دیوار میجر بھٹی تھے۔

بھارتی کمانڈر انچیف جنرل چوہدری نے
بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ
''ہمارے بڑھتے ہوئے قدم بی آر بی نہر نے روک
لیے تھے''۔

بی آر بی نہر وہ آخری دفاعی لائن تھی جسکے
بعد لاہور شہر پر بھارتی قبضے کو روکنا تقریباً ناممکن تھا اگر
برکی سیکٹر پر دشمن فوجیں شہید راجہ عزیز بھٹی کے حوصلوں
کو شکست دے دیتیں تو وطن عزیز کا دفاع کرنا بہت
مشکل ہو جاتا اور بھارتی فوج نہر کا پل عبور کر کے
باآسانی لاہور میں داخل ہو سکتی تھی مگر میجر عزیز بھٹی
نے اپنے تدبر، عسکری حکمت عملی، جذبہ حب الوطنی،
بے خوفی اور دلیری سے دشمن کی یلغار کو روک لیا تھا

شہید کمانڈر نے صرف 150 جانثاروں کے ساتھ اتنی
بڑی فوج کا مقابلہ کیا اور اس اہم ترین محاذ پر انکی
قیادت میں بفضل خدا صرف گیارہ جوان شہید ہوئے
شہید کا یہ مثالی جذبہ ایثار، عظیم قربانی اور شجاعت کا بلند
پایہ کارنامہ ہمیشہ افواج پاکستان کے جوانوں کو جوش و
ولولہ اور جذبہ استقامت عطا کرتا رہے گا۔

بی بی آمنہ بھٹی (بے جی)

روتی نہیں کبھی شہیدوں سے لپٹ کر
یہ حوصلہ میرے وطن کی ماؤں کا ہے

گھر والوں کو نماز مغرب کے بعد شہادت کی خبر ملی رات تقریباً 10 بجے کے قریب شہید کی میت کو آبائی گاؤں لادیاں لایا گیا جہاں ہر آنکھ اشکبار تھی، عزیز رشتے داروں اور خواتین نے رونا شروع کیا تو والدہ بی بی آمنہ (جنہیں شہید پیار سے بے جی کہا کرتے تھے) نے سب کو رونے سے منع فرما کر دعا کیلئے کہا اور بڑے صبر سے اپنے لختِ جگر کی نعش کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ

''اللہ نے میرے بیٹے کو شہادت عطا کی
ہے راجہ شہید ہو گیا ہے اور شہیدوں پر رویا نہیں کرتے
میرا بیٹا زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا ہر مسلمان کی
یہی آرزو ہوتی ہے کہ وہ کسی نیک اور اچھے مقصد کیلئے
اپنی جان دے میں خوش ہوں کہ میرے بیٹے نے اپنا

فرض ادا کرتے ہوئے حق کی خاطر جان دی اور
ہمارے خاندان نے اس خبر کو سچے جذبے کے ساتھ سنا
ہے"۔

اگلے روز والدہ کی خواہش کے مطابق شہید کو مکان کے باغیچے میں سپردِ خاک کیا گیا۔

ماسٹر محمد عبداللہ بھٹی

شہید میجر راجہ عزیز بھٹی کے والد نے 1950ء میں اپنے بیٹے کو ملنے والے میڈل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ

"آپ جانتے ہیں اس پر کیا لفظ لکھے تھے؟ اس پر
لکھا تھا کہ ہمیشہ کی زندگی جدوجہد سے حاصل ہوتی
ہے، میرا بیٹا حق کی راہ میں شہید ہوا ہے میں نے قوم کو
ایک بہادر بیٹا دیا وہ وطن کی امانت تھا اور وطن کے کام
آ گیا"۔

زرینہ عزیز بھٹی

شہید کی بیوہ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ
"مجھے اپنے جانباز شوہر پر ناز ہے میجر صاحب نے
ایک عظیم مقصد کیلئے اپنی جان کی قربانی دی اور شہادت کا
اعلیٰ مرتبہ پایا"۔

شریک حیات زرینہ بھٹی نے 23مارچ 1968 کو ہفتہ کے دن صدر ایوب خان سے اپنے شہید شوہر کا اعزاز ''نشانِ حیدر'' وصول کیا اس موقع پر ریڈیو پاکستان سے ایک انٹرویو میں انھوں نے اپنے احساسات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ

''آج یوم پاکستان وہ دن ہے جب ہم نے اپنے ملک کی بنیاد قائم کرنیکا فیصلہ کیا تھا میجر صاحب نے جس بہادری وایثار کا ثبوت دیا وہ میرے لیے اور پوری قوم کیلئے باعث فخر ہے،حکومت اور قوم نے میرے شوہر کو نشانِ حیدر کا اعزاز دے کر اپنی جس محبت کا اظہار کیا ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتی ہوں اللہ ہمارے پاکستان کو مضبوط بنائے اور ہر بلا سے بچائے''۔(آمین)

محمد ایوب خان

صدر مملکت ایوب خان نے نشانِ حیدر کی تقریب میں شہید کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ

''کسی دوسرے ملک کے سپاہی ہمارے سپاہیوں کی صلاحیتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے پوری قوم کو ہمیشہ ان پر ناز رہے گا ہماری مسلح افواج نے شجاعت کے ایک نئے دور کی بنیاد ڈالی ہے انھوں نے اپنے خون سے ملک کی بنیادیں مضبوط کی ہیں اور اب یہ ملک انشاءاللہ قیامت

تک قائم ودائم رہے گا''۔

جنرل محمد موسیٰ خان

اُس وقت کے آرمی چیف جنرل موسیٰ نے شہید کو نذرانہ عقیدت ان الفاظ میں پیش کیا کہ

''شہید نے وطن کو دشمن کی دست اندازی سے محفوظ رکھنے کیلئے اپنی جان کا نذرانہ دے کر جس لاثانی بہادری وشجاعت کا مظاہرہ کیا ہے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا نہ کبھی ہم میجر بھٹی اوران بہادرافسران و جوانوں کی قربانیوں کو بھول سکتے ہیں جو اپنے وطن کی حفاظت کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ دے گئے پوری قوم ان بہادروں کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں شہیدوں کے درجات کی بلندی کیلئے دست بدعاہے''۔

دوست میجر یوسف علی

''عزیز بھٹی زندگی کے ہر دور میں ہمیشہ سب سے آگے رہا دوئم حیثیت اس کا مقدر نہ تھی اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل وکرم سے میجر عزیز بھٹی کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے جو ایک مسلمان کیلئے سب سے اعلیٰ مقام اور

نجاتِ آخروی کا ضامن ہے''۔

قطب

دیرینہ ساتھی اردلی لانس نائیک قطب کو میجر عزیز بھٹی سے بے انتہا محبت تھی کیونکہ وہ بہت چھوٹی عمر سے ہی نہ صرف شہید کا خدمت گزار رہا ہے بلکہ جنگ میں بھی انکے ساتھ ہی تھا اردلی قطب نے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ

''کئی روز تک میجر صاحب نے چائے کی پیالی تک نہ پی تھی لیکن انھیں یہ فکر لازماً رہتی کہ انکے جوانوں کو گرم گرم کھانے ضرور مل جائیں میں 9 برس کی عمر سے انکی خدمت میں ہوں اور انھوں نے ہی مجھے فوج میں بھرتی کروایا تھا وہ میرے صاحب، میرے محسن، میرے دوست اور میرے سب کچھ تھے''۔

جنگ ستمبر اور بین الاقوامی میڈیا

''چونڈہ کی لڑائی جو کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا میں ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ تھی ہندوستان کی پوری ایک ڈویژن فوج کا پانچواں حصہ مکمل تباہ کر دیا گیا ہے''

ڈیلی مرر لندن

جمعہ 10 ستمبر 1965ء

(چونڈہ سیالکوٹ کے قریب وہ مقام ہے جہاں بھارت چھ سو ٹینکوں اور تین ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر پاک فوج کی قلیل سپاہ نے صرف چند ٹینکس کیساتھ اس قصبے کو ہندوستانی ٹینکوں کا قبرستان بنا دیا۔

مادرِ وطن کے بہادر سپوتوں نے اس محاذ پر جس طرح دشمن کے غرور کو خاک میں ملایا اور اپنے پاک خون کا نذرانہ دے کر بہادری و شجاعت کی جو تاریخ لکھی اسکی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، ٹینکوں کی اس سب سے بڑی جنگ میں دشمن کے تین سو سے زائد ٹینک تباہ، چار ہزار سے زائد فوجی ہلاک اور سینکڑوں گرفتار ہوئے)

''ابتدا میں ہندوستانی ٹینکوں کو صرف رینجرز کے نیم فوجی سرحدی پاسبانوں کا مقابلہ کرنا پڑا جن کے پاس کوئی بڑا ہتھیار نہیں تھا جبکہ انھوں نے ہر طرح کے اسلحہ سے لیس 60 ہزار بھارتی حملہ آور فوج کو پانچ

گھنٹے روکے رکھا یہاں تک کہ پاکستانی فوج موقعے پر
پہنچ گئی اتنے میں پاک فضائیہ کے طیارے بھی آ گئے
انھوں نے ہندوستانی ٹینکوں کی صفوں میں تہلکہ مچادیا۔
لاہور کے محاذ پر ہندوستانیوں کی مکمل ناکامی ابھی
تک ایک معمہ بنی ہوئی ہے جس کا راز کوئی نہیں جانتا''

ڈگلس براؤن
سنڈے ٹیلی گراف
اتوار 12 ستمبر 1965ء

''میں 20 برس سے جرنلسٹ ہوں مگر میں نے آج
تک ان پاکستانی سپاہیوں سے زیادہ پُراعتماد اپنی فتح پر
یقین رکھنے والے اور کامیاب سپاہی کہیں نہیں دیکھے جو
اس وقت ملکی دفاع کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں''

رواۓ میلونی
امریکن براڈ کاسٹنگ کارپوریشن
بدھ 15 ستمبر 1965ء

''پاکستانی ہوابازوں نے بھارتی فضائیہ کو فضا سے مار
بھگایا ہے ایک ایسی قوم ہندوستان کی خوب اچھی طرح
پٹائی کر رہی ہے جسکی آبادی اس سے پانچ گنا کم اور

جسکی فوجیں اس سے تین گنا کم ہیں''

سنڈے ٹائمز لندن
اتوار 19 ستمبر 1965ء

''ایسی قوم کو کون شکست دے سکتا ہے جو موت سے آنکھ مچولی کھیلنا جانتی ہو۔
میں نے پاک فوج کے ایک افسر سے پوچھا کہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود آپ لوگ ہندوستانیوں پر کیسے چھا جاتے ہیں؟ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور مسکراتے ہوئے کہا کہ اگر جرأت، بہادری اور حب الوطنی خریدنے کی چیزیں ہوتیں تو ہندوستان نے امریکی امداد کے ساتھ انھیں بھی حاصل کر لیا ہوتا''

لوئس کرار
ٹائم میگزین
جمعرات 23 ستمبر 1965ء

''گزشتہ دنوں یہاں بھارتی فوج کی وہ درگت بنی ہے کہ انکی سٹی گم ہوگئی ہے انھیں راہِ فرار نہیں مل رہی۔
پاکستانی فوج سے دوبدو ہونا ہندوستانی فوج کو بہت ہی

مہنگا پڑا ہے اب وہ بوکھلائے ہوئے شہری آبادی پر
ہوائی حملے کر رہے ہیں''

نیوز ویک
پیر، 27 ستمبر 1965ء

چوتھا نشانِ حیدر

شہید

راشد منہاس

ہفتہ ۱۷ فروری سنہ ۱۹۵۱ء

تا

جمعہ ۲۰ اگست سنہ ۱۹۷۱ء

Pilot Officer
Rashid Minhas
Shaheed

راشد منہاس

ولدیت	:	عبدالمجید منہاس
تاریخ پیدائش	:	ہفتہ 17 فروری 1951ء
جائے ولادت	:	ڈرگ روڈ کالونی، ملیر کینٹ کراچی صوبہ سندھ
آرمی نمبر	:	5602
رینک	:	پائلٹ آفیسر
آرمڈ سروس	:	پی اے ایف (پاکستان ایئر فورس)
تاریخ شہادت	:	جمعہ 20 اگست 1971ء
بمقام	:	جنڈے (موجودہ شہید ڈیرہ) ٹھٹھہ، صوبہ سندھ
آخری آرام گاہ	:	فوجی قبرستان نزد گورا قبرستان، شاہراہ فیصل کراچی
عرصہ حیات (ظاہری)	:	20 سال 6 ماہ 3 دن

تین بہنوں کے بعد پیدا ہونے والا یہ بچہ نہ
صرف اپنے گھر بلکہ خاندان بھر کا لاڈلہ تھا پائلٹ آفیسر
بننے کے بعد اسکے سامنے روشن مستقبل اور من چاہی
زندگی تھی ابھی وہ صرف 20 سال کا ہی تھا۔ سنہرے
خواب دیکھنا، روشن مستقبل کی منصوبہ بندی، خوبصورت
و بہترین رنگ برنگے لباس، کھیل، نت نئی شرارتیں اور
والدین کے سامنے نت نئی فرمائشیں ہی اس عمر کا تقاضہ
ہوتی ہیں لیکن اسی عمر میں مادرِ وطن نے اپنے بیٹے سے
خراج طلب کرلیا۔

یہ نوجوان کم عمر ضرور تھا مگر آفرین ہو اُس
قابل فخر ماں پر کہ جس نے وطن عزیز کی حفاظت کیلئے
اپنے لختِ جگر کو پاک فضائیہ کا حصہ بنایا اور پھر مادرِ وطن
کے اس بیٹے نے اپنی قیمتی زندگی دے کر یہ ذمہ داری
اتنی خوبصورتی سے نبھائی کہ وہ پاک فضائیہ کی تاریخ

میں ایک سنہری باب کا اضافہ کر گیا۔

وہ چاہتا تو اپنی زندگی بچا سکتا تھا لیکن اسکے سامنے عزت مادرِ وطن سے بڑھ کر اپنی زندگی نہ تھی یہی وجہ ہے کہ اس نوجوان نے اپنے جسم کا ایک ایک حصہ ارض پاک کی عزت و آبرو اور وقار پر قربان کر دیا۔

حق و سچ اور وطن پر قربان ہوتے ہوئے شہادت حاصل کرنا ہر فوجی کی تمنا ہوتی ہے مگر یہ سعادت یہ انعام اور یہ ہمیشہ کی زندگی صرف اُنہی چند خوش نصیبوں کو عطا ہوتی ہیں جن کا انتخاب رب تعالیٰ کر لے۔ رشیدہ منہاس کا بیٹا رب کائنات کا انتخاب تھا یہی وجہ ہے کہ یورپی نظامِ تعلیم میں پڑھنے کے باوجود وہ بے راہ روی اور گمراہی کی طرف نہیں گیا اور ہمیشہ حق و سچ پر قائم رہا یہ سب اللہ کے انتخاب کے بغیر ممکن نہ تھا۔

یوں تو بے حساب انسان دنیا میں آئے اور چلے گئے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا مگر چند خوش نصیب اللہ کے پیارے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس فانی دنیا سے جانے کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں نوجوان پائلٹ آفیسر راشد منہاس بھی انہی چند خوش نصیبوں میں سے ایک ہے۔

خاندان

برصغیر پاک و ہند میں صدیوں سے راجپوت قوم دلیری اور شجاعت کے حوالے سے اپنا لوہا منواتی چلی آ رہی ہے قبول اسلام سے پہلے بھی عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھی جانیوالی یہ قوم اپنے وعدے کی پاسداری اور بہادری کی مثال سمجھی جاتی تھی پائلٹ آفیسر راشد منہاس کا تعلق بھی اسی راجپوت خاندان سے ہے اور اسے دلیری وجرأت اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی تھی۔

راہِ حق پر منہاس فیملی کی قربانیوں کا سلسلہ اُس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب یہ گھرانہ جموں وکشمیر میں ہندوؤں کی غالب اکثریت سے بے پرواہ ہوکر خدائے واحد کی واحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔قبول اسلام کے وقت چار گاؤں اس خاندان کی ملکیت تھے اور انکی جائیداد میں سینکڑوں ایکڑ زرعی اراضی بھی شامل تھی لیکن ایک اللہ پر ایمان لاتے ہی سابقہ ہم مذہب ہندوؤں نے اپنی بربریت اور وحشت کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔بت پرست ہندوؤں نے طرح طرح کے مظالم ڈھائے اور اس خاندان کی زندگی مشکل بنادی۔ جب جموں وکشمیر میں رہنا دشوار ہوگیا تو یہ خاندان اللہ اور رسول ﷺ کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر کے گورداس پور ہجرت کر گیا کیونکہ انہیں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی حقیقی اور سچی دولت عطا ہوگئی تھی، گورداس پور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد یہ خاندان سیالکوٹ میں ''قلعہ سوبھا سنگھ'' ہجرت کر آیا۔

والد......دادا اور دادی

راشد منہاس کے دادا'' عبداللہ منہاس''بہترین اخلاق کے مالک اور محنتی وایماندار شخصیت کے حامل تھے عبداللہ منہاس حصول رزق حلال کو اپنا نصب العین جانتے تھے چنانچہ انہوں نے گھر کی گزربسر اور بچوں کی کفالت کیلئے سیالکوٹ میں جلد سازی کا کام

شروع کیا چونکہ وہ ایک سچے اور دیانت دار انسان تھے اس لئے کاروبار نے جلد ترقی حاصل کر لی ۔ اپنے خالق اور اسکی مخلوق سے محبت رکھنے والے عبداللہ منہاس پابند شریعت تھے اسی لئے تہجد گزاری اور اسلامی احکامات کی پابندی ان کیلئے معروف ہے عبداللہ منہاس کی شخصیت کا تعارف شاید اس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک عاشق رسول ﷺ تھے۔

عبداللہ منہاس نے اعلیٰ اخلاق و کردار کیساتھ سچی اور بے داغ زندگی گزاری اللہ تعالیٰ نے بھی بہترین اوصاف کی حامل شخصیت کے انعام کے طور پر انہیں ایک ایسا شریک سفر عطا کیا جو نیک سیرت، سلیقہ شعار اور تعلیم یافتہ خاتون کی صورت تھا۔

راشد منہاس کی دادی حسین بی بی 40 برس تک درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ رہیں انکے یہاں 9 بیٹوں کی پیدائش ہوئی چونکہ یہ ایک علم دوست گھرانہ تھا چنانچہ انکے تمام بیٹے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوئے۔

راشد منہاس کے والد ''عبدالمجید منہاس'' کے مختصراً حالات زندگی کچھ یوں ہیں کہ انہوں نے دور طالب علمی میں پسرور سے میٹرک میں نمایاں پوزیشن حاصل کی اور پھر سیالکوٹ مرے کالج سے انٹر کا امتحان پاس کیا اسکے بعد وہ لاہور گئے اور یہاں اسلامیہ کالج میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔

غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل عبدالمجید منہاس تقسیم ہند سے قبل بری فوج میں گیریژن انجینئر کے عہدے پر فائز تھے، دوسری جنگ عظیم کے دوران ملٹری میں شعبہ انجینئرنگ سروس سے منسلک رہے انہیں بہترین کارکردگی اور کارناموں پر عراق میڈل، برما میڈل اور انڈیا میڈل سے بھی نوازا گیا وہ مشرق وسطیٰ کے علاوہ کئی ممالک میں بھی رہ چکے تھے۔

راشد منہاس کے والد کو محنت اور ذمہ داری کا جو درس گھر سے ملا وہ عملی زندگی میں اسے کبھی نہ بھولے چنانچہ عبدالمجید منہاس نے برسر روزگار ہوتے ہی اپنے چھوٹے بھائیوں کی تعلیمی و دیگر ضروریات زندگی کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

کراچی

کراچی کے علاقہ ملیر کینٹ کے قریب ڈرگ کالونی میں انجینئر عبدالمجید منہاس اپنی شریک حیات رشیدہ منہاس اور صاحبزادیوں فریدہ، رخسانہ اور فرزانہ کے ہمراہ رہائش پذیر تھے۔بہنیں بھائی کیلئے اور ماں باپ بیٹے کی حسرت لئے ہوئے تھے بارگاہِ الٰہی میں کی گئی دعائیں قبول ہوئیں اور پھر 17 فروری 1951ء کو ہفتے کی رات تقریباً 9 بج کر 40 منٹ پر پاک فضائیہ کے اسپتال میں ایک ایسے بچے کی ولادت ہوئی جس پر پاکستانی قوم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

قدرت نے پاک فضائیہ کے ہسپتال میں
پیدا ہونیوالے اس بچے کے کانوں میں اذان کیساتھ
ساتھ پہلی دفعہ جنگی لڑاکا طیارے کی آواز بھی پہنچائی
شاید یہ خدا کی طرف سے اشارہ تھا کہ یہ بچہ کسی ایسی ہی
بلند ہوتی ہوئی آواز پیدا کرنیوالے لڑاکا طیارے کا
پائلٹ ہوگا۔

عبدالمجید منہاس کے یہاں تین بیٹیوں کی
پیدائش کے بعد بیٹے (راشد منہاس) کی ولادت
چہرے پر خوشی اور رونق کا باعث تھی تو دوسری جانب
افواج پاکستان کے سب سے بڑے فوجی اعزاز ''نشانِ
حیدر'' کو ایک اور وارث پیدا ہونے پر مسرت تھی۔

انجینئر عبدالمجید منہاس کے یہاں راشد منہاس کے بعد بیٹی رعنا اور پھر اسکے بعد دو جڑواں بیٹے راحت اور انجم کی ولادت ہوئی اسطرح راشد منہاس کی چار بہنیں اور دو بھائی اسکی داستان شجاعت پر فخر کرنے کیلئے لواحقین کا حصہ بنے۔

ابتدائی تعلیم

راشد منہاس کی پہلی درس گاہ والدہ رشیدہ منہاس کی گود تھی جنھوں نے اپنے پائلٹ طبیعت بیٹے کو پاکستان کا ایک ناقابل فراموش پائلٹ بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا اسکے علاوہ راشد منہاس کی تربیت میں والد عبدالمجید منہاس، چچا عظیم اللہ منہاس، خالو ونگ کمانڈر رانا محمد سعید اور دو بہنوئی میجر جنرل نصیر احمد خان اور میجر جنرل وقار الحق کا بھی اہم کردار تھا۔

راشد منہاس کے والد کا تعلق چونکہ پاکستان نیوی سے تھا اور تبادلے فوجی زندگی کا معمول ہوتے ہیں اسی لئے منہاس فیملی بھی ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرتی رہی جب راشد منہاس پانچ برس کا ہوا تو والد کا تبادلہ کراچی سے لاہور ہو گیا یہاں راشد نے کوئین میری اور پھر جیسس اسکول کو بطور طالب علم اعزاز بخشا۔

لاہور کے بعد جب یہ فیملی راولپنڈی شفٹ ہوئی تو راشد منہاس کا داخلہ سینٹ میری اکیڈمی رائل آرٹلری بازار میں کر دیا گیا ایک بار پھر جب کراچی واپسی ہوئی تو ''سینٹ پیٹرکس کالج صدر'' میں داخلہ لے لیا یہی وہ کالج ہے جہاں سے راشد منہاس نے سینئر کیمبرج کا امتحان نمایاں پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔

شرم وحیا

شرم وحیا راشد منہاس کے چہرے سے جھلکتی تھی وہ بہت چھوٹی عمر ہی میں شرم وحیا اور غیرت وحمیت کا مجسمہ تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ

''آیا'' راشد منہاس کو نہلانے لے گئیں دوسرے
کپڑوں کے ساتھ جب ''آیا'' نیکر اُتارنے لگیں تو

راشد نے چلانا شروع کر دیا کہ میں نیکر نہیں اتاروں گا
حالانکہ اس وقت وہ بہت ہی کم عمر تھا مگر اسکے اندر فطری
حیا حد درجہ موجود تھی وہ اپنی آیا سے بازو چھڑا کر غسل
خانے میں گیا اور دروازہ بند کر کے نیکر اُتارے بغیر ہی
نہایا۔

عالی ظرف انسان

راشد منہاس کے دادا عبداللہ منہاس نے انسانیت کی خدمت کا جو درس اپنی اولاد کو دیا تھا راشد کے والد عبدالمجید منہاس نے اسے ہمیشہ یاد رکھا وہ ضرورت مندوں اور غرباء و مساکین کا بہت خیال رکھتے تھے انہوں نے مستحق افراد کا ماہانہ وظیفہ بھی لگا رکھا تھا۔

ایک دن بیوہ خاتون کا نوعمر بیٹا جب وظیفہ لینے گھر آیا تو دروازے پر اسکی ملاقات راشد سے ہوگئی راشد نے لڑکے کو عزت و احترام کیساتھ ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور اس سے باتیں کرتا رہا جب والدہ آئیں تو ان سے کہا کہ

’’امی جان یہ لڑکا اپنا حصہ لینے آیا ہے آپ جلدی سے
انہیں اپنا حصہ دے دیجیے‘‘۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے دوسروں کے جذبات و احساسات اور خودداری کی کتنی تعظیم کرتا تھا راشد نے خیرات، وظیفہ یا امداد نہیں کہا اور حصے کا لفظ محض اسلئے استعمال کیا کہ اس لڑکے کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔

کتاب دوست

کتاب راشد منہاس کی بہترین دوست تھی وہ پہلے جیب خرچ اور بعد ازاں تنخواہ سے بہت سی کتابیں خرید کر لایا کرتا تھا۔ راشد منہاس کو آپ بیتیاں، پاکستان کی اہم ترین شخصیات، اسلامی ہیروز اور جنگی واقعات و معلومات پر مبنی کتابیں بہت پسند تھیں۔

ٹیپو سلطان، نپولین، ماؤزے تنگ، چرچل اور لینن پر لکھی گئی کتب بھی اسکے پاس موجود تھی چونکہ اسے جہاز سے عشق تھا اسلئے چھوٹی سی لائبریری میں موجود بیشتر جلدوں پر جہازوں کی تصویریں چھپی ہوئی تھیں۔

شہید کی ڈائری سے چند خوبصورت باتیں

راشد منہاس نے 14 سال کی عمر میں ڈائری لکھنا شروع کر دی تھی اس عمر میں بھی سوچ کا انداز بالکل جداگانہ تھا۔

نوجوان راشد نے اپنی ڈائری کا آغاز بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اس قول سے کیا تھا جو پوری قوم کیلئے مشعل راہ ہے

Decipline, Fath, Unity

اتحاد تنظیم یقین محکم

ملک وقوم سے محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ

''انسان فانی ہے اور موت برحق ہے ہم ہمیشہ زندہ نہیں

رہ سکتے ہمیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے تو کیوں نہ ہم یہ

زندگی ملک وقوم کی خدمت اور اپنے وطن پر نثار کر دیں
یہ کام ہم بہت آسانی سے کر سکتے ہیں''۔

ایک صفحے پر راشد منہاس نے جنگ ستمبر کے دوران صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان کی تقریر کا یہ جملہ تحریر کیا تھا

Go meet the emeny

''آگے بڑھو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو''۔

راشد منہاس کی ڈائری میں علامہ اقبال کی شاعری اور اُنکی بعض نظموں کے انگریزی ترجمے بھی جگہ جگہ موجود ہیں وہ غلامی وشکست کو موت جبکہ فتح اور آزادی کو زندگی سمجھتا تھا۔

ڈائری میں لکھی گئی تحریریں اور جملے اسکی سوچ اور خیالات کے بھرپور ترجمان ہیں۔ وہ جب پائلٹ آفیسر بن کر پاکستان ایئر فورس کا حصہ بن گیا تو اسکی یہ شدید خواہش تھی کہ ملک وقوم کیلئے کوئی کارنامہ سرانجام دے۔

ٹیپو سلطان کا قول ہے کہ
''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے''

راشد منہاس نے اسی قول کے مطابق اپنی زندگی ترتیب دے رکھی تھی یہی وجہ ہے کہ جب معرکہ ہوا تو مادرِ وطن کے اس لعل نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وطن عزیز کے دشمن کو شکست دی۔

خودداری

راشد کی بہن رخسانہ منہاس ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ

''ایک مرتبہ کھیلتے ہوئے میرے اور راشد کے درمیان جھگڑا ہوگیا ہم 18 ماہ تک ایک دوسرے سے نہیں بولے اس میں کم عمر ہونے کے باوجود اتنی خودداری تھی کہ وہ پہلے بات چیت شروع کرنے کو تیار نہ تھا آخر یہ کوشش مجھے ہی کرنا پڑی ہوا یوں کہ میں کچھ عرصہ کیلئے لاہور گئی تو وہاں سے میں نے اسکی پسندیدہ ایک کتاب بھیجی اور یوں ہم میں صلح ہوگئی لیکن جب صلح ہوگئی تو ایسے لگتا تھا کہ جیسے ہم دونوں کبھی لڑے ہی نہیں''۔

بیٹے کا جنوں.....ماں کی دعا

بچپن میں بچے مختلف کھلونوں سے کھیلتے ہیں مگر راشد منہاس کو کھلونوں میں صرف جہاز ہی پسند تھا جب بھی وہ جہاز اُڑتے ہوئے دیکھتا تو خوشی سے تالیاں بجانے لگتا اسے بچپن ہی سے جہازوں کے ماڈل اور انکی مشینری سے خاص دلچسپی تھی اور جہاز ہی اس کا پسندیدہ موضوع تھا۔ بہنوں سے اور گھر آنیوالے رشتے داروں سے اکثر جہازوں کے متعلق ہی باتیں کیا کرتا اور اپنا پورا جیب خرچ بھی اسی شوق میں لگا دیتا۔

راشد منہاس کو اگر کسی کتاب، اخبار یا میگزین میں جہاز کی تصویر نظر آتی تو اسے احتیاط سے کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کر لیتا پھر ان تصویروں کو کمرے کی دیواروں یا میز پر بہت سلیقے سے سجا کر رکھا کرتا اس نے اپنے کمرے میں پاکستان آرمی اور پاک فضائیہ کے

بہادر جوانوں کی تصاویر لگا رکھی تھیں ایک تصویر میں ایئر فورس کا شاہین مرحوم ایم ایم عالم ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑے اپنے طیارے کے قریب کھڑا ہے اس تصویر کے نیچے راشد نے لکھا تھا کہ

''دشمن اس جوان سے بہت ڈرتا ہے کیونکہ اس نے
ستمبر 1965ء کی جنگ میں اسکی خوب پٹائی کی تھی''۔

پانچ برس کا راشد اپنے لان میں ایک درخت کیساتھ لگے جھولے میں جھول رہا تھا والدہ رشیدہ منہاس پاس ہی کھڑی تھی اچانک یہ بچہ جھولے پر پیٹ کے بل اُلٹا لیٹ گیا اور بازو پھیلا کر زور زور سے کہنے لگا دیکھیں امی جان!

''میں جہاز بن گیا ہوں''۔

کم سنی کے اس واقعہ سے راشد منہاس کی سوچ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اسکے ذہن، دل و دماغ اور روح میں صرف جہاز ہی جہاز بسے ہوئے تھے۔

ایک بار راشد منہاس شدید بیمار ہوگیا تو گھر والوں نے اسے سی ایم ایچ (کمانڈ ملٹری اسپتال) میں داخل کروا دیا اتفاق سے اسی اسپتال میں زیر علاج صدر مملکت کی عیادت کیلئے ایک دن ایئر چیف مارشل آرہے تھے بس پھر کیا تھا ننھا راشد مچل گیا کہ وہ ایئر فورس کے سربراہ کو ضرور دیکھے گا۔
گھر والوں نے اپنے بچے کی معصومانہ خواہش پوری کر دی جب وہ ایئر چیف مارشل کو دیکھ کر لوٹا تو پھولا نہیں سما رہا تھا اب راشد نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ
''ایک دن میں بھی ایئر چیف مارشل بنوں گا''۔

منہاس خاندان کے بیشتر افراد کا تعلق پاکستان آرمی، نیوی اور ایئرفورس سے تھا۔ راشد منہاس کے خالو ونگ کمانڈر رانا محمد سعید اور سب سے بڑی بہن فریدہ منہاس کے شوہر میجر جنرل نصیر احمد خاں کو ستمبر 1965ء کی جنگ میں بہادری و دلیری کا مظاہرہ کرنے پر ستارہ جرأت کے اعزاز سے نوازا گیا تھا جبکہ میجر جنرل نصیر احمد خاں کے بھائی بریگیڈیئر عبدالرحمٰن بھی ستارہ پاکستان حاصل کر چکے تھے اسکے علاوہ راشد منہاس کی بہن فرزانہ منہاس کے شوہر میجر جنرل وقار الحق خاں اور خالہ زاد بھائی کیپٹن سعید چغتائی کا تعلق بھی پاک فوج کے دلیر اور فرض شناس افسران میں ہوتا ہے یہ وہ قابل ذکر شخصیات ہیں جنکی وجہ سے راشد منہاس کا عسکری زندگی سے لگاؤ اور فوجی بننے کا شوق روز بروز بڑھتا رہا مگر وقت گزرنے کیساتھ ساتھ فوج میں جانے کا یہ شوق پائلٹ آفیسر بننے کی حتمی شکل اختیار کر گیا اب راشد اکثر کہا کرتا کہ

''میں پائلٹ آفیسر بنوں گا''۔

بہنوئی نصیر احمد خاں اور خالو رانا محمد سعید راشد منہاس سے نہ صرف بہت پیار کرتے بلکہ چھوٹا ہونے کے باوجود راشد کو اپنا دوست کہتے تھے یہ لوگ جب بھی فوجی وردی میں گھر آتے تو اپنی ٹوپی اُتار کر راشد منہاس کے سر پر رکھ دیتے اور حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہتے کہ

''راشد تم ایک دن ضرور پائلٹ بنو گے''۔

کم عمری کے واقعات اور مشاغل کو مدنظر رکھتے ہوئے راشد منہاس کا شخصی خاکہ کھینچا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ پائلٹ بننے اور جہاز اُڑانے کا شوق بچپن ہی سے اسکی شخصیت میں جنونی شکل اختیار کر چکا تھا وہ کھلی آنکھوں سے پاکستان ایئرفورس میں شمولیت کے خواب دیکھتا۔

اپنے بیٹے کے اس عشق وجنون کو دیکھتے ہوئے والدہ رشیدہ منہاس اکثر پروردگار سے دعا کرتی تھیں کہ

''راشد اپنے خوابوں کی تعبیر پالے اور پائلٹ آفیسر بن جائے''۔

ایئر فورس میں شمولیت

سینٹ پیٹرک کالج کراچی سے سینئر کیمرج کا امتحان دینے کے بعد اب راشد منہاس اپنی منزل کے بہت قریب یعنی'' آئی ایس ایس بی'' دینے جا رہا تھا دوسری طرف والد عبدالمجید منہاس کی خواہش تھی کہ بیٹا انجینئر بنے لیکن والدہ (رشیدہ منہاس) یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ پائلٹ آفیسر بننا راشد کا سب سے بڑا خواب ہے اگر ایسا نہ ہوا تو وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گا یہی وجہ تھی کہ والدہ نے آئی ایس ایس بی کا امتحان دینے اور بیٹے کی ایئر فورس میں شمولیت کیلئے راشد کے والد کو قائل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

رشیدہ منہاس کی بھرپور حمایت اور بیٹے کے شوق وجنون کے سامنے عبدالمجید منہاس نے ہتھیار ڈال کر مسکراہٹ سجالی اور یوں راشد والد کی اجازت سے آئی ایس ایس بی کا امتحان پاس کرنے کے بعد 1968ء میں 17 سال کی عمر میں تربیت کیلئے کوہاٹ چلا گیا راشد منہاس کی چھپی ہوئی بے مثال صلاحیتیں دوران ٹریننگ مزید نکھر کر سامنے آئیں۔

اسکی غیر معمولی ذہانت، کام سے لگن اور مسلسل آگے بڑھنے کے جذبے نے اساتذہ کو بہت متاثر کیا اور کچھ ہی عرصہ میں وہ پی ایف اکیڈمی کے اساتذہ کی آنکھ کا تارا بن گیا، اگلے مرحلہ میں اسے مزید تربیت کیلئے رسالپور بھیج دیا گیا جہاں اس نوجوان نے فلائیٹ کی تربیت، جوڈو اور سیلف ڈیفنس کے کورس کامیابی سے مکمل کیے۔

فروری 1971ء میں ایئر فورس اکیڈمی کا حصہ رہتے ہوئے پشاور یونیورسٹی سے بی ایس سی کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اسکے علاوہ الیکٹرونکس، علم موسمیات اور پرواز سے متعلق امتحانات بھی امتیازی نمبروں سے پاس کر لیے اور اب وہ پی اے ایف اکیڈمی کا پاس آؤٹ کیڈٹ تھا اسطرح راشد منہاس تمام مراحل کامیابی سے طے کرنے کے بعد جمعرات 15 اگست 1971ء کو 20 سال کی عمر میں پائلٹ آفیسر بن گیا۔

خواب مرتے نہیں

بچپن سے جو خواب دیکھا آج اُس خواب کی تعبیر کا دن تھا یعنی خواب حقیقت کا روپ دھارنے جا رہا تھا۔ آج راشد منہاس کی آنکھیں فرطِ مسرت سے روشن تھیں وہ جس دن کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا آج وہ دن آ گیا تھا زندگی میں جو مسلسل سوچا اور بے انتہا چاہا وہ آج اسے مل گیا تھا۔

ایئر فورس میں کمیشن ملا تو مٹھائی ہاتھ میں لئے سب سے پہلے خوش خبری سنانے والدہ (رشیدہ منہاس) کے پاس گیا وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا، کہنے لگا!

''امی جان پہلے میں کھلونے والے جہاز اُڑایا کرتا تھا
مگر اب انشاءاللہ آپکی دُعاؤں سے اصل جہاز اُڑانے
کے قابل ہو گیا ہوں، امی جان! آج میرا خواب پورا
ہو گیا ہے''۔

بیٹے کی کیفیت اور جذبات دیکھ کر ماں کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو آ گئے اس دن راشد منہاس نے اپنی والدہ اور سب گھر والوں کو اپنے ہاتھ سے مٹھائی کھلائی۔

گھر والوں سے محبت

راشد کی دنیا بہت ہی مختصر تھی جس میں جہاز اور گھر والے شامل تھے اسے دونوں سے بے انتہا محبت تھی وہ جب بھی اکیڈمی سے گھر آتا تو زیادہ وقت گھر والوں کے ساتھ گزارتا، آدھی رات تک بہن بھائیوں کو جگائے رکھتا اور ایئر فورس سے متعلق دوستوں

کیساتھ گزرے دلچسپ واقعات سنایا کرتا تھا گھر والے بھی راشد منہاس کی پیاری اور معصومانہ باتوں کوانتہائی دلچسپی سے سنا کرتے وہ اپنی بہنوں سے شرارتیں اور کبھی کبھار انہیں تنگ بھی کیا کرتا پھر بہت محبت سے پیش آتے ہوئے کہتا کہ

''ہم تو کچھ دنوں کے مہمان ہیں واپس چلے جائیں گے''۔

دوست

راشد منہاس کے قریبی دوستوں میں کلیم سعادت، نسیم اور طارق تھے۔کلیم سعادت بعد میں پاک فضائیہ کے ایئر چیف مارشل بھی بنے۔ یہ تینوں دوست راشد منہاس کے گھر آیا کرتے تھے۔

نسیم جب راشد کے گھر آتے تو چھوٹے بھائی انجم منہاس راشد منہاس کو بتاتے کہ بھائی آپ کا دوست نسیم سحر آیا ہے تو راشد انجم منہاس کو ڈانٹتے اور مسکراتے ہوئے دروازے پر جاتے۔

شادی

نوجوان پائلٹ آفیسر راشد منہاس کی منگنی یا پسندیدگی کے حوالے سے لکھی گئی باتوں میں کوئی صداقت نہیں۔

> ''راشد منہاس کا پہلا اور آخری عشق فلائنگ تھا۔آسمان پر جہاز کیساتھ دائرے کھینچنا اس کا خواب اور گھر والوں کے دائرے میں رہنا اُسکی حقیقت تھی''۔

یاد رہے کہ راشد منہاس کی عمر صرف 20 برس تھی جبکہ بیس برس کسی بھی ایسے نوجوان کیلئے جواوائل جوانی سے ہی پاک فضائیہ کا حصہ بن چکا ہو، اس قسم کی قیاس آرائیاں خلاف عقل ہیں کیونکہ پاکستان ایئر فورس کے قواعد وضوابط کے مطابق پائلٹ آفیسر کا 26 برس سے پہلے نکاح نہیں ہوسکتا یعنی شادی کیلئے 26 برس کا ہونا شرط ہے۔

گھر والوں سے آخری ملاقات

آخری ملاقات میں راشد منہاس کھانے کیلئے سب گھر والوں کو ملیر کینٹ ایریا لے گئے کھانے سے فارغ ہوئے تو T33 جہاز کی تصویر نکالی (یاد رہے کہ اسی تربیتی لڑاکا طیارے میں فضائی تاریخ کا بے مثال اور انوکھا واقعہ رونما ہونیوالا تھا) والدہ اور بہن بھائیوں کو اس جہاز کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا کہ

"یہ پاکستان ایئر فورس کا سب سے بڑا جہاز ہے اور
میں نے اسے اُڑانے کی تربیت مکمل کر لی ہے"۔

آخری ملاقات کے بعد پائلٹ آفیسر راشد منہاس رخصت ہوتے ہوئے خلاف معمول سب سے بہت اچھی طرح باقاعدہ مل کر گیا۔

سچے لوگ سچے رابطے

شہادت والے دن یعنی جمعہ کی صبح راشد منہاس کی والدہ رشید منہاس کو اچانک اپنے بیٹے کی یاد ستائی حالانکہ ایک روز بعد ہی ہفتے کی شام نائٹ پاس پر راشد منہاس کو

معمول کے مطابق گھر آنا تھا۔

جب بیٹے کی یاد بے قراری اور بے چینی میں بدل گئی تو رشیدہ منہاس نے راشد منہاس کے والد عبدالمجید منہاس سے کہا کہ آپ ماری پور ایئر بیس جائیں اور راشد کو لے آئیں۔ عبدالمجید منہاس (والد راشد منہاس) کہنے لگے کہ ایک ہی دن کی تو بات ہے راشد کل گھر آ جائے گا لیکن رشیدہ منہاس کی بے قراری دیکھتے ہوئے وہ اپنے بیٹے کو لینے کیلئے صبح گیارہ بجے کے قریب ماری پور ایئر بیس روانہ ہوئے۔

غالباً جس وقت ماں کے گھبرائے ہوئے دل سے مجبور ہو کر عبدالمجید منہاس اپنی گاڑی میں روانہ ہوئے ہوں گے کم و بیش اُسی وقت راشد منہاس نے اپنی آخری سفر ثابت ہونے والی تربیتی پرواز بھری ہو گی جبکہ گھر میں بہنیں اور والدہ راشد منہاس کی پسند کا کھانا پلاؤ اور آلو گوشت پکانے میں مصروف ہو گئیں۔

کھانا تیار ہونے کے بعد بے چین ماں اپنے بیٹے کی راہ تک رہی تھی انکی نظریں دروازے پر جمی تھیں کہ چند ہی لمحوں بعد گاڑی کی آواز پر سب گھر والے چونکے اور پھر بیٹے کو نہ پا کر ماں (رشیدہ منہاس) بے تاب ہو گئیں تو عبدالمجید منہاس نے بتایا کہ راشد سولو فلائیٹ (تنہا پرواز) پر گیا ہے۔

راشد منہاس ماں کی آغوش سے خدا کی
آغوش کی طرف جا رہا تھا آج رشیدہ منہاس اپنے دل
کو سنبھالے نہیں سنبھال پا رہی تھی اور نہ جانے کس بلا
کے خدشات نے اس ماں کو بے چین کر رکھا تھا۔

ایئر فورس میں زیر تربیت پائلٹ آفیسر کو جب تربیتی پروازوں کے بعد سولو فلائیٹ (تنہا پرواز) مشن دیا جاتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ پائلٹ آفیسر کی

ٹریننگ تکمیل کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے چنانچہ اس خبر پر بہنیں بہت خوش ہوئیں اور راشد منہاس کی طبیعت کے عین مطابق اپنے اپنے تحائف کے بارے میں سوچ رہیں تھیں کیونکہ اس طرح کے اہم مواقع پر راشد منہاس اپنی بہنوں کو تحفے دینا کبھی نہ بھولتا تھا مگر اس بار مادرِ وطن کے اس فرزند کا تحفہ صرف اپنی بہنوں کیلئے نہیں بلکہ پوری پاکستانی قوم کیلئے تھا ایک ایسا تحفہ جس سے قوم کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، بھائیوں اور بزرگوں کا سر فخر سے بلند ہونے والا تھا۔

T33 جیٹ طیارہ

راشد منہاس کے اس طیارے کا کوڈ نمبر T.bird تھا یہ وہ طیارہ ہے جس میں عسکری تاریخ کا ایک منفرد فضائی معرکہ ہوا اور اسی معرکہ میں نوجوان پائلٹ آفیسر راشد منہاس کی شہادت ہوئی۔

یاد رہے کہ پاکستان ایئر فورس کے اس تربیتی طیارے میں دوہرا کنٹرول ہوتا ہے کیڈٹ اور انسٹرکٹر دونوں کیلئے کنٹرول پینل ہوتے ہیں جبکہ پرواز کے دوران زیرِ تربیت پائلٹ کی ٹریننگ اور مناسب ہدایات کیلئے اکثر پیچھے دوسری نشست پر انسٹرکٹر ہوتا ہے لیکن کینوپی بند ہو جانے کے بعد جگہ اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ وہ آپس میں متصادم نہیں ہو سکتے۔

راشد منہاس دورانِ ٹریننگ ایک مرتبہ اسی جیٹ طیارے میں فلائیٹ کر رہا تھا کہ دورانِ پرواز اچانک کچھ مسئلہ ہو گیا تو زمین سے پیغام ملا کہ پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگا کر اپنی جان بچاؤ اور جہاز کو تباہ ہونے دو مگر اس نوجوان پائلٹ آفیسر راشد منہاس نے اس بار بھی دلیری کا ثبوت دیا اور اپنی زندگی داؤ پر لگا دی مگر طیارے کو تباہ نہ ہونے دیا اور بحفاظت زمین پر اُتارنے میں کامیاب ہوا۔

تاریخی پرواز

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

رسالپور اکیڈمی سے تربیت کے بعد کیڈٹس کو تربیتی پروازوں پر روانہ کیا جاتا ہے۔ 20 اگست 1971ء کو جمعے کے دن ''مسرور ایئربیس کراچی'' میں تین پائلٹ آفیسر تربیتی پرواز کیلئے تیار کھڑے تھے اور ان تینوں کے درمیان تین تین منٹ کا وقفہ تھا، تیسری سولو فلائیٹ (تنہا پرواز) راشد منہاس کی تھی وہ جیٹ T33 طیارے میں پرواز کیلئے تیار بیٹھا تھا تقریباً 11 بج کر 26 منٹ پر اسے کنٹرول ٹاور سے کلیرنس مل گئی چنانچہ کلیرنس ملتے ہی راشد منہاس نے طیارے کو رن وے پر چلانا شروع کر دیا ابھی طیارہ رن وے پر ہی تھا کہ راشد کا انسٹرکٹر ''فلائیٹ لیفٹیننٹ مطیع الرحمٰن'' ٹرامک کے نزدیک پہنچ گیا اور اپنی اوپل کار سے اُتر کر اس نے خطرے کا مخصوص اشارہ کرتے ہوئے رُکنے کا سگنل دیا۔

راشد منہاس اپنے انسٹرکٹر مطیع الرحمٰن کے مکروہ عزائم اور خطرناک منصوبے سے بالکل لاعلم تھا وہ سمجھا کہ شاید طیارے میں کوئی فنی خرابی ہوگئی ہے چنانچہ راشد منہاس نے اپنے منہ سے گیس ماسک ہٹایا اور طیارہ روکنے کی وجہ پوچھی لیکن انسٹرکٹر نے کوئی جواب دیئے بغیر ہی پچھلی سیٹ پر قبضہ کر لیا۔

یہ غیر رسمی ، غیر معمولی اور قواعد وضوابط کیخلاف حرکت تھی کیونکہ اس سولو فلائیٹ (تنہا پرواز) میں کسی کو ساتھ جانیکی اجازت نہیں تھی ایک لمحہ کیلئے انسٹرکٹر کی اس اچانک حرکت پر راشد کو حیرت ہوئی مگر دوسرے ہی لمحہ وہ انسٹرکٹر کے خطرناک ارادوں اور معاملے کی نزاکت کو سمجھ گیا۔

مطیع الرحمٰن نے طیارے میں بیٹھتے ہی اپنے ساتھیوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ

جودھپور ''بھارت'' جا رہا ہے اسکے گھر والوں کو فوری طور پر بھارتی ہائی کمیشن لے جا کر تحفظ دلا یا جائے انسٹرکٹر مطیع الرحمٰن کے اس جملے نے اب تو صورتحال راشد منہاس پر بالکل واضح کر دی تھی۔

بد قسمتی سے یہ وہ وقت تھا جب مشرقی پاکستان میں دشمن کی سازشیں اور مداخلت اپنے عروج پر تھی بنگالی مطیع الرحمٰن بھی دشمن کا آلہ کار بن گیا تھا وہ چند خفیہ دستاویزات اور سینے میں چھپے اہم راز دشمن کے حوالے کرنا چاہتا تھا اگر یہ حساس معلوماتی دستاویزات، اہم راز اور طیارہ بھارت پہنچ جاتا تو وہ افواج پاکستان کو نا قابل تلافی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا۔

غدّار مطیع الرحمٰن کی خوش فہمی

انسٹرکٹر مطیع الرحمٰن کی نظریں چند ہفتوں سے مسلسل راشد منہاس پر لگی ہوئی تھی اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے دُبلے پتلے اور زیر تربیت پائلٹ راشد کا انتخاب جلد بازی یا حادثاتی طور پر نہیں بلکہ خوب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔

دراصل مطیع الرحمٰن کو یہ خوش فہمی تھی کہ یہ زیر تربیت نوعمر بچہ با آسانی قابو آ جائے گا اور وہ یہ طیارہ بغیر کسی مزاحمت کے بھارت لے جائے گا لیکن پی اے ایف اکیڈمی سے لیا ہوا درس اور پاک فضائیہ کی اعلیٰ اقدار سے راشد منہاس خوب اچھی طرح واقف تھا جبکہ دوسری طرف دشمن مادرِ وطن کے اس سپوت کی دلیری سے لاعلم تھا۔

یہ نوجوان پائلٹ آفیسر راشد منہاس تو کسی
ایسے ہی وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا کہ جب
رن پڑے، معرکہ ہو اور وہ دادِ شجاعت وصول کر کے
وطن کی آن پر قربان ہو جائے۔

دنیا کی تاریخ کا منفرد فضائی معرکہ

انسٹرکٹر مطیع الرحمٰن نے کنٹرول سنبھال کر طیارہ رن وے پر دوڑا دیا تھا جبکہ زیرِ تربیت راشد منہاس طیارے کو رن وے پر روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر انسٹرکٹر نے دوہرے کنٹرول کا فائدہ اُٹھایا اور پرواز شروع کرنے کے بعد جہاز کا رخ بھارت کی طرف کر دیا۔ راشد منہاس نے فوراً ماری پور کنٹرول ٹاور سے رابطہ کیا اور 11 بج کر 29 منٹ پر یہ پیغام دیا کہ

''مجھے اغوا کیا جا رہا ہے تم غدار کے ساتھیوں کو
ہندوستانی ہائی کمیشن میں پناہ نہ لینے دو''۔

یہ پیغام سنتے ہی کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے جوانوں پر سکتہ طاری ہو گیا کنٹرول روم سے انہیں یہ ہدایت دی گئی کہ جہاز کو بھارتی سرزمین میں نہ جانے دیا جائے۔

مطیع الرحمٰن نے کلوروفارم سے بھیگا ہوا رومال راشد کے منہ پر رکھا مگر بہترین قوت مزاحمت کی بدولت وہ پوری طرح سے بے ہوش نہ ہوا راشد بے ہوش ہو بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ یہ وہی لمحات تو تھے جن کے بارے میں وہ اکثر سوچا کرتا تھا، معرکہ انوکھا ضرور تھا مگر قدرت نے آج اسے ملک وملت پر قربان ہونے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

مطیع الرحمٰن راشد کو پرواز نیچی رکھنے اور بھارتی ہوائی اڈے جام نگر جانے پر مجبور کر رہا تھا جبکہ راشد منہاس طیارے کو بلندی پر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا مگر غدار انسٹرکٹر نے ایسا نہ ہونے دیا اور طیارہ زمین سے صرف تیس چالیس فٹ کی بلندی پر ہی پرواز کرتا رہا۔

کنٹرول ٹاور سے رابطہ ٹوٹنے سے پہلے راشد منہاس نے 11 بج کر 33 منٹ پر یہ آخری پیغام دیا کہ

''مجھے اغوا کیا جا رہا ہے لیکن میں طیارے کو اغوا نہ ہونے دوں گا''۔

پاکستان ایئر فورس نے زیرِ تربیت نوجوان پائلٹ راشد منہاس کی مدد کیلئے فوری طور پر دو طیارے روانہ کیے اور ریڈار کے عملے نے بھی بہت کوشش کی کہ طیارہ مانیٹر ہو جائے مگر تجربہ کار اور ماہر انسٹرکٹر مطیع الرحمٰن طیارے کو زمین سے بہت کم اونچائی پر اُڑائے رکھنے میں مسلسل کامیاب ہو رہا تھا، انسٹرکٹر کنٹرول کاک پٹ پر مطیع الرحمٰن کے کنٹرول کی بدولت راشد منہاس کی تمام تر کوششیں ناکام ہو رہی تھیں اور طیارہ بہت نیچے ہونیکی وجہ سے ریڈار کی رینج میں نہ تھا یہی وجہ ہے کہ تلاش میں نکلنے والے پاک فضائیہ کے دو جیٹ طیارے بہت بلندی پر ہونیکی وجہ سے سراغ نہ لگا سکے لیکن اب محبِّ وطن اور غدار کے درمیان کشمکش شدت اختیار کر چکی تھی۔

غدار مطیع الرحمٰن طیارے کا رُخ بھارت کی طرف کر رہا تھا جبکہ غدار کے ساتھ دشمن ملک جانے کو اپنی توہین سمجھنے والا محبِّ وطن نوجوان راشد منہاس طیارے کو زمین کی طرف لا رہا تھا۔ غداری اور حب الوطنی کے درمیان فضا میں یہ انوکھی جنگ جاری تھی اور چند لمحوں بعد طیارہ بھارتی سرزمین میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ راشد منہاس نے ایک فیصلہ کیا، ایسا فیصلہ جو ایک محبِّ وطن مردِ مجاہد ہی کر سکتا ہے اور بالآخر نوجوان راشد منہاس کے اس فیصلے نے پوری قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا۔

اگر راشد چاہتے تو اپنی زندگی بچا سکتے تھے خاموش رہ کر اس معاملے کو سہہ جاتے جہاز بھارتی حدود میں اُتر جاتا وہ قید کر لیے جاتے بعد ازاں جنگی قیدیوں کے تبادلے میں پاکستان واپس آ جاتے یعنی زندگی یقینی تھی مگر یہ عاشقِ وطن اپنی دھرتی کیلئے عزت و فخر کا باعث بننا چاہتا تھا۔

راشد منہاس کیلئے وطن کی عزت و آبرو اور وقار کے سامنے زندگی کی کوئی اہمیت نہ تھی اسی لیے مادرِ وطن کے اس بہادر سپوت نے عزت و غیرت کے ساتھ شہادت کا فیصلہ

کیا اور پروردگار نے بھی راشد منہاس کی اس خواہش کو قبول کرتے ہوئے اس کیلئے شہادت کی زندگی لکھ دی تھی چنانچہ حیدر کے اس پیارے نے اپنا آپ وطن عزیز پر قربان کرتے ہوئے پوری قوت سے اس آلے کو دبا دیا جو جہاز کو نیچے لاتا ہے اب طیارہ ہولناک رفتار سے زمین کی طرف آ رہا تھا اور غدار کو اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی جبکہ دوسری طرف راشد منہاس موت کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ

''اے موت آگے بڑھ اور مجھے گلے لگا میں نہ تجھ سے
خوفزدہ ہوں اور نہ زندگی کی محبت کا اسیر ہوں اگر ارض
پاک کے دشمن کو نیست و نابود کرنے کیلئے اپنے جسم کو
ذروں میں تبدیل کرنا پڑے تو میں دریغ نہیں کروں گا۔''

راشد منہاس نے دشمن کے علاقہ میں زندہ جانیکی بجائے طیارہ بھارتی سرحد سے 32 میل فاصلے پرٹھٹھہ کے قریب یعنی اپنی سرزمین پر تباہ کر کے ہندوستان کو افواج پاکستان کی طرف سے یہ پیغام دیا تھا کہ

''تم زندہ رہتے ہوئے بھی ہار جاتے ہو، ہم مر کر بھی
جیت جاتے ہیں''۔

اسطرح حب الوطنی اور غداری کے درمیان چھڑنے والی جنگ ختم ہوگئی۔ جس جگہ پر طیارہ زمین سے ٹکرایا وہ جگہ ''جنڈے'' کہلاتی تھی مگر اب وہ ''شہید ڈیرہ'' کے نام سے معروف ہے۔

نوجوان پائلٹ آفیسر راشد منہاس نے اپنے جسم کا ایک ایک حصہ وطن کی آبرومندی اور عظمت کیلئے اس آگ میں جھونک دیا، آخری لمحوں میں جب دشمن کی فتح یقینی اور طیارہ بھارتی سرحد کے بالکل قریب تھا شہید نے اپنی زندگی دے کر حب الوطنی کی وہ

مثال قائم کی جو پاکستان ایئر فورس اور اہلیانِ وطن کیلئے ہمیشہ فخر رہے گی۔

راشد منہاس کی شہادت 20 اگست 1971ء جمعہ کے دن تقریباً 11 بج کر 40 منٹ پر ہوئی عجیب اتفاق ہے کہ راشد کے دادا عبداللہ منہاس کا انتقال بھی 1934ء میں اسی تاریخ اسی دن اور اسی وقت ہوا تھا۔

وطن عزیز کے سب سے کم عمر ہیرو نوجوان پائلٹ آفیسر راشد منہاس کو عظیم قربانی اور لازوال شہادت پر صدر مملکت یحییٰ خان نے انہیں ''نشانِ حیدر'' سے نوازا، اسطرح شہید پاک فضائیہ سے یہ اعزاز حاصل کرنیوالے پہلے پائلٹ آفیسر ہیں۔

راشد کے گھر سے متصل شہر قائد کراچی کی ایک معروف شاہراہ کو بھی راشد منہاس کے نام سے موسوم کر کے شہید کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔

راقم نے تمام شہدائے نشانِ حیدر کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ راشد منہاس وہ شہید ہے کہ جو فطرتاً، طبیعتاً اور مزاجاً ایک پائلٹ آفیسر پیدا ہوا تھا اور اپنی مختصر دنیاوی زندگی میں جذبہ شوق شہادت اکٹھا کر کے منزل شہادت کی جانب عازم سفر تھا، کاتب تقدیر نے لوح وقلم پر محفوظ کر چھوڑا تھا کہ عطیہ خداوندی کی حفاظت کرنیوالے افواج پاکستان میں سے جن چنیدہ جانبازوں کو نشانِ حیدر عطا ہونا ہے ان میں سے ایک معصوم صورت والا، بڑی پیشانی کے نیچے واضح روشن آنکھوں کا مالک، ستواں ناک اور فخر حق سے تنی ہوئی گردن کیساتھ راشد منہاس بھی شامل ہے۔

اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کیلئے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

اے دل کی خلش چل یوں ہی سہی چلتا تو ہوں ان کی محفل میں
اس وقت مجھے چونکا دینا جب رنگ پہ محفل آ جائے

آتا ہے جو طوفاں آنے دے کشتی کا خدا خود حافظ ہے
مشکل تو نہیں ان موجوں میں بہتا ہوا ساحل آ جائے

اے راہبر کامل چلنے کو تیار تو ہوں پر یاد رہے
اس وقت مجھے بھٹکا دینا جب سامنے منزل آ جائے

ہاں یاد مجھے تم کر لینا آواز مجھے تم دے لینا
اس راہ محبت میں کوئی درپیش جو مشکل آ جائے

اب کیا ڈھونڈوں گا چشم کرم ہونے دے ستم بالائے ستم
میں چاہوں اے جذبہ غم کہ مشکل پس مشکل آ جائے

شہادت کی خبر

جمعہ 20 اگست کی دوپہر راشد منہاس کا گھر میں انتظار ہو رہا تھا بہنیں یہ سوچ رہیں تھیں کہ آج بھائی ان کیلئے خاص تحفے لائے گا اور سولو فلائیٹ (تنہا پرواز) تجربے کی تفصیل بتائے گا۔گھر میں سب کی نظریں دروازے پر لگی ہوئی تھیں مگر راشد نہ آیا اور نہ ہی اُسکی کوئی خبر آئی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رشیدہ منہاس (والدہ راشد منہاس) کی بے چینی بے تابی میں تبدیل ہوگئی اور اب بے قراری کا یہ عالم تھا کہ راشد منہاس کے سوا کوئی شے قرار کا باعث نہیں بن سکتی تھی۔

رسالپور ٹریننگ کے دوران بھی رشیدہ منہاس اپنے بیٹے راشد منہاس کیلئے بے چین ہو کر ہر ماہ ملاقات کیلئے پہنچ جاتی تھی اب جبکہ وہ کراچی ماری پور ایئر بیس پر تعینات تھا تو کیسے ممکن تھا کہ بیٹے کو دیکھے بغیر چین آجائے وہ ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد بیٹے (راشد منہاس) کا معلوم کرنے مسرور ایئر بیس فون کرتیں مگر انہیں وہاں سے ہر مرتبہ یہی جواب ملتا کہ راشد فلائیٹ پر گیا ہوا ہے۔

شام گزرنے کے بعد رشیدہ منہاس (والدہ راشد منہاس) کی بے چینی اور پریشانی مزید بڑھتی گئی اسی پریشانی کے عالم میں ایک مرتبہ پھر مسرور ایئر بیس فون کیا اور کہا کہ میں بہت پریشان ہوں راشد آجائے تو فوراً اس کو میرا پیغام دینا اور پھر وہ رات بھر اپنے بیٹے راشد منہاس کے فون کا انتظار کرتی رہی مگر راشد منہاس کا فون آیا اور نہ کوئی خبر...... جبکہ ایسا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا کہ راشد منہاس اپنے گھر والوں اور خصوصاً والدہ سے رابطے میں نہ ہو۔

رشیدہ منہاس (والدہ راشد منہاس) کیلئے یہ رات بے خوابی کے ساتھ ساتھ ایسی مضطرب رات تھی کہ جیسے پانی سے باہر مچھلی کی کیفیت...... رات بھر ٹک ٹکی باندھ کر

آنکھوں سے گھڑی کی سوئیوں کو حرکت دیتے ہوئے صبح کر دی اور پھر صبح کا اُجالا ہوتے ہی انھوں نے اپنے بہنوئی ونگ کمانڈر رانا محمد سعید کو فون کیا اور راشد منہاس کا پتہ کرنے کو کہا۔

کچھ دیر بعد ہی ماری پور مسرور ایئر بیس سے فون آیا جو راشد منہاس کے والد عبد المجید منہاس نے اٹھایا اور پھر وہ فون پر اپنے گھر کا پتہ بتانے لگے کیونکہ راشد منہاس کے سکواڈرن لیڈر گھر آنا چاہتے تھے۔

عبد المجید منہاس (والد راشد منہاس) خود کو اور اپنی اہلیہ رشیدہ منہاس کو تسلی دیتے رہے کہ گھبراؤ نہیں، شاید خدانخواستہ راشد سے ڈسپلن میں کوئی کوتاہی یا غلطی ہوئی ہوگی جس کی شکایت کیلئے سکواڈرن لیڈر گھر آرہے ہوں گے لیکن رشیدہ منہاس کو نہ جانے کس بلا کے خدشات نے بے چین کر رکھا تھا کہنے لگی کہ

''ڈسپلن کی خلاف ورزی ......اور راشد......نا ممکن......

اور سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی کہ

''میرا راشد گھر کیوں نہیں آرہا؟ سکواڈرن لیڈر گھر کیوں آرہے ہیں؟''۔

عبد المجید منہاس اپنی اہلیہ رشیدہ منہاس کا یہ جواب سن کر لا جواب ہو گئے اور پھر پریشانی واضطراب کی پرچھائیاں اُنکے چہرے پر بھی واضح ہونے لگی اور پھر یہ دونوں مجسم ماں باپ بے جان ہوتے چلے جارہے تھے۔

آخر کار وہ وقت بھی آ گیا جب ہفتے کی صبح دس بجے کے قریب پاک فضائیہ کے دو افسران اور سکواڈرن لیڈر راشد منہاس کے والدین کے سامنے کھڑے تھے کچھ دیر کی

خاموشی کے بعد انہوں نے صرف اتنا کہا کہ

''راشد نے اپنا جہاز گرا دیا ہے''

'پائلٹ آفیسر راشد منہاس کی والدہ رشیدہ منہاس اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی اور روتے ہوئے کہا کہ

''نہیں.........راشد ایسا نہیں کر سکتا، میرے بیٹے کے جہاز کو کسی نے بم سے اُڑایا ہوگا''۔

دوسری طرف بہنیں چیخ چیخ کر بھائی بھائی پکارنے لگیں۔ راشد منہاس کے خالو ونگ کمانڈر رانا محمد سعید کی اطلاع پر رشتہ دار اشکبار آنکھیں لئے گھر پہنچ گئے اور زاروقطار رونے لگے۔

تدفین کے وقت راشد منہاس کی والدہ رشیدہ منہاس نے رو رو کر بین کرتے ہوئے کہا کہ

''بیٹا میں نے تمہیں انڈیا کے جہاز گرانے بھیجا تھا تم نے اپنا ہی جہاز اپنی سرزمین پر کیوں گرا دیا''۔

رشیدہ منہاس (والدہ راشد منہاس) کی حالت دیکھ کر پاک فضائیہ کے ایک افسر نے واقعے کی تفصیل بتائی۔

''تفصیلات اور بیٹے کا کارنامہ سنتے ہی راشد منہاس کی والدہ کے آنسو یک دم تھم گئے اور پھر شکوہ فخر میں تبدیل ہوگیا کہ بیٹے نے وطن کی عزت وناموس پر اپنی جان دے دی لیکن اپنے آپ کو اور جہاز کو دشمن کے قبضے میں نہیں جانے دیا''۔

راشد منہاس کے والد عبدالمجید منہاس نے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور اپنے والد (راشد منہاس کے دادا) عبداللہ منہاس کی روح سے مخاطب ہو کر بولے کہ

''ابا جان آپ کا پوتا خاندانی روایات کو قائم رکھتے
ہوئے حق وسچ اور اپنی مٹی کی خاطر مر مٹا ہے اپنے
پوتے کی اس قربانی کو دربارِ رسالت ﷺ میں پیش کر
دیجئے گا''۔

شہید کو 21، اگست 1971ء کو ہفتے کی شام پورے فوجی وقومی اعزازات کیساتھ کراچی میں سپرد خاک کیا گیا۔آج بھی پائلٹ آفیسر راشد منہاس نوجوانوں کا آئیڈیل ہے اور اپنی مٹی سے محبت کرنیوالے پاکستانی قیامت تک شہید راشد منہاس کی بہادری اور قربانی کو یاد رکھیں گے۔

خراجِ تحسین و عقیدت

''اگر راشد جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید نہ ہوتا تو ہم اس صدمے کی تاب نہ لاتے ہوئے خود بھی ختم ہو جاتے مگر اللہ نے میرے بیٹے کو بہت بڑا رتبہ عطا کیا ہے اور بیٹے کے اس جرأت مندانہ اقدام نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے''۔

عبدالمجید منہاس
(والد راشد منہاس)

نشانِ حیدر

''راشد نے اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی جانِ عزیز وطن کی سلامتی پر نثار کر دی اور تشکر کے طور پر وطن نے اپنا سب سے اعلیٰ اعزاز شہید کے حضور پیش کر دیا اگرچہ یہ اس قربانی کا ہرگز ہرگز بدل نہیں ہے لیکن ہم ایسے جاں نثاروں کیلئے اپنی طرف سے جو سب سے اعلیٰ نذرانہ پیش کر سکتے ہیں وہ نشانِ حیدر ہی ہے۔

راشد نے کم عمر ہونے کے باوجود وطن کے وقار اور آبرو پر آنچ نہ آنے دی اس نے ایک غدار کے ہاتھوں بے بس ہو کر دشمن کی سرزمین پر زندہ جانیکی بجائے اپنی

مٹی پر ہی مرنا پسند کیا اور غدار کے منصوبے کو ناکام
بنانے کیلئے اپنی جان کی بازی لگا دی''۔

کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ

قیمتی اثاثہ

ذوالفقار علی بھٹو نے شہید کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ

''راشد جیسے فرزند قوم کا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں ایسے ہی بہادر اور فرض شناس لوگ قوموں کی تاریخ کو تابناک بناتے ہیں۔نوجوان شہید نے ملک کی آن بچانے کی خاطر اپنی زندگی قربان کر کے قومی تاریخ میں ایک ناقابل فراموش باب کا اضافہ کیا ہے۔اسکی قربانی مثالی ہے اور پوری قوم اس عظیم فرزند پر فخر کرتی ہے''۔

بے مثال قربانی

ایئر مارشل نور خان نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

''شہید میں جرأت و بے خوفی، یقین محکم اور جذبہ قربانی کے تینوں اوصاف موجود تھے دشمن کے ساتھ کشمکش کے 9 منٹ میں راشد کی نفسیاتی برتری یوں ثابت ہوتی ہے کہ وہ ذہنی طور پر اس اچانک حملے کیلئے

بالکل تیار نہیں تھے جبکہ اس کا حریف پوری منصوبہ بندی
کے بعد جہاز میں کودا تھا اگر وہ اپنی جان بچا کر خود کو
دشمن کے حوالے کر دیتا تو ایئر فورس کے قواعد وضوابط
اسے مجرم نہیں گردان سکتے تھےلیکن راشد نے بے مثال
قربانی دے کر ملک وقوم کا سر ایک ایسے بحرانی دور میں
بلند کیا جب ہم پر چاروں طرف سے اعتراضات کی
بوچھاڑ ہو رہی تھی''۔

ایئر مارشل نور خاں

طلسماتی شخصیت

''کتاب راشد کی بہترین دوست تھی اسے جتنے بھی
پیسے ملتے وہ انکی کتابیں خرید لیتا تھا اسکی کتابوں کے
بعض حصوں پر نشانات لگے ہوئے ہیں جن سے ظاہر
ہوتا ہے کہ وہ ان جملوں اور تحریروں سے بہت متاثر ہوا
تھا، اسے مشاہیر اسلام کے قصے پڑھنے کا جنون تھا
علامہ اقبال، عمر خیام اور دوسرے مفکرین کے حوالے
سے وسیع معلومات تھیں اسکی سوچ کی پرواز بہت بلند
تھی اس نے ہمیشہ اچھا سوچا اور اچھی باتوں کو پسند کیا۔
خود میری یہ عادت ہے کہ میں بچوں کو زیادہ قریب
نہیں آنے دیتا لیکن نہ جانے راشد میں ایسی کیا بات
تھی کہ اس سے باتیں کرتے ہوئے مجھے بہت لطف

محسوس ہوتا۔ وہ ہر موضوع پر بے تکلف گفتگو کا عادی
اور بچپن ہی سے بہت ذہین تھا اسکی معلومات قابل
رشک حد تک وسیع تھیں جنگ ستمبر کے تمام واقعات
اسے ازبر تھے شہیدوں کے بارے میں تو اسکی
معلومات حیرت انگیز تھی''۔

بہنوئی میجر جنرل نصیر احمد
(ستارہ جرأت)

مشعل راہ

''اپنے ملک کے وقار اور ناموس پر مر مٹنے والے راشد
منہاس کی روایت ہمیشہ قائم رہے گی اگر چہ شہید کے
اندر پاکستان ایئر فورس میں اعلیٰ مقام پر فائز ہونیکی
تمام صلاحیتیں موجود تھی لیکن اس نے اپنے کیریئر کی
ابتداہی میں ایک ایسا کارنامہ انجام دے دیا کہ جس
سے انہیں وہ رتبہ حاصل ہوا جو شاید بہت کم لوگوں کو
نصیب ہو شہید کا یہ کارنامہ پاکستان ایئر فورس کے
افسران اور جوانوں کیلئے ہمیشہ مشعل راہ بنا رہے گا''۔

ایئر مارشل اے رحیم خاں

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

پائلٹ آفیسر بننا، شہادت اور پھر نشانِ حیدر عطا ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نوجوان راشد منہاس اپنے پروردگار کو کتنا عزیز تھا۔

یہ شہادت سے صرف چندروز پہلے کا ذکر ہے کہ راشد منہاس گھر میں اپنی بہنوں سے گفتگو کرتے ہوئے اچانک نہ جانے کن خیالوں میں کھو گیا اور موضوع سے ہٹتے ہوئے کہنے لگا کہ

> ''اللہ جس کو منتخب کر لے، نشانِ حیدر اُسی کو ملتا ہے مجھے شہادت ملے گی یا نہیں یہ اعزاز ملے گا یا نہیں اس اعزاز کیلئے تو بڑی بہادری دکھانی پڑتی ہو گی تب ہی یہ تمغہ نصیب ہوتا ہوگا''۔

راشد منہاس کے ان جملوں پر بہنیں حیرت زدہ تھیں کہ یہ بھائی کو اچانک کیا ہو گیا ہے ہم کیا بات کر رہے تھے اور راشد کہاں چلا گیا۔

> کسی کو کیا معلوم تھا کہ اُسوقت راشد منہاس خدا کے کتنا قریب تھا اور پھر یہ کہ وہ وقت بارگاہِ الٰہی میں راشد کے عشق کی قبولیت کا وقت تھا وہ شہادت اور نشانِ حیدر مانگ رہا تھا تو دوسری جانب بارگاہِ الٰہی سے اُسے سب کچھ عطا ہوتا جا رہا تھا۔

اس واقعے کے ٹھیک سات روز بعد اللہ تعالیٰ نے راشد منہاس کو شہادت اور نشانِ حیدر عطا کر دیا جبکہ بہنوں کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ راشد منہاس کی شہادت اور نشانِ حیدر کی خواہش اللہ تعالیٰ اتنی جلد پوری کر دے گا۔

ماں جی کا خواب

راشد منہاس کی والدہ رشیدہ منہاس نے 14 اگست 1971ء کو اپنے بیٹے کی شہادت سے چھ دن پہلے ایک خواب دیکھا اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں کہ

''آسمان سے ایک روشنی نکل کر میری طرف آئی اور میں نے ایک سفید پوش خاتون کا نورانی چہرہ دیکھا جن کیلئے میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ حضرت فاطمہ زہرارضی اللہ عنہا تھیں۔ بی بی فاطمہ کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی انہوں نے پہلے میرے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور پھر مجھے ایک کپڑا دیا۔ اس خواب کے چھ دن بعد راشد کو شہادت ملی اور میں نے اس کا تمغہ نشانِ حیدر وصول کیا''۔

پانچواں نشانِ حیدر

شہید

ملک محمد اکرم

پیر ۴ اپریل ۱۹۳۸ء

تا

اتوار ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء

Major
Muhammad Akram
Shaheed

ملک محمد اکرم

ولدیت	:	ملک سخی محمد
تاریخ پیدائش	:	پیر 4 اپریل 1938ء
جائے ولادت	:	رسول پور روڈ کھاریاں ڈنگہ گجرات۔صوبہ پنجاب
آرمی نمبر	:	6831
رینک	:	میجر
آرمڈ سروس	:	4ایف ایف آر (فرنٹیر فورس رجمنٹ)
تاریخ شہادت	:	اتوار 5 دسمبر 1971ء
بمقام	:	بوگرہ، ہلی سیکٹر (سابقہ مشرقی پاکستان)
آخری آرام گاہ	:	بوگرہ، دیناج پور
یادگار	:	نکا کلاں، جہلم۔صوبہ پنجاب
عرصہ حیات (ظاہری)	:	33 سال 8 ماہ 1 دن

جہلم، گجرات

پانچویں نشانِ حیدر میجر محمد اکرم کے والد ملک سخی محمد ضلع جہلم کی ایک بستی ''نکا کلاں'' کے رہنے والے تھے جبکہ شہید کی والدہ بی بی عائشہ کا تعلق گجرات کے مشہور قصبے ''ڈنگہ'' سے تھا۔شہید 4اپریل 1938ءکو پیر کے روز اپنے ننھیالی گاؤں ڈنگہ میں پیدا ہوئے کھاریاں رسول پور روڈ کے ساتھ واقع یہ گاؤں گجرات شہر سے تقریباً 40 میل دور ہے۔

وطن عزیز کی حفاظت پر مامور افواج پاکستان میں شامل پنجاب کے دو اضلاع، ضلع گجرات اور ضلع جہلم کے افسران اور جوان، غازی وشہید رہتے ہوئے داد شجاعت سمیٹ چکے ہیں جو شاید واقعی ان دو اضلاع کا ہی طرۂ امتیاز ہے،شہید میجر محمد اکرم کا بالواسطہ طور پر دونوں اضلاع سے تعلق یہاں کے رہنے والوں کیلئے قابل فخر ہے۔

محمد اکرم کا ابتدائی عرصہ ننھیال میں ہی گزرا جب وہ تقریباً پانچ برس کے ہوئے تو انہیں ننھیالی گاؤں ڈنگہ سے ددھیالی گاؤں نکا کلاں ضلع جہلم بھیج دیا گیا یہاں ایک پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد ڈی اے وی چکری اسکول میں داخلہ لے

لیا اور مڈل کا امتحان سرائے عالمگیر آرمی اسکول سے پاس کر کے فوج میں بوائے رنگروٹ بھرتی ہو گئے۔

سپاہ گری

فوجی خانوادہ سے تعلق رکھنے والے محمد اکرم کو سپاہ گری اور دلیری وراثت میں ملی تھی جبکہ خاندان کے بیشتر افراد کا تعلق فوج کے کسی نہ کسی شعبے سے تھا انکے بھائی صوبیدار حفیظ اللہ، لانس نائیک محمد افضل، نائب صوبیدار عبدالرشید اور تایازاد بھائی حوالدار محمد حنیف (بہنوئی) سمیت بہت سے عزیز و رشتہ دار پاک بھارت جنگوں میں حصہ لے چکے ہیں اسکے علاوہ دادا صوبیدار راجہ خاں، والد حوالدار سخی محمد اور تایا صوبیدار میجر ملک گوڈر خاں سمیت خاندان کے بیشتر افراد قیام پاکستان سے قبل بھی فوج کا حصہ تھے۔

اسکول

محمد اکرم کم عمری سے ہی ذمہ دار، ذہین، قابل اور باادب تھے یہی وجہ تھی کہ اسکول میں ان کا شمار بہترین طالب علموں میں ہوتا تھا پڑھائی میں خصوصی دلچسپی کی وجہ سے وہ ہمیشہ ٹیچرز کے لاڈلے اور ہر دل عزیز رہے کم گو اور شرارتوں سے دور رہنے والے اس بچے نے اپنے استادوں کو کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔

ڈی اے وی اسکول چکری میں زیر تعلیم عرصے کے دوران ایک مرتبہ ٹیچر نے تمام بچوں سے فیس وصول کر کے رومال میں باندھ کر رکھ لی اور پڑھانے میں مصروف ہو گئے جب چھٹی ہوئی تو اتفاق سے پیسوں والا رومال اُٹھانا بھول گئے سب بچے اپنے گھروں کو چل دیئے اور اسکول خالی ہو گیا۔ ماسٹر صاحب کو جب گھر آنے کے بعد پیسوں والے رومال کا خیال آیا تو پریشانی کی حالت میں گھبرائے ہوئے اسکول پہنچے کلاس

میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مانیٹر محمد اکرم پیسوں سے بھرا ملنے والا رومال اپنی حفاظت میں لیکرا کیلئے کلاس میں بیٹھا مسلسل اپنے اُستاد کے واپس آنے کا منتظر تھا ماسٹر صاحب اس بچے کی ایمانداری سے بہت خوش ہوئے اورخوشی کی اس کیفیت میں رب ہی جانے کیا کیا دعائیں دینے لگے اور پھر اُن دعاؤں کا ثمر زمانے نے دیکھا۔

بوائے رنگروٹ سے میجر تک کا سفر

محمد اکرم کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہ راہِ حق کی مسافر اور ہمیشہ مادرِ وطن کا دفاع کرنیوالی دفاعی قوت پاک فوج کا حصہ بنے۔ شاید وہ اس حقیقت کو جان گئے تھے کہ افواج پاکستان میں شمولیت ہی انکے خوابوں کی تعبیر اور حقیقی منزل ہے یہی وجہ تھی کہ مڈل کا امتحان پاس کرتے ہی جب انکی بے چینی اور جنون میں اضافہ ہوا تو فوج میں جانیکی کوششیں شروع کردیں حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ کم عمری اور تعلیمی کمی کی وجہ سے ان کیلئے پاکستان آرمی میں کمیشن کا حصول قطعی ممکن نہ تھا مگر محنت کیساتھ توکل بر خدا اور سچی طلب ہو تو رب تعالیٰ رکاوٹیں اپنے کرم سے دور کردیتا ہے۔

محمد اکرم سب رکاوٹوں سے بے نیاز ہوکر اللہ کے بھروسے 1951ء میں بوائے رنگروٹ بھرتی ہوگئے اور تقریباً تین سال بعد انکی تعیناتی 8 پنجاب رجمنٹ میں ہوگئی۔

محمد اکرم کا راستہ مشکل ضرور تھا مگر انکی نظریں ہمیشہ منزل ہی پر رہیں انہوں نے کبھی بھی چھوٹی عمر اور کم تعلیم کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیا اور محنت کیساتھ ساتھ تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔

آرمی اسپیشل امتحان میں کامیابی کے بعد کئی فوجی کیڈر پاس کیے اور ترقی کرتے ہوئے لانس نائیک بن گئے بوائے رنگروٹ بھرتی ہونیوالے محمد اکرم نے 1961ء

میں بالآخر'' آئی ایس ایس بی'' کا امتحان بھی پاس کر لیا اور ریگولر کمیشن ملنے کے بعد بحیثیت کیڈٹ ملٹری اکیڈمی کاکول (ایبٹ آباد) پہنچے جہاں وہ'' 28ویں لانگ کورس'' کا حصہ بنے اور اپنی بہترین کارکردگی کی بنیاد پر'' کیڈٹ سارجنٹ'' کا عہدہ حاصل کیا۔

انہیں اکتوبر 1965ء کو باقاعدہ پاسنگ آوٹ پریڈ کے بعد فرنٹیئر فورس کی چوتھی رجمنٹ میں تعینات کر دیا گیا محمد اکرم نے 1967ء میں'' اسکول آف انٹیلی جنس کورس'' مکمل کیا اور پھر مزید ترقی کرتے ہوئے 1970ء میں میجر رینک حاصل کیا۔

کاکول اکیڈمی

محمد اکرم پی ایم اے کاکول میں'' صلاح الدین کمپنی'' سے وابستہ رہے۔ اساتذہ بھی انکی محنت لگن اور قابلیت کے معترف تھے انہیں اکیڈمی میں وزیراعظم کانگو''لومبا'' کے نام کی مناسبت سے''لومبا سارجنٹ'' کا بھی خطاب دیا گیا کیونکہ لومبا نیچے سے ترقی کرتے ہوئے یعنی پوسٹ مین سے وزیراعظم بنا تھا۔

اکیڈمی کے جریدے'' دی رائزنگ کریسنٹ'' نے ان کے بارے میں لکھا کہ

> ''وہ ہاکی اور باکسنگ کے بہترین کھلاڑی تھے، اپنے ماتحتوں سے سوال وجواب کرنا ان کا مشغلہ تھا انھوں نے ہاکی اور نشانہ بازی میں بہت سے انعامات حاصل کیے تھے''۔

کاکول اکیڈمی میں انکی سریلی آواز کے بہت مداح تھے یہاں دوستوں نے انھیں'' بلبل نغمہ بار'' کا خطاب دے رکھا تھا اس حوالے سے جریدے میں کچھ اس طرح سے

لکھا ہے کہ

''اگر وہ پردے کے پیچھے سے گاتے تو سننے والوں کو کسی
نسوانی آواز کا شبہ ہوتا اور انکی دلکش مسکراہٹ اکثر ہر کسی
کو قہقہے لگانے پر مجبور کر دیتی''۔

شخصی خاکہ

محمد اکرم پوری زندگی مذہبی فرائض پابندی سے ادا کرتے رہے حدیث نبوی ﷺ کے مصداق ہمیشہ چہرے پر مسکراہٹ سجا کر صدقہ جاریہ کرنیوالا پاک فوج کا یہ جوان عاجزی وانکساری کی بھی ایک اعلیٰ مثال تھا۔

طبیعتاً سادہ، کم گو، مہمان نواز اور خوش اخلاق محمد اکرم اپنے اطراف کے لوگوں کو آسانیاں اور خوشیاں دینے کیلئے اپنا آپ قربان کرنیوالے ایک خوبصورت انسان تھے انہیں اپنے بھائیوں سے بے حد محبت تھی وہ خود کو تو مشکل میں ڈال دیتے مگر بہتر مستقبل کیلئے بھائیوں کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کا ہمیشہ خیال رکھا کرتے تھے اللہ رب العزت نے انہیں بانٹنے کا منصب عطا کیا تھا اسلئے جب بھی اپنی خوشیوں کی بات آتی اور گھر والے شادی کا کہتے تو یہ کہہ کر بات ٹال دیتے کہ میری شادی کا کیا ہے...... ایک دن ہو ہی جائے گی...... مگر پہلے سب بھائی پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔

انہوں نے اپنی خواہشات اور خوشیوں سے بے نیاز ہو کر اپنی گھریلو ذمہ داریاں پوری کیں اور پھر اللہ کے فضل سے وہ وقت بھی آ گیا کہ سب بھائی اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے گھر والوں کی طرف سے اب ایک بار پھر شادی پر زور دیا گیا لیکن یہ وہ وقت تھا جب اس سپاہی کا وطن مشکل میں تھا تو مادرِ وطن کے اس بیٹے نے شادی کرنیکی بجائے اپنی اولین ذمہ داری تحفظ وطن کو نبھانے کیلئے بحیثیت سپاہی اپنی تمام ترجیحات پر وطن عزیز کو مقدم قرار دے

دیا۔

علامہ اقبال اور مرزا غالب کے اس مداح نے فوجی ملازمت کے دوران عسکری تاریخ، جنگی تفصیلات اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کیا، کتاب دوستی اور وسیع مطالعہ و معلومات ہونیکی وجہ سے وہ اپنی یونٹ میں ''اتھارٹی سر'' کے لقب سے معروف تھے۔

میجر صاحب

میجر محمد اکرم کو دوستوں اور اپنی یونٹ کے علاوہ گاؤں میں بھی انتہائی عزت وقدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا وہ جب بھی گاؤں آتے تو اپنے عزیزوں اور ملنے والوں کے پاس خود جایا کرتے تھے۔

باادب ہونا بہت بڑی سعادت اور نعمت ہے باری تعالیٰ نے انہیں اس کرم والی نعمت سے بھی نوازا تھا، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میجر صاحب اپنی معمول کی چھٹیوں پر گاؤں آئے ہوئے تھے ایک ملاقات کے دوران پرائمری اسکول کے استاد ماسٹر کرم الٰہی نے انہیں ''میجر صاحب'' کہہ کر پکارا تو میجر محمد اکرم نے باادب ہو کر سعادت مندی سے اپنا سر جھکائے ہوئے کہا کہ

''ماسٹر صاحب مجھے صرف اکرم ہی کہا کریں کیونکہ میں
آپ کیلئے آج بھی وہی چھوٹا سا اکرم ہی ہوں''۔

سکھ کمانڈر کو پیغام

محمد اکرم 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بحیثیت کیپٹن ڈی کمپنی کے افسر تھے انکی یونٹ نے سیالکوٹ سیکٹر میں جسڑ کے مقام پر وطن عزیز کا کامیاب دفاع کیا اور دشمن پر کاری ضربیں لگائیں۔

17 دن کی جنگ کے بعد 23 ستمبر کو سلامتی کونسل نے فائر بندی کروائی جس پر افواج پاکستان نے مکمل عمل کیا مگر دوسری طرف بھارتی فوج نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنی روایتی دوغلی پالیسی اپناتے ہوئے پیش قدمی کا ارادہ کیا اتفاق سے اس منصوبے کی اطلاع کیپٹن محمد اکرم کو مل گئی چنانچہ انھوں نے بھارتی سکھ کمانڈر کو یہ پیغام بھیجا کہ اس احمقانہ حرکت کے نتائج تمہارے حق میں انتہائی خطرناک ہوں گے اگر ایک قدم بھی پاک سرزمین کی طرف بڑھایا تو اپنی جانوں سے جاؤ گے سکھ کرنل پر اس پیغام کا اتنا اثر ہوا کہ وہ اپنا ارادہ ترک کرنے پر مجبور ہو گیا۔

مشرقی پاکستان سے خط

میجر محمد اکرم نے بروز جمعرات مورخہ 15 جولائی 1971ء کو مشرقی پاکستان سے ایک خط اپنے والد ملک سخی محمد کو لکھا یہ خط انکی دلیری، شوق شہادت، اسلام سے محبت اور حب الوطنی کا منہ بولتا بین ثبوت ہے۔

''اسلام، قوم اور ملک کی حفاظت کیلئے کوئی بھی جان قیمتی نہیں، سچے دین اور دفاع وطن کیلئے افواج پاکستان کے جانباز فوجی اللہ کے حضور اپنی قربانیاں پیش کرنے

کیلئے ہر وقت تیار ہیں اب کس کی قربانی قبول ہوتی ہے......اس کا علم ہم میں سے کسی کو بھی نہیں......البتہ ہم میں سے جب کوئی سپاہی یا افسر شہید ہوتا ہے تو باقی جوان اس پر فخر محسوس کرتے ہوئے نئے جذبے سے اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا عزم نو کرتے ہیں۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ موت کی جگہ اور وقت سب پہلے سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا...... تو فکر کس بات کی ہے۔

ہمیں اپنے ملک، مذہب اور اپنی فوج کیلئے دعا کرتے رہنا چاہیے۔

کبھی کبھی سرحدوں پر دونوں قسم کے دشمن سے جھڑپ ہو جاتی ہے ویسے جس کا وقت پورا ہو جائے اسے کوئی بھی نہیں روک نہیں سکتا اور آدمی گھر میں بیٹھے بیٹھے یا معمولی حادثے میں بھی مرجاتے ہیں۔

ہمارا یہ عزم ہے اور دعا بھی ہے کہ اللہ ہمیں پاکستان کے دشمن کو نیست و نابود کرنیکی توفیق عطا فرمائے آپ صرف ہم سب کیلئے دعا کرتے رہا کریں''۔

آپ کا بیٹا

محمد اکرم ملک

دشمن کی سازشیں

سقوط ڈھاکہ پر بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ ''ہندوستان نے مسلمانوں کی عسکری برتری کا بُت توڑ دیا ہے''۔

دراصل مشرقی پاکستان کا زخم فوجی نہیں سیاسی تھا، قیام پاکستان کے فوراً بعد اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھنے والوں نے ستمبر 1965ء کی جنگ میں اپنی عبرتناک شکست کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ اس قوم کو طاقت کے ذریعے زیر نہیں کیا جاسکتا، چونڈہ سمیت مختلف محاذوں پر دشمن کے مقابلے میں فوجی وسائل اور اسلحے کی کمی کے باوجود افواج پاکستان اور پاکستانی قوم کا جذبہ دیکھ کر غیر ملکی جنگی مبصرین و ماہرین نے کہا تھا کہ اس قوم کیلئے کوئی بھی کام ناممکن نہیں اسی جذبے سے خوفزدہ ہو کر ہندوستان سمیت عالمی طاغوتی طاقتوں نے اب کھلی جنگ کی بجائے افواج پاکستان کو کمزور کرنیکی سازشیں شروع کر دیں مگر اس بار دشمن نے اپنا طریقہ واردات بدلا اس نے عیش وعشرت کے دلدادہ اور اقتدار کیلئے مصروف چند نااہل سیاست دانوں کی کمزوریوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا اس موقع پر پاکستان کو دولخت کرنیکی مکروہ سازش کو کامیاب بنانے کیلئے بھارت کے تمام سیاسی لیڈر متحد تھے اور سرحد کے اس پار اتحاد کا فقدان تھا۔

مشرقی پاکستان کی صورتحال

بھارت نے عالمی طاغوتی طاقتوں کی سرپرستی میں عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنا آلہ کار بنا کر سازشوں کے ذریعے مشرقی پاکستان کے حالات اپنے حق میں کر لیے تھے ایسٹ پاکستان رائفلز، باقاعدہ تربیت یافتہ ایسٹ بنگال رجمنٹ، پولیس فورس اور پہلے ڈویژن کے بنگالی افسران اور جوان باغی ہو کر دشمن سے جا ملے تھے۔

پاک فوج کیخلاف گوریلا آپریشن کرنے کیلئے اسرائیل سے ایک یہودی ''جنرل جیکب'' کی مدد لی گئی گوریلا کارروائیوں کے ماہر اس جنرل نے بھارت کی ایسٹرن کمانڈ میں شامل ہو کر ریفیوجی کیمپوں میں باغیوں کی تربیت شروع کر دی اس نے گوریلا ٹریننگ کے بعد اسلحہ اور تمام جنگی سامان کیساتھ باغیوں اور بھارتی کمانڈوز کو گلی کوچوں میں پھیلا دیا تھا اس سے دشمن کا مقصد یہ تھا کہ پاک فوج کے جوانوں کو مشرقی پاکستان کے مختلف علاقوں اور حصوں میں بکھیر کر تھکا دیا جائے تاکہ باقاعدہ جنگ کی صورت میں یہ لڑنے کے قابل نہ رہیں یہودی جنرل کے تیار کردہ ان گوریلوں نے وسیع پیمانے پر ایسی خطرناک کارروائیاں شروع کر دیں کہ پاکستان آرمی کے جوان پہلے کمپنی پھر پلاٹون اور پھر سیکشن میں بکھر گئے۔

ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نامہ نگار نے اتوار 21 نومبر 1971ء کو اپنے خبرنامے میں لکھا تھا کہ

> ''گوریلے خون ریز جنگ لڑ رہے ہیں ان گوریلوں کا مقصد یہ ہے کہ انڈیا کیساتھ جنگ سے پہلے پہلے پاکستان آرمی کو انتہائی کمزور کر دیا جائے۔
> مشرقی پاکستان میں سرگرم 50 ہزار گوریلوں سے

لڑنے کیلئے پاکستان کے پاس صرف تین ڈویژن فوج
ہے جن کو سرحدوں کی بھی حفاظت کرنی ہے''۔

مکتی باہنی کے ہاتھوں غیر بنگالیوں کا قتل عام، لوٹ مار، املاک کو نذر آتش کرنا اور ظلم کا مظاہرہ اپنے عروج پر تھا مسجدوں تک میں لڑکیوں کی آبروریزی کر کے انھیں قتل کیا جا رہا تھا وہ بنگالی بھی بے دردی سے قتل کردیئے گئے جو پاک فوج کو راشن وغیرہ سپلائی کرتے تھے، باغیوں کیساتھ بھارتی گوریلا فورس نے اس قدر تباہی بپا کردی تھی کہ اس سے کسی کی بھی جان و مال اور عزت محفوظ نہ رہی جب افواج پاکستان کے جوان مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے اور محب وطن بنگالی پاکستانیوں کو بچانے کیلئے آگے جاتے تو یہ گوریلے انکے پیچھے تجربہ کار بھارتی انجینئرز کی مدد سے بارودی سرنگیں بچھا کر پل اُڑا دیتے تھے۔

محبِ وطن لوگوں کے خون میں ڈوبے ہوئے مشرقی پاکستان کے حالات پاک فوج کے جوانوں کیلئے کسی قیامت سے کم نہ تھے خانہ جنگی اور بغاوت کی وجہ سے قدم قدم پر مزاحمت کا سامنا کرنیوالی پاک فوج عملاً بے بس ہوگئی تھی کیونکہ انکے سامنے دشمن کا کوئی واضح تصور نہ تھا۔

مشرقی پاکستان کے اندر مکتی باہنی کی نفری تقریباً ایک لاکھ تھی جس میں سے 30 ہزار باقاعدہ فوج اور 70 ہزار گوریلا جنگ لڑنے والے تھے اس حوالے سے ہندو لیڈر مرار جی ڈیسائی جو بھارت کے وزیراعظم اور نائب وزیراعظم رہ چکے ہیں ان کا بروز جمعہ مورخہ 27 جون 1975ء کو اٹلی کی ایک صحافی خاتون ''اوریانہ فلاشی'' کو دیا گیا انٹرویو ریکارڈ پر ہے جو امریکی ہفت روزہ ''نیوری پبلک'' میں شائع ہوا تھا جس میں اُس نے یہ اعتراف کیا تھا کہ

''مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کا دراصل کوئی وجود نہ تھا
یہ سب کے سب بھارت کے تربیت یافتہ چھاپہ مار

کمانڈوز تھے جو بنگالی مسلمانوں کے بھیس میں اپریل
سے دسمبر 1971ء تک پاکستانی فوج کے خلاف لڑتے
رہے اور دنیا کو یہ تاثر دیا جاتا رہا کہ مشرقی پاکستان کے
بنگالیوں نے پاک آرمی کیخلاف ہتھیار اُٹھا لیے ہیں۔
اندرا گاندھی نے بنگالیوں کے بھیس میں اپنی فوج
کو لڑانے کا جو تجربہ کیا تھا وہ ناکام ہو گیا اور اس میں
بھارتی فوج کو زبردست نقصان ہوا یہ بازی ہارتے
دیکھ کر بھارتی فوج کے چیف آف اسٹاف نے اندرا
گاندھی سے کہا کہ مشرقی پاکستان سے تمام کمانڈوز
واپس بلا لیے جائیں یا کھلا حملہ کر دیا جائے ورنہ ہم نے
وہاں جتنے بھی کمانڈوز بھیجے ہیں وہ سب کے سب
مارے جائیں گے تو بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے
مشرقی پاکستان پر کھلے حملے کا حکم دے دیا''۔

پاک فوج کے بہادر سپاہیوں نے اپریل 1971ء سے شروع ہونیوالی بغاوت، سازش، خانہ جنگی اور گوریلا کارروائیوں کا جس دلیری و بہادری سے مقابلہ کیا وہ فرض کی لگن جذبہ ایمانی اور حب الوطنی کی بے مثال داستان ہے۔

یاد رہے کہ تھکاوٹ اور بے سروسامانی کی
حالت میں محصور پاک فوج کے جوانوں، افسروں
اور فوجی قیادت کا آپس میں رابطہ منقطع ہو چکا تھا اسکے
باوجود یہ جانباز سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں اپنی

کمان سے بچھڑ کر بھی لڑتے رہے اور جب انکے
جسموں میں آخری سانسیں رہ گئی تھیں تو ان پر دشمن نے
چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان میں تقریباً ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا اور درمیان میں بھارت تھا سمندر اور دریاؤں میں انڈین نیوی اور فضا میں بھارتی ایئر فورس کی حکمرانی تھی محل وقوع کے لحاظ سے بھی یہ خطہ ہر طرف سے دشمن کے محاصرے میں تھا میدان جنگ سے بہت دور دارالخلافہ اسلام آباد پہلے سے تعینات تین ڈویژن فوج کو مدد اور کمک پہنچانے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

پاک فوج کی تین ڈویژن فوج بے سروسامانی کی حالت میں دشمن اور باغیوں کا مقابلہ کر رہیں تھیں جبکہ بہت سے جوانوں کی وردیاں پھٹ چکی تھیں اور کئی جوان بوٹ پھٹ جانیکی وجہ سے ننگے پاؤں لڑ رہے تھے۔

بھارتی فوج کا حملہ

ہندوستانی قیادت نے بغاوت، خانہ جنگی اور اپریل سے جاری گوریلا آپریشن کے بعد جب یہ محسوس کیا کہ اب پاک فوج ہر طرح کی کمک سے محروم اور چاروں طرف سے مکمل محاصرے میں ہے تو بھارتی فوج نے 20 اور 21 نومبر 1971ء کی درمیانی شب حملہ کر دیا۔

دشمن کا خیال تھا کہ بے سروسامانی کی حالت میں بکھری ہوئی پاک فوج زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے گی حقیقت بھی یہی تھی کہ اسلحے کی کمی، تھکاوٹ، کم نفری اور ایئر فورس کے بغیر پاک فوج کے جوان اپنی پیشہ وارانہ مہارت اور وطن عزیز پر قربان ہونے کے جذبے

کے باوجود حملہ روکنے کی پوزیشن میں نہ تھے مگر ہزار بار سلام ہو افواج پاکستان کے ان دلیر جوانوں اور مادرِ وطن کے بہادر بیٹوں پر کہ جنھوں نے اپنے ایمانی جذبوں سے 16 دسمبر تک ایک طرف باغی بنگالی ،مکتی باہنی کے بھیس میں بھارتی گوریلا کمانڈوز اور دوسری طرف ہندوستانی فوج کے شدید ترین حملوں کا دلیری سے مقابلہ کیا۔

میجر محمد اکرم ،انکی یونٹ اور افواج پاکستان کے سپاہی 8 ماہ سے اس مشکل ترین لڑائی کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے پاک فوج کے ان عظیم سپاہیوں نے بھوکے پیاسے رہ کر بھی بدترین حالات کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ جب وقت پڑا تو وطن کی عظیم ماؤں کے ان بہادر بیٹوں نے اپنی جانیں بھی ارض پاک پر نچھاور کر دیں۔

معرکہ ہلی

دشمن نے دو پہاڑی ڈویژن ،ایک پہاڑی بریگیڈ ،ایک آرمی بریگیڈ ،کور آرٹلری اور ایئر فورس کے جیٹ طیاروں کی مدد سے ضلع دیناج پور کے ہلی سیکٹر پر حملہ کر دیا اس حملے میں بھارت کا ایک بکتر بند بریگیڈ جس میں روس کے دیئے ہوئے خشکی پر چلنے اور پانی میں تیرنے والے PT76 ٹینک اور رات کے اندھیرے میں لڑنے والے T55 ٹینک بھی شامل تھے جبکہ اس شدید ترین حملے کا مقابلہ پاک فوج کا تھکا ماندہ صرف ایک پیادہ ڈویژن کر رہا تھا جسے پاک فضائیہ کی بھی مدد حاصل نہ تھی اسکے علاوہ تین سو بھارتی توپوں کا سامنا کرنے کیلئے جوانوں کے پاس صرف چند چھوٹی توپیں ہی تھیں۔مگر اسکے باوجود میجر محمد اکرم اور انکی قلیل نفری نے اسلحہ کی کمی اور کمک سے محروم ہونے کے باوجود ذاتی شجاعت کے حیران کن کارنامے دکھاتے ہوئے ان بھرپور حملوں کو بڑی بہادری سے پسپا کیا۔

دشمن کیلئے یہ محاذ انتہائی اہم تھا کیونکہ وہ ہلی سیکٹر پر قابض ہو کر مشرقی پاکستان کے باقی حصوں کی سپلائی مکمل معطل کرنا چاہتا تھا یہی وجہ ہے کہ اس محاذ پر مسلسل ناکامی اور جانی

نقصان کے باوجود بھی دشمن کے حملے جاری تھے۔ میجر محمد اکرم کی کمپنی نے بے سروسامانی کی حالت میں بھی کئی روز تک دراندازبھارتی فوج کی پیش قدمی کو روکے رکھا مگر دوسری طرف دشمن فوج کو کمک ملنے کا سلسلہ مسلسل جاری تھا وہ تازہ دم فوج آنے کے بعد ایک بار پھر بھرپور فوجی طاقت سے حملہ آور ہوتا لیکن پاک فوج کے جوان دلیری سے لڑتے ہوئے اور اپنا آپ وطن عزیز پر قربان کر کے دشمن کے بڑھتے ہوئے قدم پھر روک دیتے تھے۔

ایک طرف روس، اسرائیل اور امریکہ کے جدید ترین ہتھیاروں کیساتھ ہزاروں کی تعداد میں دشمن تھا تو دوسری جانب بے سروسامانی کی حالت میں تھکن سے چور اور ہر طرح کی کمک سے محروم میجر محمد اکرم اور انکے چند ساتھی تھے جو کئی روز سے دشمن کے طاقتور حملوں کو روک رہے تھے لیکن بالآخر لڑتے لڑتے وہ وقت بھی آ گیا کہ چند بکتر بند گاڑیاں تھیں وہ بھی اس قابل نہ رہیں کہ اپنی پیدل فوج کے کام آسکیں۔

جب ہندوستان کی بکتر بند رجمنٹس پورے علاقے میں پھیل گئی اور بھارتی ٹینک اندھا دھند گولہ بارود برسا رہے تھے تو ایسے موقع پر بھی میجر اکرم اور انکی یونٹ کے جوانوں نے پاک فوج کی اعلیٰ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آخری وقت تک دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن جب اسلحہ ختم ہونے کے بعد صورتحال بے قابو ہونے لگی تو میجر محمد اکرم کی ہدایت کے مطابق جوانوں کی جانب سے مکمل خاموشی ہوگئی۔

دشمن فوج کو بھی یہ معلوم تھا کہ ہر طرح کی کمک سے محروم پاک فوج کی اس کمپنی کے پاس اسلحہ بالکل ختم ہو چکا ہے چنانچہ وہ بدمست ہو کر فاتح کی طرح آگے بڑھنے لگا جب بھارتی فوج بہت قریب آ گئی تو میجر محمد اکرم کی قیادت میں پاک فوج کے یہ دلیر جوان دستی بموں، سنگینوں اور رائفلوں کی مدد سے ان پر ٹوٹ پڑے اس لڑائی میں دشمن کا نقصان تو بہت ہوا مگر اسکی عسکری قوت میں کوئی خاص کمی نہ ہوئی کیونکہ بھارتی سنچورین ٹینکوں کی ایک لمبی قطار پاک فوج کے نہتے جوانوں کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔

پاک فوج کے یہ جوان مسلسل لڑتے لڑتے تھکے ضرور تھے، نفری بھی کم اور اسلحہ

بھی ختم تھا، زخموں سے بھی چور تھے مگر سانسیں ابھی باقی تھیں جسے وہ مادرِ وطن کی امانت سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان حالات میں بھی میجر محمد اکرم اور انکے ساتھیوں نے آخری سانس تک پیش قدمی کو روکے رکھا۔

اگر چہ دشمن کے مقابلے میں اب پاک فوج کی کمپنی نہتی تھی لیکن اسکے باوجود جب تک میجر محمد اکرم اور انکے جانثار سپاہیوں کی سانسیں چل رہی تھیں اُسوقت تک ہندوستانی فوج اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی۔

اس اہم ترین معرکہ میں میجر محمد اکرم نے لازوال جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کیا اور وطن عزیز سے محبت اور خاکی وردی کا حق ادا کرتے ہوئے خالی ہاتھ ہونے کے باوجود آخری وقت تک ڈٹے رہے اور بالآخر لڑتے لڑتے اپنے پاک لہو کا نذرانہ دے کر شہید ہوگئے۔ پاکستان کے اس عظیم سپوت کو مشکل ترین حالات میں فرض کی ادائیگی اور جان کا نذرانہ پیش کرنے پر ''نشانِ حیدر'' کے اعزاز سے نوازا گیا۔

دشمن کا اعتراف

''معرکہ ہلی''، میں شہید میجر محمد اکرم اور انکے مٹھی بھر ساتھیوں نے بہادری اور جانبازی کے جو مظاہرے کیے انھیں دشمن نے بھی دل کھول کر خراج تحسین پیش کیا ہے، بھارتی کمانڈر انچیف جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ نے اتوار 16 دسمبر 1973ء کو بھارت کے ہفت روزہ ''اسٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا''، میں شائع ہونیوالے ایک انٹرویو میں معرکہ ہلی کے حوالے سے کہا کہ

> ''انڈین آرمی نے ہلی کے مقام پر بھرپور حملہ کیا جہاں
> اسے بڑے ہی سخت مقابلے اور پُرعزم مزاحمت کا

سامنا ہوا، اور اسی محاذ پر سب سے زیادہ خون ریز لڑائی
لڑی گئی''۔

بھارتی جرنیلوں نے مشرقی پاکستان میں لڑنیوالی پاکستانی سپاہ کی بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کوئی فوج مجبوری اور بے سروسامانی کی حالت میں بھی ایک طویل عرصے تک بہت بڑی قوت کے سامنے دلیری سے لڑتی رہے جس طرح کہ پاک فوج کی اتنی قلیل تعداد لڑی۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد بھارتی فیلڈ مارشل مانک شا کا انگریزی جریدے ''ڈیپونیئر'' میں ایک انٹرویو شائع ہوا جس میں اس نے پاک فوج کے جوانوں کی بہادری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا

''مشرقی پاکستان کی جنگ غیر متوازن تھی میں اس
بات کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ وہ ہمارے محاصرے
میں تھے وہ نہایت اچھے لڑنے والے فوجی ہیں جو
نہایت ہی اچھی طرح اور بڑی شدت سے لڑے''۔

چھٹا نشانِ حیدر

شہید

میجر شبیر شریف

بدھ ۲۸ اپریل ۱۹۴۳ء

تا

پیر ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء

Major
Shabir Sharif
Shaheed

شبیر شریف

ولدیت	:	محمد شریف
تاریخ پیدائش	:	بدھ 28 اپریل 1943ء
جائے ولادت	:	قصبہ کنجاہ، گجرات۔ صوبہ پنجاب
آرمی نمبر	:	6911
رینک	:	میجر
آرمڈ سروس	:	ایف ایف آر (فرنٹیر فورس رجمنٹ)
تاریخ شہادت	:	پیر 6 دسمبر 1971ء
بمقام	:	سلیمانکی ہیڈ ورکس، وا ہگہ سیکٹر
آخری آرام گاہ	:	میانی صاحب قبرستان لاہور۔ صوبہ پنجاب
عرصہ حیات (ظاہری)	:	28 سال 7 ماہ 8 دن

شام کا وقت تھا جنگ ستمبر اپنے عروج پر تھی
دفاع وطن کی خاطر قربان ہو جانیوالے 10 شہداء کی
نعشیں میدان جنگ میں فرشتوں سے داد شجاعت
وصول کر رہی تھی جبکہ دوسری طرف پاک فوج
کے 54 جوان شدید زخمی حالت میں تھے صورتحال
انتہائی سنگین ہوگئی تو کمانڈنگ آفیسر نے سب جوانوں
کو چک بھگوان گاؤں کے پیچھے پوزیشن سنبھالنے اور
تنظیم نو کی خاطر واپس بلایا جبکہ پاک آرمی کا ایک
نوجوان زخمی سیکنڈ لیفٹیننٹ اپنے ایڈجوٹنٹ سے کہہ رہا
تھا کہ

''میں اپنے شہیدوں اور زخمیوں کو لیے بغیر واپس نہیں
جاؤں گا''۔

ایڈجوٹنٹ میجر انوار اس نوجوان کو سمجھا
رہے تھے کہ یہ جنگ ہے اس میں بہت کچھ برداشت
کرنا پڑتا ہے وقت بہت کم ہے ہمارے پاس کوئی

گاڑی بھی نہیں شہیدوں کو ہم صبح لے جائیں گے فی الحال تم فوراً واپس جاؤ، یہ نوجوان بولا

''تو آپ مجھے اجازت دیں میں دشمن کی کوئی گاڑی چھین لاتا ہوں''۔

یار یہ خالہ جی کا گھر نہیں اور دشمن تمہارا کزن نہیں کہ لڑ جھگڑ کر اس سے کھلونے چھین لاؤ گے یہ جنگ کا میدان ہے تم واپس اپنی کمپنی میں جاؤ ایڈ جوٹنٹ میجر انوار نے حکم دیا۔

اس زخمی نوجوان کو اپنے شدید زخم کی نہیں بلکہ شہداء اور زخمیوں کو واپس لے جانیکی فکر تھی یہ نوجوان واپس اپنی کمپنی میں تو چلا گیا لیکن وہاں سے شہداء اور زخمیوں کو اُٹھانے کیلئے دو سپاہی ساتھ لیے اور خود اکیلا زخمی حالت میں دشمن کے توپ خانے کی طرف نکل گیا تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھارتی ٹرک کے ساتھ واپس آیا جس میں حیران و پریشان سہما ہوا بھارتی ٹرک کا ڈرائیور بیٹھا تھا، شہداء کی نعشوں اور زخمیوں کو لے جانے کا بندوبست کرنیوالا یہ زخمی نڈر جوان'' شبیر شریف''ہی تھا۔

شبیر شریف پاک آرمی کے وہ واحد خوش نصیب افسر ہیں جنہیں اپنی مختصر سروس کے دوران فوج کے تمام بڑے اعزازات یعنی کمیشن کے وقت ''اعزازی شمشیر'' (Sword of Honour) 1965ء کی جنگ میں ستارۂ جرأت،تمغۂ دفاع اور بعدازاں 1971ء کی جنگ میں ملک کا سب سے بڑا اور اعلیٰ فوجی اعزاز ''نشانِ حیدر'' عطا ہوا۔

خاندانی پس منظر

راجپوت فیملی سے تعلق رکھنے والے شبیر شریف کا گھرانہ قبول اسلام کے وقت کشمیر میں آباد تھابعدازاں یہ خاندان گجرات کے قصبے ''کنجاہ'' میں آباد ہوگیارب تعالیٰ پر ایمان اور دین حق پر آنے کے بعد انھوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی خاطر وقف کر دی تھیں انکے خاندان میں ایک بزرگ اللہ والی ہستی ایسی بھی گزری ہے جنھوں نے ساری زندگی خالق کائنات کا سچا پیغام اُسکی مخلوق تک پہنچایا اپنے کردار وعمل کے ذریعے انسان دوستی اور محبتوں کا درس دینے والی یہ ہستی ''میاں محمد بخشؒ'' کی ہے جوشبیر شریف کے پردادا تھے یہ عظیم روحانی شخصیت عاجزی وانکساری، ریاضت وعبادت، خدمت خلق اور اللہ کی مخلوق سے محبت کی وجہ سے معرفت الٰہی کی اعلیٰ منزل پر فائزتھی انھوں نے حق وسچ کا درس اپنی اولاد کوبھی دیا یہی وجہ ہے کہ میاں محمد بخش کی وفات کے بعد انکے فرزند میاں غلام حسین اور پھر پوتے میاں شہاب الدین نے اس عظیم مقصد کو آگے بڑھایا۔

بابا محمد شریف

شبیر شریف کے والد محمد شریف ابھی گیارہ سال کے ہی تھے کہ یتیم ہو گئے گھر کے سربراہ یعنی شبیر شریف کے دادا میاں شہاب الدین کی وفات کے بعد اس گھر کی آزمائشیں شروع ہوگئیں۔

خواتین سمیت اللہ کے پیاروں کی ان اولادوں نے اس مشکل وقت اورامتحان میں بھی صبروشکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا،شبیر شریف کی دادی نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی یہی وجہ ہے کہ شبیر شریف کے والد محمد شریف نے 1935ء میں ضلع گجرات کے اسلامیہ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کرلیا اور سگنل کور میں بھرتی ہوکر تربیت کیلئے جبل پور چلے گئے جوانگریزوں کے دورحکومت میں بہت بڑا ملٹری ٹریننگ سینٹر

تھا اور یہاں کچز کالج نو کا نگ سے ملٹری کا اعلیٰ ترین ''اسپیشل آرمی کورس'' پاس کیا۔

قیام پاکستان کے بعد شبیر شریف کے والد نے پاک فوج کا انتخاب کیا اور انہیں 20 اگست 1948ء کو پاک فوج میں کمیشن مل گیا، پانچ سال کا عرصہ راولپنڈی میں گزرا یہاں محمد شریف کا ایک بڑا امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے سگنل سینٹر کے قیام میں اہم خدمات انجام دیں اسکے علاوہ نوشہرہ، جہلم، کوئٹہ، لاہور اور مشرقی پاکستان میں بھی مختلف حیثیت میں فرائض انجام دیتے رہے۔

شبیر شریف کے والد محمد شریف فطری طور پر بے حد نڈر، صاف گو اور باہمت انسان تھے اپنی محنت، فرض شناسی اور قابلیت کی وجہ سے وہ ایک عام سپاہی سے ترقی کرتے ہوئے 1955ء میں میجر رینک تک پہنچے۔

پیدائش ... تعلیم

''شبیر شریف'' بروز بدھ مورخہ 28 اپریل 1943ء کو گجرات کے ''ضلع کنجاہ'' میں پیدا ہوا، ماں جی محترمہ بیگم فضل شریف نے اپنے بچے کا نام شبیر رکھا یہی وہ گھر تھا جہاں سے اسکی ابتدائی تربیت کا آغاز ہوا، پانچ برس کی عمر میں شبیر شریف کو راولپنڈی کے ایک بہترین اسکول ''پریزنٹیشن کنوونٹ'' میں داخل کروادیا گیا۔

شبیر شریف کے والد کا تعلق پاکستان آرمی سے تھا اور فوجی زندگی میں ایک شہر سے دوسری جگہ تبادلے معمول کی بات ہے یہی وجہ تھی کہ شبیر شریف کا تعلیمی سلسلہ بھی مختلف شہروں میں رہا وہ مری میں سینٹ میری اسکول اور کوئٹہ میں سینٹ فرانسس گرامر اسکول سے وابستہ رہے 1959ء میں والد کا تبادلہ جب لاہور ہوا تو سینٹ انتھونی اسکول درس گاہ ٹھہرا شبیر شریف نے یہاں سے سینئر کیمبرج کرنے کے بعد ''گورنمنٹ کالج لاہور'' میں داخلہ لیا۔

فوج میں شمولیت

شبیر شریف کا تقریباً پورا خاندان پاکستان آرمی سے وابستہ تھا خاندان کے بیشتر افراد سمیت والد، پانچوں چچا، دونوں چھوٹے بھائی اور بہنوئی پاک فوج میں مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیتے رہے اور دے رہے ہیں شہید میجر عزیز بھٹی ''نشانِ حیدر'' بھی شبیر شریف کے کزن ہیں دو برس چھوٹے بھائی ممتاز شریف نے بھی ستارہ بسالت کا اعزاز پایا یعنی یہ ایک مکمل فوجی خانوادہ تھا۔

فوجی گھرانہ ہونیکی وجہ سے شبیر شریف کی تربیت عسکری ماحول میں ہوئی وہ فطرتاً نڈر اور بہادر تھا فوجی بننا اسکی دیرینہ خواہش تھی یہی وجہ ہے کہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیے ابھی چھ ماہ کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ وہ کیڈٹ بھرتی ہو کر پی ایم اے کاکول (ایبٹ آباد) چلا گیا جہاں شبیر شریف کو ''29 ویں لانگ کورس'' کیلئے سلیکٹ کیا گیا۔

پاک فوج کی ایک یونٹ، ایک کمپنی، ایک بٹالین، ایک بریگیڈ اور ایک رجمنٹ شبیر شریف کی منتظر تھی اسکی وردی اسکے بوٹ اسکے سینے اور کندھے پر لگنے والے بیجز بھی اس اعزاز کو پانے کیلئے بے تاب تھے۔

مرحلہ وار کامیابیاں طے کرنے کے بعد 19 اپریل 1964ء کو کمیشن حاصل کیا شبیر شریف کو پاسنگ آوٹ پریڈ میں سب سے بڑے فوجی تربیتی اعزاز ''اعزازی شمشیر'' سے نوازا گیا، پاس آوٹ ہونے کے بعد انہیں اپنی خواہش کے مطابق ''فرنٹیئر فورس رجمنٹ'' کی چھٹی (6th) بٹالین میں تعینات کیا گیا، اس کی محنت ومشقت اور صلاحیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کاکول اکیڈمی میں انہیں ''Bull'' کا نام دیا گیا۔

پی ایم اے (پاکستان ملٹری اکیڈمی)

پاسنگ آوٹ کے وقت کمانڈنٹ بریگیڈیئر سلطان محمد نے شبیر شریف کے حوالے سے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ

''اعلیٰ کارکردگی کا مالک کیڈٹ جو ذہین، محنتی اور نئی چیزیں سیکھنے میں مشاق ہے معلومات عامہ کے وسیع ذخائر کا مالک پُر زور اور وزنی دلائل کے ساتھ روانی سے گفتگو کرتا ہے۔بحیثیت بٹالین انڈر آفیسر اس نے اپنا کام انتہائی خوبی سے انجام دیا۔

کمانڈ اینڈ کنٹرول میں اعلیٰ کارکردگی کے علاوہ وہ جنگی منصوبوں کیلئے ذہنی صلاحیت کے استعمال میں بھی مہارت رکھتا ہے وہ مخلص، دیانتدار، قابل اعتماد، نظم وضبط کا پابند اور فٹبال کا ایک اچھا کھلاڑی ہے اسکی دیگر صلاحیتوں میں بالغ النظر ہونے کے ساتھ ساتھ باتدبیر اور معتدل مزاج ہونا نمایاں ہے وہ انتہائی ملنسار، خوش اطوار اور باوقار سخت جان کیڈٹ ہے جو پہل کرنے کا حوصلہ رکھنے والا اور مشکل سے مشکل حالات میں مسکراتے ہوئے خوش اسلوبی سے کام کرنیکی صلاحیت رکھتا ہے اسے بہترین اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں اعزازی شمشیر سے نوازا گیا ہے''۔

خالدہ ... بہن ... خالدہ جی

شبیر شریف ، خالدہ سے تقریباً ڈھائی سال چھوٹے تھے یہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں اسی لیے گھر والے انھیں خالدہ جی کہہ کر پکارتے تھے ،شبیر شریف اور خالدہ جی کے درمیان دوستی کا بھی ایک مضبوط رشتہ تھا۔

خالدہ جی جن دنوں لاہور کالج فارویمن کی طالبہ تھی تو شبیر شریف ہی پک اینڈ ڈراپ کی سروس دیا کرتا یہ خالدہ جی کی دلیری ہی تھی کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی شبیر شریف کیساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھنے کا رسک لیتی کیونکہ وہ موٹر سائیکل اس قدر تیز دوڑاتا کہ بڑی بہن کی آنکھوں سے آنسو آجاتے اور گھر پہنچنے تک حلیہ بگڑ جاتا لیکن اسکے باوجود خالدہ جی کو صرف شبیر شریف کے ساتھ ہی آنا جانا پسند تھا۔

خالدہ جی نے انگریزی ادب میں ایم اے کیا اور درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ ہوگئیں جبکہ انکے شوہر میجر سعادت علی خان کا تعلق بھی پاک فوج سے ہے جو 1971ء کی جنگ میں شبیر شریف کی یونٹ کے سیکنڈ ان کمانڈ تھے۔

نجمی ... بہن

نجمی ، شبیر شریف سے تقریباً چھ برس چھوٹی تھی بڑی بہن کی طرح انہوں نے بھی انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ان کی شادی پی آئی اے میں خدمات انجام دینے والے کامران علی خان سے ہوئی۔شبیر شریف اپنی چھوٹی بہن کی خوشی اور ضرورتوں کا خاص خیال رکھتے کالج یا کسی سہیلی کے گھر جانا ہوتا تو یہ ڈیوٹی شبیر شریف ہی انجام دیتے۔

فوجی ملازمت کے دوران چھوٹی بہن نجمی کی سالگرہ ہمیشہ یاد رکھتے ہوئے سالگرہ میں شریک ہونے کیلئے گھر پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور جب کبھی کوئی اہم فوجی ذمہ داری

درپیش ہوتی تو وِش کارڈ ضرور بھیجتے اگر نجمی کبھی ناراض ہو جاتی تو منانے کیلئے مختلف حیلے بہانے کرتے اور منائے بغیر چین سے نہ بیٹھتے۔

راحیل شریف

شبیر شریف سے گہری مشابہت رکھنے والا راحیل شریف گھر میں سب سے چھوٹا تھا چھوٹے ہونیکی وجہ سے وہ گھر بھر کے لاڈلے تھے دونوں بھائیوں کی عمر میں تقریباً 15 سال کا فرق تھا، شبیر شریف کو چھوٹے بھائی سے بے حد محبت تھی یہی وجہ ہے کہ وہ نصابی اور غیر نصابی ہر میدان میں راحیل شریف کو سب سے آگے دیکھنا چاہتے تھے اس مقصد کے حصول کیلئے شبیر شریف کا چھوٹے بھائی کی تربیت کرنے کا اپنا ہی ایک مختلف انداز تھا انھوں نے غیر محسوس طریقے سے چھوٹے بھائی کو سخت جان اور مضبوط بنایا۔

کاکول اکیڈمی (ایبٹ آباد) میں راحیل شریف دو مرتبہ بڑے بھائی کے پاس آکر ٹھہرے تھے اس دوران شبیر شریف انھیں ساتھ لے کر گھنٹوں پیدل چلا کرتے ایک دفعہ کاغان گئے تو وہاں سے ناران تک کا سفر دونوں بھائیوں نے پیدل ہی چل کر طے کیا وہ جب بھی گھر سے دور ڈیوٹی پر ہوتے تو راحیل شریف کو خط ضرور لکھتے، لکھے جانے والے یہ خطوط بھی تربیت کا ہی حصہ تھے۔

''اسکول سے لیکر پاکستان کی بری فوج کے سربراہ بننے تک راحیل شریف نے آج تک جو کامیابیاں حاصل کیں یہ کامیابیاں عمومی طور پر سب گھر والوں کی جانب سے اپنے گھر کے چھوٹے راحیل شریف سے محبت اور خصوصی طور پر بڑے بھائی شبیر شریف کی تربیت اور توجہ کا ثمر ہے''۔

شریف فیملی کا منفرد انداز

شبیر شریف کے والد 6 جون 1965ء کو میجر رینک پر ریٹائر ہوئے ابھی ریٹائرمنٹ کو تین ماہ کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ دشمن نے رات کی تاریکی میں ارض پاک پر حملہ کر دیا چونکہ حملہ آور کے مقابلے میں پاک فوج کے جوانوں کی تعداد بہت کم تھی اس لیے AER (آرمی ایمرجنسی رولز) کے تحت میجر محمد شریف سمیت دوسرے ریٹائرڈ فوجیوں کی خدمات دوبارہ حاصل کی گئیں۔ وطن عزیز کی جانب پیش قدمی کرنے والے بھیڑیوں سے نمٹنے کیلئے ان بوڑھے تجربہ کار شیروں نے مادرِ وطن کی صدا پر لبیک کہا۔ شبیر شریف کے والد میجر محمد شریف بوڑھے شیر کی مانند میدان جنگ میں اُترے جبکہ یہ اعزاز کسی بھی فوجی افسر کیلئے بیش قیمت ہے کہ ایک ہی میدان کارزار میں وہ اپنے جواں سال افسر بیٹے کے ہمراہ دونسلوں کا مادرِ وطن سے حفاظت کا عہد باندھ رہا ہو اور دونوں باپ بیٹا دشمن کی نیست ونابودی کیلئے ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کے خواہشمند ہوں، یقیناً اگر چشم تصور سے اس موقع پر میجر (ر) محمد شریف کے چہرے کا خاکہ کھینچا جائے تو وہ کچھ اسطرح ہوگا کہ جیسے وہ اپنے ابرو سے اشارہ کر کے اپنے بیٹے کی جانب توجہ دلوار ہے ہوں اور فخریہ انداز میں پھر اپنے نوجوان بیٹے سیکنڈ لیفٹیننٹ شبیر شریف کی کمر تھپ تھپا کر یہ کہہ رہے ہوں کہ

''میں تجھ میں اپنی جوانی دیکھ رہا ہوں''۔

راقم کا وجدان کہتا ہے کہ فرشتے خدا کے حضور حضرت ابراہیم واسماعیل اور حضرت امام حسین و علی اکبر کی مثال بنا کر ان دونوں کرداروں کو پیش کرتے ہوں گے۔ اس جنگ میں شبیر شریف کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں ستارہ جرأت، تمغہ جنگ اور تمغہ دفاع کے تین اعلیٰ فوجی جنگی اعزازات سے نوازا گیا۔

جنگ ستمبر کا غازی

دشمن نے جب مملکت خداداد پر حملہ کیا تو 22 سالہ یہ نوجوان ایف ایف آر (فرنٹیئر فورس رجمنٹ) کی چھٹی بٹالین میں تعینات تھا پہلی مرتبہ کسی سیکنڈ لیفٹیننٹ کو جس کی سروس بھی صرف سوا سال تھی کمپنی کمانڈر بنا کر محاذ کشمیر پر بھیجا گیا۔

طبعیتاً خطروں سے کھیلنے والے اس نوجوان کیلئے اپنی خواہشات کی تکمیل کا یہ پہلا موقع تھا اس معرکہ میں شبیر شریف نے اپنی دلیرانہ قیادت، بہادری اور قابلیت کے بھرپور جوہر دکھاتے ہوئے دشمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جب وہ دوران جنگ شدید زخمی ہوا تو چھ ستمبر 1965ء کو سی ایم ایچ کھاریاں ہسپتال داخل کروا دیا گیا جہاں وہ نو ستمبر تک زیر علاج رہا۔

نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ شبیر شریف کیلئے محاذ جنگ سے دور رہنا ایسی تکلیف کی مانند تھا کہ جیسے کسی مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھ دیا جائے اور وہ مسلسل تڑپتی رہے اسی لئے وہ ہسپتال سے اپنا علاج ادھورا چھوڑ کر میدان جنگ میں آ پہنچا۔ انتہائی گہرا زخم تین روز میں ابھی قطعاً ٹھیک نہیں ہوا تھا سی او (کمانڈنگ آفیسر) کرنل اقبال کو علم ہوا تو شبیر شریف کو بلوا کر جواب طلب کیا اور پوچھا کہ اسپتال کی ڈسچارج سلپ کہاں ہے؟ تمھارا زخم ابھی تازہ ہے تم کیوں آئے ہو؟

دوسری طرف شبیر شریف سر جھکائے چپ کھڑا تھا کوئی جواب نہ ملنے پر سی او نے کہا کہ زخم بگڑ گیا تو پورے بازو سے محروم ہو جاؤ گے میرا مشورہ ہے کہ واپس چلے جاؤ تو شبیر شریف نے اپنے جھکے ہوئے سر کو بڑے باوقار انداز میں بلند کیا اور متانت کے ساتھ بولا سر!

''میں واپس جانے کیلئے نہیں آیا''۔

کرنل اقبال جانتے تھے یہ ضد خالص جذبوں کے ماتحت ہے چنانچہ اس سفر عشق

میں مزید حائل نہ ہوئے اور محاذ پر جانےکی اجازت دے دی جب فرنٹیئر فورس رجمنٹ کا یہ جانباز اپنی کمپنی میں پہنچا تو جوان خوشی سے پھولے نہ سمائے فضاء نعرۂ تکبیر اللہ اکبر سے گونج اُٹھی، شبیر شریف نے کوئی تقریر کی نہ نصیحت بس اس کا آنا ہی دلوں کو گرما اور حوصلوں کو بلند کر گیا۔

بھارت نے اس محاذ پر ناکامی اور شکست کے بعد دوسری جانب چونڈہ پر حملہ کر دیا جہاں دنیا کی سب سے بڑی ٹینکوں کی تاریخی جنگ لڑی گئی نوجوان شبیر شریف کو اس خون ریز لڑائی میں بھی کمپنی کی کمانڈ سونپی گئی یہاں بھی انھوں نے کم عمر ہونے کے باوجود بہترین دفاعی حکمت عملی سے لڑتے ہوئے نہ صرف وطن عزیز کا کامیاب دفاع کیا بلکہ دشمن پر کاری ضربیں لگائیں۔

شبیر شریف کی اعلیٰ پیشہ ورانہ صلاحیت وقابلیت اب روز روشن کی طرح عیاں تھی جنگ کے اختتام پر وہ بحیثیت کپتان اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو گیا۔

ستارۂ جرأت

ایف ایف آر (فرنٹیئر فورس رجمنٹ) کی چھٹی (6th) بٹالین کا جوان غازی بشیر احمد جو نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ شبیر شریف کا ماتحت تھا وہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ

> ’’جنگ کے دوران ہماری یونٹ محاذ کی طرف چلی راستے میں ایک جگہ صاحب کو حادثہ پیش آ گیا جو اُس وقت جیپ میں سوار تھے وہ معمولی زخمی ہوئے، شبیر شریف کی کمانڈ میں ہماری پیش قدمی آزاد کشمیر کی

طرف تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے شامل حال رہی اور ہماری کمپنی ہندوستانی فوج کے ایک مضبوط مورچہ جوڑیاں کے قریب پہنچ گئی نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ (شبیر شریف) نے بڑی جواں مردی اور ثابت قدمی سے دشمن پر کاری ضربیں لگائیں ایک بار تو وہ بھارتی مورچہ پر ٹوٹ پڑے اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر قلعہ کے گیٹ پر پہنچے وہاں حفاظت پر مامور سنتری کو ہلاک کرنیکے بعد باآسانی اندر گھسنے میں کامیاب ہوگئے قلعہ کے اندر انھیں ایک گاڑی جس پر پچیس پونڈ گولہ پھینکنے والی توپ نصب تھی ہاتھ لگی جسے صاحب (شبیر شریف) اپنی پوزیشن تک لے آئے۔

جنگ کے دوران ایک جھڑپ میں شدید زخمی ہونے کے بعد انھیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا مگر وہ محاذ پر جانے کیلئے مسلسل اصرار کر رہے تھے ڈاکٹروں نے انھیں زیادہ وقت بے ہوش رکھا تا کہ ان کا علاج ہو سکے مگر یہ عظیم مجاہد (شبیر شریف) تین دن بے ہوش رہنے کے باوجود پٹی سے بازو گلے میں لٹکائے اپنی جواں مردی کا ثبوت دینے پھر میدان جنگ پہنچ گیا''۔

شادی

''شادی سچے سپاہی کی زندگی میں کاتب تقدیر صرف
اس واسطے لکھتا ہے کہ اسے اولاد عطا کر کے اس سپاہی
کا اعزاز وصول کرنیوالا پیدا کردے''۔

محترمہ روبینہ لاہور کے امیر ترین گھرانے اور معروف صنعتکار میاں محمد افضل کی صاحبزادی تھیں وہ لاہور کالج فار ویمن کی طالبہ اور شبیر شریف کی بہنوں خالدہ جی اور نجمی کی سہیلی تھی۔

شبیر شریف جب بھی چھٹیوں پر گھر آتے تو بہنوں کو کالج لے جانے اور واپس لانے کی ذمہ داری ان ہی کی ہوتی انھوں نے اپنی ہونیوالی شریک حیات کو اسی ڈیوٹی کے دوران کالج میں دیکھا، بہترین سیرت و کردار سے متاثر ہوکر شادی کا فیصلہ کیا اور والد سے کہا کہ رشتے کیلئے روبینہ کے گھر جائیں۔

میاں افضل ایورشائن پینٹس کے ڈائریکٹر اور کئی کارخانوں کے حصہ دار تھے جبکہ دوسری طرف شبیر شریف کے والد میجر شریف نے اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھا ہوا تھا ابھی تک کرائے کے گھر ہی میں گزر بسر ہو رہی تھی شبیر شریف کے والد کو ان باتوں کا احساس تھا مگر بیٹے کے کہنے پر میاں افضل صاحب کے گھر چلے گئے عالیشان محل نما گھر دیکھا تو ہمت نہ ہوئی چائے پی کر اس خیال سے چپ چاپ اُٹھ آئے کہ اتنے بڑے گھرانے کی بیٹی ایک غریب کپتان سے کیسے بیاہ دیں گے۔

شبیر شریف بھی اپنی بات کے پکے اور سچے تھے چھٹی پر گھر آئے تو دوست نما والد کو منالیا آخر کار بیٹے کے مجبور اور اصرار کرنے پر شبیر شریف کے والد میجر شریف دوبارہ محترمہ روبینہ افضل کے گھر گئے اور یہ سوچتے ہوئے اس بار رشتہ مانگ لیا کہ انکار تو ہو ہی

جائے گا مگر کچھ دنوں بعد میاں افضل صاحب نے میجر شریف کو گھر چائے پر بلایا اور دوران گفتگو کہا

''شریف صاحب! ہمیں تو شریف لوگوں کی ہی تلاش
تھی اور یہ تلاش آپ سے ملنے کے بعد اب ختم ہوگئی،
ہمیں یہ رشتہ منظور ہے آپ منگنی کی تیاری کریں''۔

اس طرح 1967ء میں منگنی ہوگئی مگر شادی کی تقریب بروز ہفتہ مورخہ 25 اکتوبر 1969ء کو ہوئی۔ شریک حیات سے دوستی کا رشتہ ہو تو گھریلو زندگی انتہائی خوبصورت، خوشگوار اور مثالی بن جاتی ہے نکاح کے بعد محبت اور دوستی کے رشتے میں جڑے یہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی ضرورتوں اور خوشیوں کا خیال رکھتے۔

26 نومبر 1970ء کو جمعرات کے روز اللہ نے انہیں ایک بیٹے کی نعمت سے نوازا جس کا نام ''تیمور شریف'' رکھا گیا۔

شبیر شریف جہاں ہوتے اُداسیاں دور بھاگ جاتیں، قہقہے بلند ہوتے اور زندگی حسین ہو جاتی چونکہ وہ ایک خوش مزاج، خیال رکھنے والے، پیار کرنیوالے، خوشیاں بانٹنے اور آسانیاں دینے والے انسان تھے اس لیے دو سالہ مختصر ازدواجی زندگی کے دوران ان کا آشیانہ مسکراہٹوں اور محبتوں کا گلدستہ بنا رہا۔

فوجی خدمات......ترقی

جنگ ستمبر کے اس غازی (شبیر شریف) نے اپنی ذہانت، محنت اور قابلیت کی بدولت 14 ستمبر 1968ء کو انٹیلی جنس کورس (Intelligence course) یکم اکتوبر 1968ء کو ویپنز کورس (Weapons course) اور

12 نومبر 1970ء کو پیرا شوٹ کورس (Parachutes course) کامیابی سے مکمل کر لیے تھے۔

شبیر شریف اپنی شاندار کارکردگی کے ساتھ 19 اپریل 1966ء کو کیپٹن، یکم جون 1966ء میں ایڈ جوٹنٹ اور بعدازاں اکتوبر 1968ء میں ملٹری اکیڈمی کاکول کے انسٹرکٹر مقرر ہوئے اور اپنی اعلیٰ پیشہ ورانہ خدمات کا سفر جاری رکھتے ہوئے 19 اپریل 1970ء کو ''میجر رینک'' تک پہنچے۔

پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں میجر شبیر شریف اپنی قابلیت اور ملنسار طبیعت کی بدولت جلد ہی تمام کیڈٹس کے ہر دلعزیز ہو گئے تھے یہی وجہ ہے کہ ملٹری اکیڈمی کو میجر شبیر شریف کے جانےکی اُداسی اور کمی کا احساس ہمیشہ رہا۔

پی ایم اے (پاکستان ملٹری اکیڈمی) میں خدمات کے بعد انھیں چھ ایف ایف (فرنٹیئر فورس) انفینٹری بٹالین کا کمپنی کمانڈر بنادیا گیا۔

پی ایم اے کے کمانڈنٹ میجر جنرل سید عابد علی بلگرامی نے میجر شبیر شریف کیلئے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا

''ایک ہونہار نوجوان افسر جس یونٹ یا فارمیشن میں بھی جائے گا اس کا سرمایہ ثابت ہوگا، کھرا اور دیانتدار جسے فرض کی ادائیگی سے شدید لگن ہے مجموعی طور پر یہ اعلیٰ ترین پلاٹون کمانڈر رہے''۔

دوستی

دو طرح کے رشتے انسان کا بندھن بندھتے ہیں ایک وہ رشتے جو قدرت نے خونی رشتہ داروں کی صورت عطا کئے اور دوسرے وہ رشتے جو انسان اپنی مرضی اور خوشی سے استوار کرتا ہے انسانوں کی غالب اکثریت اللہ کے بنائے ہوئے رشتوں سے روگردانی کرتی ہوئی نظر آتی ہے جبکہ خود سے قائم کئے ہوئے رشتوں کے حوالے سے انسان زیادہ پرُامید اور وابستہ رہتا ہے معراج انسانی تو یہ ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے رشتے اور خود سے جوڑے ہوئے ناطے خلوص کی ایک تسبیح میں پروئے جائیں۔

میجر شبیر شریف ایسی ہی تسبیح کا حامل تھا جہاں اسکی طبیعت میں عزیز رشتہ داروں، گھر والوں اور بہن بھائیوں کیلئے دردمندی، محبت اور اپنائیت کے جذبے جوش مارتے تھے وہیں اپنی مرضی سے چند ایسے رشتے بھی اسکے اطراف میں تھے جو شبیر کو اپنا اور شبیر اُن کو اپنا ''دوست'' کہتا تھا۔

میجر شبیر شریف کے دوستوں میں ایک نمایاں نام جواں سال ''تنویر'' کا ہے جس کا تعلق لاہور کے رئیس خاندان سے تھا یہ دوستی ایک لمبے عرصہ پر محیط تھی جس کی ابتداء شبیر شریف اور تنویر کے درمیان اُس وقت ہوئی جب وہ دونوں ایک دوسرے کی مکمل پہچان

،شناخت اور مستقبل سے بالکل ناواقف تھے یہ تو ایک اسکول میں پڑھنے والے دو معصوم بچوں کی حقیقی پرخلوص مسکراہٹ سے شروع ہونیوالی دوستی تھی۔

شبیر شریف کی دونوں بہنیں خالدہ جی اور نجمی تنویر کو حقیقتاً اپنا چوتھا بھائی جانتی تھیں فوج میں جانے کے بعد اگر شبیر شریف کی گھر میں ضرورت پڑتی تو کہا جاتا کہ تنویر سے پتہ کرو کہ شبیر کب آئے گا۔

تنویر آسائشوں اور آسانیوں کے درمیان پلنے بڑھنے والا ایسا نوجوان تھا جو بچپن سے جوانی تک حسرت ، مجبوری اور ناکامی جیسے الفاظ سے ناواقف تھا یہی وجہ تھی کہ تنویر کی طبیعت میں طلب کے سامنے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی تنویر اپنی خواہش اور پسندیدگی کی بناء پر اپنے گھر والوں کو مرضی کی شادی پر راضی نہ کر سکا،تنویر کی زندگی میں یہ پہلی اور آخری ناکامی تھی جس کا بوجھ وہ اپنے سینے پر دھر کر بروز پیر مورخہ 17 مئی 1971ء کو دل برداشتگی کے عالم میں خودکشی کر بیٹھا۔

شبیر شریف تنویر کی اچانک جدائی سے شدید دکھی رہتا تھا وہ جب بھی لاہور گھر آتا تو کبھی اپنی اہلیہ،کبھی دوست اور کبھی اکیلے ''میانی صاحب قبرستان'' اپنے بچپن کے ساتھی کی قبر پر فاتحہ کیلئے ضرور جاتا اور یہ کہتا کہ

''تنویر! میں تمھیں زیادہ دیر تک اکیلا نہیں رہنے دونگا''۔

ایک بار شبیر شریف فاتحہ کیلئے میانی صاحب قبرستان گیا تو وہاں تنویر کی ماں قبر سے لپٹی رو رہی تھی ماں کی حالت دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا وہ بھی رو پڑا، روتے ہوئے تنویر کی ماں سے کہا کہ یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ ماں بولی بیٹا!

''خودکشی حرام ہے! مجھے کسی پل چین نہیں ،دل ہمیشہ

پریشان رہتا ہے کہ تنویر کی مغفرت ہوگی بھی یا نہیں ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی اور صدقات کرنے کے باوجود تنویر خواب میں مجھے کبھی خوش نظر نہیں آیا ہمیشہ بے چین ،گھبرایا ہوا اور تکلیف میں ہی نظر آیا ہے، عالم دین کہتے ہیں کہ اگر تنویر کے پہلو میں شہید کی تدفین ہو جائے تو شاید تنویر کی بے قرار روح کو چین آجائے"۔

میجر شبیر شریف تو پورے خلوص سے رشتے نبھانے کا قائل تھا اس نے شہادت سے پہلے وصیت کی کہ انھیں اپنے آبائی گاؤں اور فوجی قبرستان کی بجائے دوست کے پہلو میں دفن کیا جائے گھر والوں نے وصیت کے مطابق شبیر شریف کو مرحوم تنویر کے پہلو میں ہی سپرد خاک کیا شہید شبیر شریف کی تدفین کے بعد تنویر کی والدہ نے اسی رات خواب میں اپنے بیٹے کو پہلی بار مسکراتے ہوئے اچھی حالت میں پرسکون دیکھا، یقیناً باری تعالیٰ نے راہِ حق کے مسافر کی سفارش مان لی ہوگی۔

گھر والوں سے آخری ملاقات

شہادت سے پانچ روز قبل یکم دسمبر 1971ء جمعرات کے دن میجر شبیر شریف کے والد اپنی بہو روبینہ شریف اور پوتے تیمور کو لے کر اپنے بیٹے سے ملنے سلیمانکی ہیڈ ورکس آئے جہاں شبیر شریف کے بہنوئی یونٹ کے سیکنڈان کمانڈ میجر سعادت علی خان اور بی کمپنی کے 20 سالہ نوجوان افسر سیکنڈ لیفٹیننٹ فاروق افضل (تمغہ جرأت) بھی موجود تھے ان عظیم لوگوں نے ریسٹ ہاؤس میں تین گھنٹے ساتھ گزارے اور دوپہر کا کھانا اکٹھے کھایا دوستی کے بندھن میں جڑے دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے خوب جی

بھر کر ملے۔ جنگ کے بادل گہرے ہو چکے تھے ہر شخص کو احساس تھا کہ دھرتی کسی وقت بھی لہو کا خراج مانگ سکتی ہے سرحدوں پر دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں اور کسی بھی لمحہ جنگ ہو سکتی تھی۔

روانگی کا وقت آیا تو بیگم شبیر شریف آبدیدہ ہوگئیں یہ دیکھ کر میجر شبیر شریف نے ننھے تیمور کے گالوں پر چٹکی بھری اور ہنستے ہوئے اپنی اہلیہ سے کہا

''اچھا یہ بتاؤ یہ کب چلے گا اور بولے گا کب؟''

روبینہ شریف نے کہا آپ خیریت سے گھر آجائیں یہ چلنے بھی لگے گا اور بولنے بھی لگے گا تو شبیر شریف مسکراتے ہوئے فوراً بولے

''اچھا یہ جاپانی گڈا ہے میں گھر آکر اسے چابی دوں گا
تو یہ بولنے بھی لگے گا اور چلنے بھی لگے گا''۔

بچھڑتے وقت کا منظر عجیب تھا صورتحال کو بوجھل ہوتا دیکھ کر میجر شبیر شریف کے والد میجر (ر) محمد شریف باہر کی طرف چلے اور بہو سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا بیٹی! بین ہی بجانی ہے تو آؤ چلو کوئی بھینس ڈھونڈتے ہیں اس بل (Bull) سے کیوں مغز ماری کر رہی ہو تو سب ہنس دیئے۔

کاتب تقدیر کی جانب سے لکھی جانیوالی یہ ملاقات جب ختم ہو چکی تو گھر والے گاڑی میں بیٹھے گاڑی چل پڑی میجر شبیر شریف ہاتھ ہلاتے دیکھتے رہے اور دیر تک وہیں کھڑے رہے۔

یاد رہے کہ اس دنیا میں گھر والوں سے انکی یہ آخری ملاقات تھی۔

فاتح سبونہ

1965ء کی شکست کے بعد دشمن مسلسل سازشوں میں مصروف رہا جب بھارت نے مشرقی پاکستان پر شب خون مارا اُس وقت جنگ ستمبر کا یہ غازی (شبیر شریف) سیکنڈ لیفٹیننٹ سے میجر ہو چکا تھا مشرقی پاکستان کے حالات قومی حمیت سے سرشار میجر شبیر شریف جیسے جوان کیلئے نا قابل برداشت تھے محبِّ وطن پاکستانیوں کا قتل عام اور بھارتی مظالم کی خبریں سُن سُن کر میجر شبیر کا غیرت مند خون جوش مارتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اب جو بھی کرنا پڑے کر ہی گزرنا چاہئے اسی لئے سرحد پر مادرِ وطن کی حفاظت پر مامور میجر شبیر شریف وطن عزیز کے ازلی دشمن کو سبق سکھانے کیلئے بے چین تھا۔

جب 3 دسمبر 1971ء کو جنگ شروع ہوگئی تو انہوں نے اپنے کمانڈر سے رابطہ کیا اور دشمن کے مضبوط مورچوں پر جانیکی اجازت چاہی جہاں ہر طرف بارودی سرنگوں کے جال، ٹینک اور توپیں نصب تھیں مگر مشکل ترین کام سرانجام دینا اور خطروں سے کھیلنا تو میجر شبیر شریف کے مزاج کا خاصہ تھا، سی او (کمانڈنگ آفیسر) کرنل امام علی جانتے تھے کہ نعرہ مستانہ بلند کرنیوالا یہ دیوانہ روکے نہ رُکے گا جو دل نے کہا وہ کریگا، شاید کرنل امام علی میجر شبیر شریف کے دل سے خدا کے ربط کی خوشبو محسوس کر چکے تھے چنانچہ پیش قدمی کی اجازت دے دی اجازت ملنے کے بعد یہ دلیر نڈر جوان اپنی کمپنی کی کمانڈ کرتے ہوئے سلیمانکی سیکٹر کی طرف بڑھنے لگا۔

میجر شبیر شریف نے ایک ایسے محاذ کا انتخاب کرلیا تھا جہاں گھمسان کا رن پڑنے والا تھا اب اس کمانڈر کی اگلی منزل گور مکھیڑہ اور بیری والا گاؤں سے ملتا ہوا اونچا پل تھا دشمن 24 گھنٹے اس پل پر سخت پہرہ دیتا تھا جہاں سے وہ پاکستانی علاقہ میں ہونیوالی ہر نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا لیکن دلیر کمانڈر میجر شبیر شریف نے اپنے ساتھیوں کو اس طرح تیار کیا کہ تمام جانباز سپاہی جذبہ شہادت سے سرشار اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کسی بھی امتحان سے

گزرنے اور ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار تھے۔

پاک فوج کے اس دستے کا سب سے پہلا ہدف بھارتی چوکی تھی میجر شبیر شریف کی زیر کمان منصوبہ بندی اور مکمل تیاری کے ساتھ جوانوں نے بھارتی چوکی کو ٹارگٹ بنایا مادرِ وطن کے سپوتوں نے بے مثال دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن پر کاری ضربیں لگائیں اس لڑائی میں دشمن کی شکست و پسپائی کے بعد ''جھنگر پوسٹ'' پر پاک فوج کا قبضہ ہو گیا اب میجر شبیر شریف نے سرحد پار پیش قدمی کا فیصلہ کیا جس پر تمام جانثار ساتھیوں نے لبیک کہا، پیش قدمی سے قبل اپنی کمپنی سے مختصر خطاب میں میجر شبیر نے کہا

''شیرو! جس دن کیلئے ہم بھرتی ہوئے تھے وہ دن آ پہنچا ہے جن لوگوں نے اپنی ماؤں کا دودھ پیا ہے جان لیں کہ انھیں اس دودھ کی لاج رکھنی ہے مجھے بس ایک ہی بات کہنی ہے اگر تم میں سے کسی نے قدم پیچھے ہٹایا تو میں گولی ماردوں گا اگر میں پیچھے ہٹا تو تمھیں قسم ہے تمھاری ماؤں اور بہنوں کی عزت کی مجھے شوٹ کر دینا''۔

مادرِ وطن کے بہادر بیٹے ان راستوں سے بھی بحفاظت گزر گئے جہاں خطرہ یقینی تھا سوائے میجر شبیر شریف کے یہ کسی کو علم نہ تھا کہ ان راستوں پر دشمن نے باروی سرنگوں کا جال بچھایا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ فرماتا ہے

''جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کیلئے کافی ہو جاتا ہے''

سرکاردوعالم ﷺ نے فرمایا
''اگر تم اللہ کو جاننے کی طرح جانو تو پانی پر چل سکتے ہو
اور پہاڑ تمہارے حکم پر حرکت میں آسکتے ہیں''

میجر شبیر شریف نے اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا اور وہ ان کیلئے کافی ہو گیا دھرتی کے یہ شیر دل جوان بارودی سرنگوں سے گزر کر اندھا دھند فائرنگ کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے ہدف تک یعنی بھارتی علاقہ میں پہنچ گئے یہ صورتحال دشمن کیلئے ناقابل یقین اور غیر متوقع تھی مگر اب جان بچانے اور پسپائی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ دشمن کے پاس نہ تھا لہٰذا وہ اپنی جانیں بچانے کیلئے میدان چھوڑ کر گورمکھیڑہ کی طرف بھاگ نکلے۔

گورمکھیڑہ میں بھارتی فوج کی مضبوط پوزیشن اور وافر مقدار میں جمع شدہ اسلحہ و گولہ بارود کی اطلاع پاک فوج کو بھی تھی لیکن اسکے باوجود اب ایک منفرد اور تاریخی معرکہ ہونے کو تھا جسے یقیناً عالمی عسکری تاریخ میں ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔

میجر شبیر شریف کی بریوکمپنی کو شدید سردی میں ٹھنڈے پانی سے گزرتے ہوئے بھارتی شہر فاضلکا کے قریب ''نہر سبونہ'' عبور کرنا تھی جس کے اطراف نہ صرف مشین گنز اور خودکار ہتھیاروں سمیت دشمن موجود تھا بلکہ اُس نے یہاں لوہے، سیمنٹ اور کنکریٹ کے انتہائی مضبوط بنکرز بھی بنائے ہوئے تھے مگر شبیر شریف کی دلیرانہ کمانڈ میں دھرتی کے یہ سجیلے فرزند رب تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ٹھنڈے پانی میں کود گئے دوسری طرف بھارتی توپ خانے نے آگ اُگلنا شروع کر دی شدید فائرنگ بھی ان دلیر جوانوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکی۔

بریوکمپنی کے یہ عظیم مجاہد نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی گونج میں اپنی بندوق کو پانی سے بچانے کیلئے بندوق والا ایک ہاتھ بلند کر کے نہر پار کرنے لگے جبکہ دشمن کی طرف سے مسلسل گولے برس رہے تھے مگر یہ اللہ کے شیر گولہ باری سے بے نیاز خدا کا ذکر کرتے ہوئے

بالآخر اس مشکل ترین مرحلے سے گزر کر نہر سبونہ عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بھارتی فوج پاک فوج کے جوانوں کی بے خوفی اور دلیری پر حیران تھی اُن کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ میجر شبیر شریف اپنے ساتھیوں سمیت دشمن کے سروں پر جا پہنچے تھے پھر گھمسان کا رن پڑا، دو بدو لڑائی ہوئی اور یہاں ہندوستانی فوج کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود چند جوانوں کے ایمان افروز حملہ کی تاب نہ لا سکی۔

میجر شبیر شریف کی کامیاب کمانڈ، دلیری اور بہترین حکمت عملی نے دشمن کو مستحکم قلعہ بندیوں سے باہر نکال کر بھاگنے پر مجبور کر دیا اور اللہ رب العزت پر توکل کرنے والوں کو فتح نصیب ہوئی اس معرکہ میں دشمن کے 43 فوجی ہلاک، افسر سمیت 38 سپاہی گرفتار اور چار ٹینک تباہ ہوئے پسپائی کے بعد اپنا بے شمار گولہ بارود چھوڑ کر بھاگنے والے بھارتی سپاہیوں نے جوانوں کے اسلحہ کی کمی بھی پوری کردی۔

رب کائنات کی طرف سے فتح عطا ہونے کے بعد اب گورمکھیڑہ کو جانے والے واحد راستے، مضبوط ترین مورچہ اور پل پر بریو کمپنی کے جوانوں اور کمانڈر میجر شبیر شریف کا قبضہ تھا۔

عددی برتری اور اسلحہ کے ذخائر سے خوش ہونیوالے دشمن کیلئے یہ حقیقت ناقابل یقین تھی کہ مٹھی بھر سپاہیوں نے محدود ایمونیشن کے ساتھ تمام تر دفاعی حصار توڑتے ہوئے ہندوستانی علاقہ میں داخل ہو کر مضبوط مورچہ اور پل پر کیسے قبضہ کرلیا۔

راجپوتانہ خون کی تاریخی حقیقت کے عین مطابق میجر شبیر شریف کی کمانڈ میں انکے ساتھیوں کا یہ معجزاتی کارنامہ طاقت کے غرور میں مبتلا بدمست دشمن کی روح پر لگنے والا وہ زخم ہے جو ہمیشہ تازہ رہے گا۔

بھارتی فوج نے اپنی شکست کا بدلہ لینے اور اپنا علاقہ دوبارہ حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی اس نے تازہ دم فوج اور کمک ملنے کے بعد 4 اور 5 دسمبر کو بھرپور حملے کیے مگر مادرِ وطن کی خاطر اپنا آپ قربان کرنے کے جذبے سے سرشار یہ بہادر بیٹے اپنے ہر دلعزیز

کمانڈر میجر شبیر شریف کی دلیرانہ قیادت میں ناقابل تسخیر چٹان بن کر کھڑے رہے۔

> پاک فوج کا یہ ہیرو بھارتی سپاہیوں کے اعصاب پر بھی سوار تھا، چار جاٹ کا ایک کمپنی کمانڈر بند(پل) کے قریب پہنچا تو اس نے با آواز بلند پکار کر کہا کہاں ہے میجر شبیر! پہلی بار شبیر کو کسی نے للکارا تو غصے میں نہتے خالی ہاتھ ہی مورچہ سے چھلانگ لگاتے ہوئے دشمن پر جھپٹے، میجر نرائن سنگھ نے للکار تو لیا تھا لیکن اسے شاید یہ امید نہیں تھی کہ جس کو للکارا ہے وہ آ کر یوں دبوچ بھی لے گا بھارتی میجر نے خود کو چھڑا کر اپنی اسٹین گن سیدھی کرنی چاہی لیکن میجر شبیر شریف نے اسکی کلائی پکڑلی دونوں کمپنی کمانڈر جب ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے تو انکے سپاہی خاموش ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے تھوڑی دیر کی کشمکش کے بعد میجر شبیر شریف نے زخمی ہونے کے باوجود میجر نرائن سنگھ پر قابو پالیا اسے چت کیا، گھٹنا اسکے سینے پر رکھا اور اسے اسی کی اسٹین گن سے ہلاک کر دیا بھارتی سپاہیوں نے اپنے کمانڈر کا یہ حشر دیکھا تو بھاگ نکلے۔

میجر شبیر شریف اتوار کے روز 5 دسمبر کو جب زخمی ہوئے تو بٹالین ہیڈ کوارٹر کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ وہ پیچھے آجائیں انکی جگہ کوئی اور آفیسر آگے بھیج دیا جائے گا لیکن میجر شبیر نے اپنے جوانوں کو چھوڑ کر پیچھے آنے سے انکار کر دیا مجبوراً بٹالین ہیڈ کوارٹر سے

نرسنگ حوالدار سلیم مرہم پٹی کیلئے خود ہی انکے پاس آ گیا۔

دشمن نے بھارتی کمانڈر میجر نرائن کی ہلاکت، شکست و پسپائی اور اپنا علاقہ دوبارہ واپس لینے کیلئے کئے گئے حملوں کی مسلسل ناکامی کے بعد بروز پیر 6 دسمبر کو اپنی پوری کل موجود فوجی قوت لگا دی اس نے تیسری آسام رجمنٹ، چوتھی چار جاٹ رجمنٹ، ایئر فورس اور 18 کیولری کے ٹینکوں کی مدد سے شدید ترین حملہ کر دیا بھارتی فضائیہ، توپ خانہ اور ٹینکوں سے نکلنے والی آگ نے ہر طرف قیامت صغریٰ کا منظر برپا کر دیا۔

پاک فوج کے جوانوں پر زمین اور آسمان سے گولوں کی بارش ہو رہی تھی میدان جنگ دھواں دھواں ہو گیا تھا یوں لگتا تھا کہ پوری بھارتی فوج ہی سبونہ بند پر آ گئی ہے لیکن میجر شبیر شریف نے ایک لمحہ کیلئے بھی خوف کو اپنے قریب نہ آنے دیا اور مسلسل ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے، چار گھنٹوں کی مسلسل گولہ باری کے بعد اب چاروں طرف سے بھارتی ٹینک آگے بڑھ رہے تھے جیسے ہی ٹینک قریب آئے تو میجر شبیر شریف نے خود 106 ملی میٹر کی ایک توپ سنبھالی اور ٹھیک اپنے ہدف پر نشانہ لگاتے ہوئے کئی ٹینکوں کے پرخچے اُڑا دیے۔

”خطروں سے کھیلنے والا مادرِ وطن کا یہ بہادر سپوت اپنی مٹی اور خاکی وردی کا حق ادا کر چکا تھا ایک مرتبہ پھر دشمن کی شکست قریب تھی کہ ٹینک کا ایک گولہ میجر شبیر شریف کے بالکل قریب آ کر پھٹا جس سے محترمہ بیگم فضل شریف کا بیٹا، روبینہ شریف کا سہاگ، ننھے تیمور کا بابا، معجزاتی طور پر ناممکن کو ممکن بنانیوالا فاتح سبونہ اور پاک فوج کا کبھی نہ بھولنے والا عظیم سپاہی ہمیشہ کی زندگی پا گیا“۔

سائی ٹیشن(CITATION)

سی او(کمانڈنگ آفیسر) کرنل امام علی نے بر گیڈ ہیڈ کوارٹر کو شہادت کی اطلاع دینے کے بعد شہید شبیر شریف کی سائی ٹیشن(CITATION) لکھی، 3 دسمبر سے شہادت تک کے تمام واقعات تفصیل سے قلمبند کرنے کے بعد آخر میں اپنی بات کا اختتام ان الفاظ میں کیا کہ

''پاکستانی فوج ایک ایسے اعلیٰ ترین نوجوان افسر سے محروم ہوگئی جسے بلاشبہ ''سپر مین'' کہا جاسکتا تھا انتہا درجے کا مخلص، قابل اعتماد، ہمہ وقت مستعد، ہر دم تیار، بے غرض کارکن، باہمت اور دلیر افسر جس نے پاکستان کے کاز کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا، شجاعت کے ان عظیم کارناموں پر میں اسے بعداز شہادت ''نشانِ حیدر'' دینے کی پرزور سفارش کرتا ہوں''۔

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

الحمدللہ ! سرزمین پاکستان سیپ کے گواہر سے بلکہ جواہر نایاب سے مالا مال ہے مکان مکینوں سے ہیں اور اس وطن کی شان ایسے ہی جوہر نایاب

آ بگینوں سے ہے، اللہ تعالی نے اس ارض پاک کو
طاغوتی سامراجی اسلام دشمن قوتوں سے محفوظ رکھنے
کے واسطے اس پاک مٹی پر مختلف ادوار میں اپنے ایسے
پیارے بندے اُتارے کہ جن کیلئے وہ خود کہتا ہے کہ یہ
اس جہدِ مسلسل کا حصہ ہیں کہ جس کا مجاہد جب دیکھے تو
خدا کی آنکھ، جب ہاتھ اٹھائے تو خدا کا ہاتھ اور جب
قدم بڑھائے تو خدا کا قدم......

میدان جنگ میں معجزاتی کارنامے سرانجام دینے والا میجر شبیر شریف اللہ تعالیٰ کا انتخاب تھا باری تعالیٰ کی مدد ہمیشہ اسکے ساتھ رہی انگریزی ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود وہ ایک سادہ اور سچا انسان تھا کوئی بھی زیادتی اور ناانصافی برداشت کرنا اس کیلئے ناممکن بات تھی اگر مگر سے بے نیاز دل میں جو سما جاتی کر گزرتا وہ بات کا پکا اور سچا تھا زبان دیتا تو ہر قیمت پر اسے پورا کرتا وطن عزیز کے دفاع کا عہد بھی میجر شبیر شریف نے آخری سانس تک نبھایا۔

''شبیر شریف کی چمکدار آنکھیں ،روشن
پیشانی اور مردانہ وار سینہ ہمیشہ دشمن کی جانب سے لگنے
والے زخموں کا مشتاق رہا، اس فانی زندگی کو خیر باد بھی
اس شان سے کیا کہ ہمیشہ زندہ رہنے والوں کی صفوں
میں شامل ہوگیا''۔

دشمن احمقوں کی جنت میں رہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جیت افرادی قوت، اسلحہ کی فراوانی اور مادی و مالی وسائل کی دستیابی سے مشروط ہے جبکہ افواج پاکستان کے گمنام سپاہی

،غازی اور شہداء قیام پاکستان سے لیکر آج تک قربانی اور قوت ایمانی کے جذبوں سے مادرِ وطن کا دفاع کر رہے ہیں اور انشاءاللہ ہمیشہ کرتے رہیں گے۔

سلام ہو افواج پاکستان کے شبیروں پر کہ
جنہوں نے اس پاک سرزمین کی حفاظت اور پاکستانی
قوم کی بلاتخصیص عزت و وقار کی ضمانت کیلئے اپنی جان،
اپنی خوشیاں اور اپنا آپ مادرِ وطن پر قربان کر دیا اور
دفاع وطن کیلئے ایسے غیر معمولی کام سرانجام دے گئے
اور دے رہے ہیں جو یقیناً سبز ہلالی پرچم کے سائے
تلے رہنے والی قوم پر ان کا لازوال احسان ہے یہ میجر
شبیر جیسے شبیروں کے خون کا خراج ہی ہے کہ آج ہم
ایک خودمختار آزاد وطن میں اپنی مرضی کے مطابق زندگی
گزار رہے ہیں۔

اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے　　کی لبھنی ایں وچ بازار کڑے
اے دین اے میرے داتا دی　　ناں ایویں ٹکراں مار کڑے
اے پتر وکاؤ چیز نئیں　　مل دے کے جھولی پایئے نی
اے ایڈا ستا مال نئیں　　کیتوں جا کے منگ لیا یئے نی
اے سودا نقد وی نئیں ملدا　　تو لبھ دی پھریں ادھار کڑے

اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے

اے شیر بہادر غازی نیں　　اے کسے کولوں وی ہر دے نئیں
ایناں دشمناں کولوں کی ڈرنا　　اے موت کولوں وی ڈردے نئیں
اے اپنے دیس دی عزت توں　　جان اپنی دیندے وار کڑے

اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے

دھن بھاگ نیں اونہاں ماواں دے　　جنہاں ماواں دے اے جائے نیں
دھن بھاگ نیں بھین بھراواں دے　　جنہاں گودیاں ویر کھڈائے نیں
اے مان نیں ماناں والیاں دے　　نئیں ایس دی تینوں سار کڑے

اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے

آخری خط

اہلیہ روبینہ شریف کے مطابق میجر شبیر شریف کا جو آخری خط آیا اس میں انھوں نے لکھا کہ

”میں اسلام اور اسلامیانِ پاکستان کی خاطر جان کی بازی لگانے کو ترجیح دیتا ہوں بجائے اسکے کہ ہندوستان کا غلام بنوں ہم نے جان توڑ کر لڑنے کا عہد کیا ہوا ہے ہم دشمن کا اپنی سرحدوں پر اپنی گلیوں اور مکانوں میں ڈٹ کر مقابلہ کریں گے لیکن ہار نہ مانیں گے ہمیں دشمن کا غلام بننے کی بجائے مر جانا پسند ہے ہم مسلمان ہیں مسلمانوں کو اللہ کا سہارا ہوتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا ہم قدم قدم پر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور ایک انچ پیچھے نہیں ہٹیں گے میں چاہتا ہوں کہ تم بہادرانہ انداز میں خط لکھا کرو کیونکہ تم ایک سپاہی کی بیوی ہو“۔

تاثرات خراج تحسین وعقیدت

روتی نہیں کبھی شہیدوں سے لپٹ کر
یہ حوصلہ میرے وطن کی ماؤں کا ہے

شہید میجر شبیر شریف (نشانِ حیدر) کی والدہ محترمہ بیگم فضل شریف نے اپنے جذبات کا اظہاران الفاظ میں کیا

''مجھے علم تھا کہ میرا بیٹا بہت بڑا کارنامہ انجام دے گا اسی لیے میں نے اس کا نام ''شبیر'' رکھا مجھے فخر ہے کہ میرا بیٹا تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا''۔

شہید کے والد میجر (ر) محمد شریف کے تاثرات کچھ یوں تھے

''مجھے اپنے شہید بیٹے پر فخر ہے کہ وہ نہایت بہادری سے لڑا اور پاک فوج کی شاندار روایات کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ ان پر پورا اُترا''۔

بہادری کا سبق

''میں اپنے شوہر کی جدائی کو اگرچہ ناقابل برداشت سمجھتی ہوں لیکن میجر صاحب نے جس مقصد کیلئے اپنی جان دی وہ نہایت عظیم ہے مجھے انکے اس کارنامہ پر فخر

ہے وہ ایک بہادر انسان تھے اور مجھے بھی بہادری کا سبق دیا کرتے تھے شہید ہونا انکی دیرینہ خواہش تھی''۔

اہلیہ روبینہ شریف

غازی اور شہید

''میجر شبیر شریف جنھیں قوم نے ''نشانِ حیدر'' نذر کیا ہے اس سے پہلے 1965ء کی جنگ میں جھمپ، جوڑیاں کے محاذ پر ستارہ جرأت بن کر چمکے تھے 1971ء کی جنگ میں سلیمانکی فاضلکا سیکٹر میں ان کا کارنامہ ایک طرف بے مثال جرأت و بہادری کی داستان ہے تو دوسری طرف جنگی کامیابی کی نادر مثال۔

یوں تو ہر صاحب ایمان سپاہی کا نعرہ ہوتا ہے ''غازی یا شہید''، مگر سلیمانکی سیکٹر کے اس جواں سال جانباز کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ غازی ہے اور شہید بھی۔ وہ نہ صرف دشمن کے خلاف اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار بن گیا بلکہ دشمن کو اسی کی سرزمین پر دھکیلا اور اس حد تک دھکیلتا گیا کہ دشمن علاقہ کے میلوں اندر جا کر دوسری دفاعی لائن کے مضبوط ترین مورچوں کو اس سے چھین لیا یہی وہ مقام ہے جہاں شبیر شریف نے اپنے وطن کی عظمت کا جھنڈا گاڑا، اسی مقام پر شبیر نے اپنی شجاعت کا لازوال نقش

ثبت کیا اتنی عظیم بلندیوں پر پہنچ کر شاید اس نے اور اونچا بہت اونچا جانا پسند کیا یا خود قدرت کو اس جانباز کی شبیری پر اتنا پیار آیا کہ اسے پاس ہی بلا لیا یوں شبیر شریف کو شہادت کا رتبہ عظیم ملا جو مومن کا حقیقی مطلوب و مقصود ہے اور جسکی آرزو لیے بڑی بڑی ہستیاں اس دنیا سے رخصت ہو گئیں"۔

میجر آئی آر صدیقی

عظیم قربانی

"میجر شبیر شریف نے مادرِ وطن کی حفاظت کیلئے اپنی جان قربان کر دی انکی یہ عظیم قربانی اسلام اور پاکستان کیلئے سنہری حروف میں لکھی جائے گی پوری قوم کو ان پر فخر ہے میں شبیر شریف کو اُس وقت سے جانتا ہوں جب وہ سیکنڈ لیفٹیننٹ تھے اور پی ایم اے سے انھوں نے اعزازی شمشیر حاصل کی تھی حقیقت میں وہ ایک اعلیٰ افسر تھے جن کا مستقبل درخشاں نظر آتا تھا میں انکی ترقی کی رفتار کو باقاعدگی کے ساتھ دیکھتا رہا ہوں چند ماہ قبل جب وہ مجھ سے ملے تو بہت چاق و چوبند دکھائی دیئے ایسے لگتا تھا کہ وہ کوئی کارنامہ انجام دینے والے ہیں"۔

لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان

معجزاتی کارنامے

''شہید بہادر سپاہی اور انسانیت کا اعلیٰ نمونہ تھے انہیں اپنے وطن سے سچا پیار تھا انکی قربانی سے ہمیں قومی نقصان پہنچا ہے، دوران جنگ شبیر شریف نے معجزانہ کارنامے انجام دیے اور ہندوستان کی ایسی چوکیوں پر قبضہ کیا جو بہت مشکل کام تھا انھوں نے اس پر بس نہ کیا بلکہ مسلسل پیش قدمی کرتے گئے''۔

کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل امام علی

یوم شبیر

وطن عزیز کے اس محسن اور عظیم ہیرو کو یوم شہادت پر شاندار خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے فرنٹیئر فورس کی بٹالین جس سے شہید وابستہ تھے جواب شبیر کی بٹالین (Shabir's Battalion) سے جانی جاتی ہے ہر سال یوم شبیر نہایت جوش و خروش اور عقیدت و احترام سے مناتی ہے'' میانی صاحب قبرستان'' میں اعلیٰ فوجی قیادت کی جانب سے قبر پر پھولوں کی چادر، فاتحہ اور قرآن خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے اس دن شہید میجر شبیر شریف کو خراج تحسین پیش کرنے کے علاوہ یہ تجدید عہد بھی کیا جاتا ہے کہ ہر جوان اور آفیسر شہید کی بے مثال قربانی کو اپنا نصب

العین اور دفاع وطن کیلئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔

''انسان کی زندگی تو باعزت ہونی چاہیے لیکن موت بھی باوقار ہونی چاہیے''۔

شہید میجر شبیر شریف

ساتواں نشانِ حیدر

شہید

سوار محمد حسین جنجوعہ

منگل ۱۸ جنوری ۱۹۴۹ء

تا

جمعہ ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

Sowar
Muhammad Hussain
Shaheed

محمد حسین جنجوعہ

ولدیت	:	روز علی جنجوعہ
تاریخ پیدائش	:	منگل 18 جنوری 1949ء
جائے ولادت	:	ڈھوک پیر بخش، گوجر خان۔ راولپنڈی
آرمی نمبر	:	1028148
رینک	:	سوار (ڈرائیور)
آرمڈ سروس	:	20 لانسرز حیدری
تاریخ شہادت	:	جمعہ 10 دسمبر 1971ء
بمقام	:	شکر گڑھ، ظفروال سیکٹر
آخری آرام گاہ	:	ڈھوک شہید محمد حسین، گوجر خان۔ راولپنڈی
عرصہ حیات (ظاہری)	:	22 سال 10 ماہ 22 دن

وہ ان دنوں سیالکوٹ ڈیوٹی پر تھا جب اسے
خبر ملی کہ اسکی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی ہے اور وہ ایک
بیٹے کا باپ بن چکا ہے اپنے بچے کو دیکھنے کیلئے بے
چین و بے قرار یہ باپ گھر جانیکی تیاری میں مصروف
تھا کہ اعلانِ جنگ ہوگیا، اس کے پاس بیٹے کی پیدائش
کا ایسا حوالہ تھا کہ اگر وہ چاہتا تو جذبہ پدری کی تسکین
کیلئے گھر چلا جاتا وہ پاک فوج میں صرف ڈرائیور تھا مگر
اس نے وہی فیصلہ کیا جو پاک سرزمین کے سچے لعل
کرتے ہیں اس نے ارضِ پاک کی محبت کو اپنے
جذبات اور تمام رشتوں پر فوقیت دی۔ وہ گھر کا واحد
کفیل تھا اُسی کی تنخواہ سے ہی گھر بھر کی گزر بسر ہوتی
تھی اور شادی کو بھی ابھی صرف تین سال ہی گزرے
تھے۔غریب ماں باپ، اہلیہ اور معصوم بچوں کا ساتھ تھا
یہ سب باتیں تو اُنکی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں جو عام

لوگ ہوتے ہیں اللہ پر توکل کرنیوالے تو ان سب
باتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں شاید یہی وجہ تھی کہ اُدھر
گھمسان کا رن پڑا تھا اور اِدھر یہ رضا کارانہ طور پر تیار
کھڑا تھا یہ فخر بھی صرف اسی کا ہے کہ اس نے اکیلے ہی
وطنِ عزیز کی سرحدی عزت کو تاراج کرنیکی نیت سے
بڑھنے والے 16 بھارتی ٹینکس تباہ کئے اور جنگی تاریخ
میں وہ کارنامہ سرانجام دیا جسے عسکری تاریخ میں ہمیشہ
یاد رکھا جائے گا یہ کرشماتی جوان ہرڑ خورد کا فاتح اور جنگی
ہیرو ''شہید سوار محمد حسین'' ہے۔

اللہ کا انعام

راجپوت جنجوعہ خاندان سے تعلق رکھنے والا یہ گھرانہ ایک طویل عرصہ سے ''ڈھوک پیر بخش'' میں قیام پذیر تھا یہ گاؤں تحصیل مندرہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر آباد ہے اور یہاں رہنے والے اکثر و بیشتر لوگ ایک دوسرے کے رشتے دار ہیں۔

زمینوں پر اپنے ہاتھ سے محنت کر کے حلال رزق کمانے والا کاشتکار ''روز علی'' بھی اسی گاؤں کا رہائشی تھا وہ غریب ضرور تھا لیکن اپنی زندگی صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا تھا کہ رب تعالیٰ نے اپنے اس بندہ کو ایک امتحان میں ڈال دیا۔

اچانک بھائی کی وفات کے بعد یتیم بچوں اور بیوہ بھابھی کی ذمہ داری بھی اسکے کاندھوں پر آ گئی چونکہ غربت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے اس لئے ان حالات میں مرحوم بھائی کے گھر کی کفالت ایک امتحان تھا مگر روز علی بیوہ بھابھی اور یتیم بچوں کی کفالت بحالت مجبوری بھی کرتا رہا غربت کے باوجود جو کچھ بن پاتا وہ انہیں آسانیاں دینے کیلئے پیش کرتا

رہا جب کسی حد تک اس امتحان میں سرخرو ہوا تو اللہ نے اسے ایک انعام عطا کیا۔

روز علی کے گھر 9 بیٹوں اور 5 بیٹیوں سمیت 14 بچوں کی پیدائش ہوئی لیکن بدقسمتی سے سب بچے اس دنیا میں چند مہینوں کے ہی مہمان رہے سوائے ایک بیٹی کے جو کچھ سالوں تک زندہ رہی مگر ان تمام بچوں میں سے ایک بچہ ایسا بھی تھا جسے رب تعالیٰ نے ابدی زندگی سے نوازا، اللہ نے روز علی کو ''سوار محمد حسین'' کی صورت میں انعام دے کر نہ صرف اس دنیا میں بلکہ بروزِ محشر بھی سرخرو کر دیا اور اس بچے کو ایسی حیات واجل دی کہ جس پر افواج پاکستان اور پوری قوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔

محمد حسین بروز منگل مورخہ 18 جنوری 1949ء کو پیدا ہوا، پے در پے سب بہن بھائیوں کی وفات کے بعد وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا رہ گیا تھا خودداری، دلیری، محنت، غیرت اور سب سے بڑھ کر اپنی مٹی سے محبت اسے وراثت میں ملی تھی۔

آغازِ منزل

سوار محمد حسین کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا اس نے گھر پر ہی قرآن پڑھا پھر اسے موضع جھنگ پھیرو کے پرائمری اسکول میں داخل کروا دیا گیا پرائمری پاس کرنے کے بعد وہ ''ہائی اسکول دیوی'' میں دسویں جماعت کا طالب علم تھا لیکن ایک مضمون میں فیل ہونیکی وجہ سے میٹرک کا امتحان پاس نہ کر سکا، والدین کی خواہش تھی کہ بیٹا (محمد حسین) اپنی تعلیم جاری رکھے مگر یہ خود دار بچہ گھر کی غربت سے اچھی طرح واقف تھا چنانچہ اب وہ پڑھنے کی بجائے برسرِ روزگار ہو کر اپنے گھر والوں کو آسانیاں دینا چاہتا تھا۔

ماہ ستمبر 1965ء میں جب بھارت نے پاکستان پر فوج کشی کی تو اس وقت وہ طالب علم تھا دوسرے محبِّ وطن شہریوں کی طرح سوار محمد حسین بھی اپنی جان وطن پر قربان کرنے اور دشمن سے لڑنے کیلئے بے چین رہتا وہ بھارتی طیاروں کو دیکھ کر پر جوش لہجے میں

کہتا کہ کاش میں انکو تباہ کر سکتا اور پھر کچھ عرصہ بعد ہی رب تعالیٰ نے اسے پاک فوج کا حصہ بنا کر دشمن کی تباہی کا سامان پیدا کر دیا، ہفتہ 3 ستمبر 1966ء کو جاتلی کے مقام پر فوج کی عام بھرتی شروع ہوئی اسے جب یہ اطلاع ملی تو اپنے قریبی دوست دل پذیر خان کے ہمراہ جاتلی ریسٹ ہاؤس جا پہنچا وہاں یہ دونوں دوست آرمی ریکروٹنگ آفیسر کے سامنے پیش ہوئے اور منتخب کر لئے گئے ابتدائی تربیت کیلئے پہلے نوشہرہ اور پھر سیالکوٹ بھیج دیا گیا یہاں بنیادی تربیت کے بعد محمد حسین 20 لانسرز سے بحیثیت سوار (ڈرائیور) منسلک ہوگیا۔

شادی

نکاح سچے لوگوں کیلئے انتہائی سچا اور خوبصورت رشتہ ہے سوار محمد حسین کی فوجی ملازمت کے دو سال بعد تقریباً 20 سال کی عمر میں گھر والوں نے خالہ کی بیٹی ''ارزاں بی بی'' کو دلہن کے طور پر منتخب کر لیا ایک برس بعد ہی پروردگار نے ایک بیٹی سے نوازا جس کا نام ''رخسانہ'' رکھا گیا۔

سوار محمد حسین کی زندگی خوشیوں سے بھر پور تھی کیونکہ وہ ایک سادہ، سچا اور آسانیاں دینے والا انسان تھا اہلیہ ارزاں بی بی نیک، صابر اور شکر گزار خاتون تھیں دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے مطمئن اور اپنی زندگی میں بہت خوش تھے وہ غربت اور کم وسائل کے باوجود بیوی کی ضرورتوں کا خیال رکھتا، مشکل سے مشکل حالات میں بھی ہمیشہ چہرے پر مردانہ مسکراہٹ سجائے رکھنے والے اس خوش مزاج جیون ساتھی کے ساتھ مختصر اُچار سالہ اَزدواجی عرصہ ارزاں بی بی کبھی بھلائے نہ بھول سکی ہوں گی۔

شخصی خاکہ

اللہ والے فرماتے ہیں

''باپ چاہے گناہگار ہی کیوں نہ ہو اگر وہ اپنی اولاد سے ناخوش ہے تو ایسی اولاد کو اعلیٰ مقام مل ہی نہیں سکتا''۔

روز علی اپنے خدمت گزار بیٹے سے بہت خوش تھا چنانچہ عزت سوار محمد حسین کا مقدر تھی وہ مسلح افواج کا واحد سپاہی ڈرائیور ہے جسے ملک کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ''نشانِ حیدر'' عطا ہوا اس سے پہلے یہ فوجی اعزاز بہادری وشجاعت کے لازوال کارناموں اور مادرِ وطن کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ دینے والے افسران کو ہی ملا تھا۔
خبثِ باطن سے پاکیزگی ہی وہ مقام ومرتبہ عطا کرتی ہے جس پر پوری قوم فخر کرتی ہے باطن کے معاملات تو رب ہی بہتر جانتا ہے، روز علی کے بیٹے سوار محمد حسین میں نہ جانے وہ کیا بات تھی کہ مالک نے اسے ہمیشہ کی زندگی سے نوازا۔

اللہ والے فرماتے ہیں

''بغیر ادب کے رب مل ہی نہیں سکتا''۔

سوار محمد حسین اپنے والدین، بزرگوں اور استادوں کا بہت ادب واحترام کرتا تھا اپنے پیرومرشد سے عقیدت ومحبت تو دیدنی تھی یعنی گویا ادب اسکی فطرت میں شامل تھا وہ زیادہ پڑھا لکھا تو نہیں تھا مگر اس راز کی حقیقت سے خوب واقف تھا کہ اللہ کی مخلوق کا دل کبھی نہیں دُکھانا تاکہ وہ ببانگِ دہل اپنے رب سے نصرت مانگ سکے۔

فرمانِ الٰہی ہے

''نہ میں زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں بلکہ بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں''۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ

''مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے کبھی کسی کا دل نہ دُکھاتا اور نہ ہی کسی کو ناراض ہونے دیتا اپنے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ سجائے رکھنے والا یہ جوان فطرتاً سادہ، سچا اور بھولا انسان تھا چالاکی و ہوشیاری تو اسکے قریب سے بھی نہ گزری تھی لیکن وہ اپنے مالک سے تجارت کا ہنر خوب جانتا تھا۔

اللہ والے فرماتے ہیں

''بھاگ ہمیشہ بھولوں اور سچوں کو لگتے ہیں''۔

بھولے اور سچے لوگوں کو ہی حقیقی عروج ملتا ہے اور وہی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں جبکہ من کے کالے، جھوٹے اور ہوشیار لوگ کبھی اعلیٰ مقام حاصل نہیں کر سکتے وہ اپنی موت کے ساتھ ہی مر جاتے ہیں، پروردگار بے نیاز ہے چاہے تو ساری زندگی کی ریاضت ایک کوتاہی کے سبب قبول نہ کرے اور چاہے تو کوئی چھوٹی سی نیکی پر بھاگ لگادے۔ مدد اور نیکی چھوٹی ہو یا بڑی،

مالک تو صرف نیت ہی دیکھتا ہے اور نیت اُس وقت
تک ٹھیک نہیں ہوسکتی جب تک اندر پاکی اور دل
صاف نہ ہو۔

سوار محمد حسین ایک صاف دل نوجوان تھا یہی وجہ ہے کہ اسکی نیت اور جذبے ہمیشہ خالص اور سچے رہے وسائل کی کمی اور گھر کا واحد کفیل ہونے کے باوجود یہ نوجوان دل کا بادشاہ تھا وہ نہ صرف خود سے وابستہ لوگوں کی ضرورتوں کا خاص خیال رکھتا بلکہ دوستوں کی بھی ہر مشکل اور ضرورت میں ان کا ساتھ دیتا۔

غربت میں سخی ہونا بڑی بات ہے سوار محمد حسین کی سخاوت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ یونٹ کا ایک ساتھی بیمار ہوا تو وہ عیادت کیلئے اسکے پاس کبھی خالی ہاتھ نہ گیا وہ جب بھی اپنے بیمار دوست سے ملنے جاتا تو جیب میں جو کچھ بھی ہوتا ان سب پیسوں سے پھل اور دودھ خرید کر اپنے ساتھ لے جاتا۔

سوار محمد حسین نے جب اپنے گاؤں ڈھوک پیر بخش میں مسجد کی تعمیر کا سنا تو اسکی تعمیرات میں بھی بخوشی اپنی حیثیت سے کہیں بڑھ کر حصہ لیا وہ ایک ذمہ دار، دیانتدار اور کھرا انسان تھا اسی لئے یونٹ کے اکثر ساتھی اسکے پاس امانتاً اپنے پیسے رکھواتے، ایک بار ایک ساتھی نے دوسو روپے امانتاً رکھوائے اتفاق سے اسی دوران روز علی (والد) آئے اور ایک ضرورت بیان کرتے ہوئے دوسو روپے طلب کر لئے تو سوار محمد حسین نے کہا کہ

''اباجی میرے پاس دوسو روپے تو بالکل ہیں مگر وہ پیسے
دوست کی امانت ہیں آپ ایسا کریں کہ فی الحال یہ
پچاس روپے لے جائیں جو میرے ذاتی پیسے ہیں''۔

اس موقع پر سوار محمد حسین نے نہ امانت میں خیانت کی اور نہ ہی جھوٹ

بولا۔ قدرت نے اسے آواز بھی بہت سریلی عطا کی تھی جب بھی ایسا کوئی موقع آتا یا دوست احباب کچھ سنانے کی فرمائش کرتے تو صوفیانہ کلام، نعت اور لوک گیت سنایا کرتا محرم الحرام کے دنوں میں واقعہ کربلا پڑھتا تو سامعین پر نہ صرف سحر طاری ہو جاتا بلکہ وہ اہلِ بیت کی محبت میں آبدیدہ ہو جاتے۔

غریب محنت کش روز علی کا یہ بیٹا سوار محمد حسین سپاہیانہ خوبیوں کا مالک، ڈیوٹی اور ڈسپلن کا پابند، بلا جھجک بات کرنیوالا، صاف گو اور ہنس مکھ جوان تھا خود اعتمادی اور سادگی اتنی کہ افسروں کے ساتھ بھی کھل کر بات کر لیتا اپنی انہی خصوصیات و عادات کی وجہ سے وہ اپنے ساتھیوں اور افسران میں بہت مقبول تھا۔

پاکستان ایک عشق ایک جنون

بیٹی کی پیدائش کے بعد گھر والوں سمیت سوار محمد حسین کو بھی بیٹے کی آرزو تھی آخر کار وہ وقت بھی آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش پوری کر دی مگر اس خوشی کے موقع پر وہ گھر سے دور اپنی ڈیوٹی پر تھا اسے یہ خوشخبری خط کے ذریعے دی گئی اور بیٹے کا نام ''محمد منور'' رکھا گیا، اُس زمانے میں خط آدھی ملاقات کہلاتا تھا یہ خط جب اسے ملا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا یونٹ کے سب جوان بھی اپنے ساتھی کی اس خوشی میں بہت خوش تھے اولادِ نرینہ کی خواہش پوری ہونے پر اس نے اپنے پروردگار کا شکر ادا کیا۔

سوار محمد حسین کو اسی وقت کا تو بہت بے تابی سے انتظار تھا اسے گھر جانے اور اپنے معصوم فرزند کو سینے سے لگانے کی کتنی شدید خواہش ہو گی اس کیفیت کا اندازہ تو کوئی صاحب اولاد ہی کر سکتا ہے ایک طرف تو یہ صورتحال تھی مگر دوسری جانب خاکم بدہن ارضِ پاک کو مٹانے کی ناپاک خواہش رکھنے والے دشمن نے ایک بار پھر جنگ مسلط کر دی۔

سوار محمد حسین کی ذمہ داری صرف ڈرائیور کی تھی، کسک اولاد سے گھر کی جانب

کھینچ رہی تھی اگر وہ چاہتا تو بیٹے کی محبت میں گھر چلا جاتا یا صرف اپنی ڈرائیور کی ڈیوٹی کرتا مگر پاکستان ایک عشق ایک جنون ہے یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی خواہشات جذبات اور سب رشتوں کو ارض پاک کی محبت پر قربان کر دیا جب جنگ شروع ہوئی تو یہ سچا عاشق سب کچھ بھول گیا اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ وطن عزیز پر کوئی آنچ نہ آئے۔

سوار محمد حسین نے ایک ڈرائیور ہونے کے باوجود رضا کارانہ طور پر خود کو پیش کر دیا کیونکہ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ وہ میدان جنگ سے دور کسی محفوظ جگہ پر بیٹھا صرف ڈرائیور کی ڈیوٹی کرے ارض پاک کے اس دلیر سپوت نے کئی مشکل مواقع پر تن تنہا دشمن کے قریب جا کر نہ صرف انکے ٹھکانوں اور پوزیشن کا سراغ لگایا بلکہ رضا کارانہ طور پر بار بار موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کے حملوں کو ناکام بنانے میں لازوال کردار بھی ادا کیا۔

باری تعالیٰ نے توکل کرنیوالے سوار محمد حسین کو رضائے خداوندی کے بعد اپنے گھر اور بچوں سے بے نیاز کر دیا، مادرِ وطن کی حفاظت کیلئے یہ جوان بار بار موت سے کھیلتا رہا اور محاذ جنگ پر اسکی دلیری کو دیکھ کر موت بھی بار بار منہ چھپاتی رہی۔

پاک فوج نے ایسے ہی نڈر سپاہیوں کی بدولت دشمن کے تمام حملوں کو نہ صرف ناکام بنایا بلکہ اسے بھاری جانی و مالی نقصان بھی پہنچایا۔

شکر گڑھ

3 دسمبر 1971ء کو جمعہ کے دن جب جنگ شروع ہوئی تو سوار محمد حسین شکر گڑھ کے علاقے میں تعینات تھا اس اہم ترین محاذ پر پاک فوج کی صرف ایک ٹینک رجمنٹ دفاع پر مامور تھی جبکہ دشمن نے دو آرمرڈ بریگیڈز کے ہمراہ حملہ کیا اسکے ہر ایک بریگیڈ میں چار ٹینک رجمنٹس تھی یعنی پاک فوج کی ایک رجمنٹ کا مقابلہ آٹھ رجمنٹس سے تھا اسکے علاوہ دشمن کے پاس سنچورین ٹینکوں کے ساتھ رات میں دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والے جدید ترین ٹی 55 روسی ٹینکس بھی تھے۔

سی او (کمانڈنگ آفیسر) طفیل محمد کی قیادت میں صرف ایک رجمنٹ کو چودہ میل لمبا علاقہ دے کر یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ حملے کو 48 گھنٹے تک روکا جائے لیکن مادرِ وطن کے بہادر سپوتوں نے شدید حملوں کو اڑتالیس گھنٹوں کی بجائے چودہ دن تک نہ صرف روکے رکھا بلکہ دو ٹینک رجمنٹس جتنے ٹینک تباہ اور تقریباً ایک بریگیڈ جتنی نفری بھی ماردی تھی۔

ایک ڈرائیور... اور نشانِ حیدر

سوار محمد حسین، میجر محمد اکرم کے سکواڈرن میں تھا سکینڈان کمانڈ کیپٹن انیس احمد خان جبکہ دو نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ فراست علی شاہ اور بشیر خان خاکوانی ٹروپ لیڈر تھے سوار محمد حسین فراست علی شاہ کے ٹروپ میں صرف ڈاج کا ڈرائیور تھا۔

جنگ کے دوران محاذ پر گاڑیوں کی نقل و حرکت انتہائی محدود اور ہوائی حملوں سے بچاؤ کی خاطر انہیں میدان جنگ سے کہیں زیادہ دور کھڑا کر دیا جاتا ہے جبکہ ڈرائیور کسی محفوظ مقام پر گاڑیوں میں ہی موجود رہتے ہیں اور انکے ذمے کوئی اور ڈیوٹی نہیں لگائی جاتی۔ محاذ جنگ میں سوار محمد حسین کی ذمہ داری یہ تھی کہ ٹینک رجمنٹ کے ساتھ موجود رائفل ٹروپ

(پیادہ دستے) کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائے اور پھر گاڑی کسی محفوظ جگہ کھڑی کر کے اس میں بیٹھ جائے اسکے علاوہ اسکی کوئی اور ڈیوٹی یا کام نہ تھا۔

بغیر طلب کے تو کچھ بھی نہیں ملتا فطرتاً بے خوف، نڈر اور بہادر سپاہی سوار محمد حسین کے اندر پاک فوج کے ہر جوان کی طرح یہ طلب ضرور ہوگی اور یقیناً وہ یہ دعا بھی کرتا ہوگا کہ یا اللہ! مجھے ایک موقع ضرور دینا کہ میں وطن عزیز کی آن پر قربان ہو جاؤں یہی وجہ تھی کہ وہ میدان جنگ میں پیچھے محفوظ جگہ پر بیٹھے رہنے اور ڈرائیور کی ڈیوٹی سے مطمئن نہ تھا۔

5 دسمبر کو اتوار کے روز سوار محمد حسین اپنے کمانڈنگ آفیسر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا! سر

> ”مجھے اپنی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اسلحہ کی فراہمی کا فریضہ اور لڑنے کی اجازت دی جائے کیونکہ میرے لئے یہ ناقابلِ برداشت ہے کہ میں میدان جنگ سے دور محفوظ جگہ پر خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھا رہوں“۔

سی او طفیل محمد نے سپاہی سوار محمد حسین کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اجازت دے دی۔ دشمن نے 5 اور 6 دسمبر کی درمیانی شب ٹی 55 روسی ٹینکس کی پوری رجمنٹ اور انفنٹری (پیادے) کے ساتھ حملہ کیا اور گجگال کے علاقے تک آ گیا اسکے حملے دو گاؤں ہڑ کلاں اور ہڑ خورد کے درمیان سے آتے تھے بھارتیوں کا توپ خانہ بے تحاشہ آگ برسا رہا تھا کیونکہ اسکے پاس گولہ بارود وافر مقدار میں تھا۔

شدید گولہ باری میں ٹینکوں یا مورچوں سے نکل کر چلنا، رینگنا، بیٹھنا یا کھڑا ہونا فوری جان جانے کا سبب بن سکتا تھا مگر اسکے باوجود سوار محمد حسین اکیلے ہی ٹینکوں کا کھوج لگانے چلا گیا اور کامیاب واپسی پر ٹروپ لیڈر فراست علی شاہ کو صحیح پوزیشن بتائی

فراست علی شاہ اپنی گولہ باری سے دشمن کو روکنا چاہتے تھے مگر توپ خانے کے او پی کیپٹن امین مرزا سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا اس موقع پر بھی شدید فائرنگ کے دوران سوار محمد حسین او پی کیپٹن امین مرزا کے پاس جا کر انہیں بلا لایا یوں توپ خانے کی گولہ باری شروع ہوگئی اور حملہ ناکام ہوگیا اب دشمن اپنے ساتھیوں کی نعشیں اُٹھا رہا تھا۔

منگل 7 دسمبر کو یہ اطلاع ملی کہ دشمن نے گاؤں ''گدر پور'' پر قبضہ کرلیا ہے جو بلندی پر واقع ہونیکی وجہ سے پاکستانی مورچوں کیلئے پُرخطر تھا اسی گاؤں کی ریکی کرنے ایک گشتی پارٹی محمد حسین کی زیر کمان بھیجی گئی جس میں تین اور جوان میر عالم اے ایل ڈی ظہور اور شبیر شامل تھے دن کے اُجالے میں یہ جوان رینگتے سرکتے گدر پور جا پہنچے، کچھ وقت کے بعد ٹروپ لیڈر فراست علی شاہ کو گاؤں گدر پور سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں تو اس خیال سے کہ کہیں چاروں جوان مشکل میں نہ پھنس گئے ہوں وہ خود ہی صورتحال کا جائزہ لینے روانہ ہوئے وہاں تو نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ فراست علی شاہ کو منظر ہی کچھ اور نظر آیا گاؤں سوار محمد حسین کے قبضہ میں تھا یہاں دشمن کی تھوڑی بہت نفری تھی جسے یہ چاروں جوان بھگا چکے تھے۔

بلندی پر واقع اس گاؤں کی اہمیت کے پیش نظر تینوں جوانوں کو سوار محمد حسین کی زیر کمان وہیں روک دیا گیا تاکہ وہاں بھارتی فوج دوبارہ قبضہ نہ کر سکے اب سوار محمد حسین کی عقابی نظریں دشمن کی تلاش میں تھیں آخر کار اس نے کھیڑا گاؤں کے قریب دشمن کا کھوج لگا لیا اور کسی خطرے کی پرواہ کئے بغیر اکیلے ہی ایک مورچہ میں بیٹھ کر فائرنگ شروع کردی اس فائرنگ سے بہت سے بھارتی فوجی اپنے انجام کو پہنچے اس کارروائی کے بعد وہ واپس آیا اور اپنے کمانڈنگ آفیسر کو دشمن کی صحیح پوزیشن بتائی یہ سارا دن سوار محمد حسین نے اپنے ساتھیوں کو صحیح ٹارگٹ بتانے میں صرف کیا جسکی وجہ سے دشمن کا بے شمار اسلحہ اور درجنوں ٹینکس راکھ کا ڈھیر ہوگئے سرکاری بیان کے مطابق صرف 16 ٹینکس سوار محمد حسین نے تباہ کئے۔

اب بھارتی ٹینک کھیڑا گاؤں سے گگال کی طرف آرہے تھے یہ بھی سوار محمد حسین

ہی کا کارنامہ تھا کہ جسکی بروقت اطلاع پر پاک فوج کے جوانوں نے اپنی پوزیشن سنبھال لی دشمن کا پہلا ٹینک جیسے ہی گاؤں کے قریب آیا تو صوبیدار سیف الرحمٰن نے پہلا گولہ فائر کر کے بھارتی ٹینک رجمنٹ کا تنفر استقبال کیا تو دشمن کے ٹینک تیزی سے دائیں بائیں اور پیچھے بکھر کر درختوں، فصلوں اور بلند جگھوں کی آڑ میں چھپ کر گولہ باری کرنے لگے ساتھ ہی بھارتی طیارے بھی پاکستانی مورچوں پر آگ برسا رہے تھے اسی گھمسان میں پاک فوج کا یہی وہ سپاہی ڈرائیور تھا جو ایک بار پھر یقینی موت سے بے پرواہ آگے جا کر چھپے ٹینکوں کو ڈھونڈ رہا تھا اسکی جرأت مندی اور محنت رائیگاں نہ گئی اسے چھپے ہوئے ٹینک نظر آنے لگے اب وہ صحیح پوزیشن پر گولے فائر کروا کر ہندوستانی ٹینکوں کو تباہ کروا رہا تھا اسطرح دشمن کا یہ حملہ بھی ناکام ہوگیا۔

میجر محمد اکرم نے اب ایک گشتی پارٹی کو سوار محمد حسین کی زیر کمان صورتحال کا جائزہ لینے آگے بھیج دیا وہ شام 6 بجے کے قریب دوڑتے ہوئے آیا اور یہ اطلاع دی کہ دشمن گدر پور اور کھیڑا کے درمیانی علاقے میں اپنے ٹینکوں اور انفینٹری کو جمع کر رہا ہے اس قبل از وقت اطلاع ملنے پر حملہ روکنے کی تیاری کر لی گئی شام 7 بجے کے قریب دشمن نے بھرپور حملہ کیا مگر وہ زیادہ دیر جم نہ سکا اور بھاگ نکلا اس طرح پاک فوج نے یہ حملہ بھی ناکام بنا دیا۔

8 دسمبر کو سوار محمد حسین اپنے ساتھی ظہور اور شبیر کے ہمراہ ہڑ کلاں گاؤں جا پہنچا یہاں وہ سب سے اونچے مکان کی چھت پر کھڑا ہو کر صورتحال کا جائزہ لینے لگا دشمن یہاں بھی ایک باغیچے میں ٹینکوں اور انفینٹری کو اکٹھا کر رہا تھا یہ منظر دیکھنے کے بعد اس بار بھی سوار محمد حسین نے توپ خانہ سے ٹھیک نشانے پر گولے فائر کروائے یہ گولے جب باغیچے میں آ کر گرے تو دشمن کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی وہ افراتفری کے عالم میں منتشر ہونے لگے اور دائیں بائیں کھڑے ٹینکوں نے اندھا دھند گولہ باری شروع کر دی اس صورتحال میں چھت پر کھڑے رہنا خطرناک تھا ساتھیوں نے پوزیشن چھوڑنے کو کہا تو سوار محمد حسین نے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ

''جب تک دشمن پوری طرح پسپا نہیں ہو جاتا میں اس
جگہ سے نہیں ہٹوں گا''۔

اگلے روز جمعرات کی صبح 9 دسمبر کو پاکستانی مورچوں پر بے تحاشہ گولہ باری شروع ہو گئی بھارتیوں کا او پی کہیں قریب ہی چھپا سارے علاقے کو دیکھ رہا تھا جسے ٹروپ لیڈر فراست علی شاہ نے تلاش کرنے کو کہا یہ ڈیوٹی بھی رضا کارانہ طور پر سوار محمد حسین نے اپنے ذمہ لی شدید فائرنگ میں یہ بے خوف اور نڈر جوان خطرناک حد تک آگے چلا گیا آخر کار دو گھنٹوں کی صبر آزما تلاش کے بعد اس نے دشمن کے چھپے ہوئے او پی کو ڈھونڈ نکالا اور درخت کی طرف ٹھیک نشانے پر فائر کروایا تو او پی کے پرخچے اُڑ گئے۔

بھارت کے پاس نفری اور وسائل کی کمی نہ تھی یہی وجہ ہے کہ ہر حملے میں بھارتی رجمنٹس تازہ دم ہوتی تھیں اسکے مقابلے میں پاک فوج کی پہلے روز والی قلیل سپاہ ہی مقابلہ کر رہی تھی۔

بھارتی فوج نے حملوں میں مسلسل ناکامی پر ایک بار پھر مدد کیلئے اپنے طیارے بلا لئے ہندوستانی فضائیہ نے پاکستانی مورچوں پر بمباری شروع کر دی ایک طرف چار جدید ترین روسی لڑاکا طیارے SU7 مسلسل آگ کے گولے برسا رہے تھے تو دوسری طرف دشمن کی کور آرٹلری سے بھی شدید گولہ باری ہو رہی تھی اس صورتحال میں پاک فضائیہ کے بغیر حملہ روکنا مشکل ہو گیا تھا اتنے میں جدید ترین روسی طیاروں کے مقابلے میں پاکستان ایئر فورس کے تین قدیم سیبر طیارے آ گئے پیشہ ورانہ بام عروج پر فائز پاکستانی شاہینوں نے ٹیکنالوجی کے اس فرق اور تکنیکی کمزوری کے باوجود اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسا تاریخی فضائی معرکہ کیا کہ دشمن کا ایک طیارہ تباہ اور تین جدید طیارے ارضِ پاک کی فضائی حدود سے بھاگ نکلے اسکے علاوہ پاک فضائیہ نے دو ٹینک بھی تباہ کر دیئے پاکستانی شاہبازوں نے فضائی میدان صاف کر کے اپنے ہی مورچوں پر روایتی انداز میں

الوداعی فاتحانہ غوطہ لگایا اور جس دھج سے آئے تھے اس سے بڑھ کر شان سے لوٹ گئے۔

پاک فضائیہ کی اس کامیاب کارروائی پر جوان اپنے موروچوں سے باہر نکل کر ''پاکستان ایئر فورس'' زندہ باد کے نعرے لگانے لگے اس مسرت بھرے فاتحانہ انداز میں سوار محمد حسین کی آواز سب سے بلند تھی خوشی کے عالم میں نعرے لگاتے وقت اتفاق سے اسکے سر پر فولادی ہیلمٹ نہیں تھا تو ٹروپ لیڈر فراست علی شاہ نے کہا خدا کے بندے تم ہیلمٹ تو پہن لو، گولے کا ٹکڑا ننگے سر پر لگا تو کھوپڑی کھل جائے گی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا کہ

''مارنے اور مرنے کیلئے تو آیا ہوں ابھی مار رہا ہوں
جب مرنے کا وقت آیا تو اسی طرح خوشی سے ہنستے ہنستے
ہی مر جاؤں گا''۔

رات کے وقت ایسا محسوس ہوا کہ دشمن اب ہرڑ خورد میں آ گیا ہے محمد حسین سمیت 10 جوانوں کو سیکنڈ لیفٹیننٹ بشیر خاکوانی کی قیادت میں وہاں بھیجا گیا یہ دلیر جوان اب کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتا اس کا ارادہ تھا کہ اگر وہاں شکار ہوئے تو انہیں زندہ پکڑ کر لائیں گے مگر اتفاق سے گاؤں خالی تھا۔

رضا کارانہ طور پر میدان جنگ میں موت سے کھیلنے والا سوار محمد حسین اب نہ صرف پورے علاقہ سے واقف تھا بلکہ سب کا گائیڈ اور پاک فوج کی آنکھ بن گیا تھا یہی وجہ تھی کہ جب بارودی سرنگیں بچھانے کا وقت آیا تو اسی جوان کی رہنمائی میں یہ کام کیا گیا بارودی سرنگیں بچھانے کے بعد رات 11 بجے بشیر خاکوانی اپنی پارٹی کو واپس موروچوں میں لے آئے تھوڑی ہی دیر بعد بھارتی فوج نے ایک اور حملہ کر دیا لیکن بارودی سرنگوں میں داخل ہوتے ہی دشمن کے پرخچے اُڑ گئے رہی سہی کسر پاکستانی ٹینکوں اور رائفل ٹروپ کی مشین گنوں نے پوری کر دی۔

دشمن بھی ہر قیمت پر اس علاقہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا وہ 10 دسمبر جمعہ کی صبح پوری قوت کے ساتھ ایک بار پھر حملہ آور ہوا اب اس نے ہر طرف اندھا دھند فائرنگ اور آگ کے گولے برسانا شروع کر دیئے اس بار نالہ چو (پانی کا نالہ) میں پانی ہونیکی وجہ سے بھارتیوں کی پوزیشن بالکل غیر واضح تھی ایسے میں ایک مرتبہ پھر سوار محمد حسین جان کی پرواہ کیئے بغیر دشمن مورچوں کے بالکل قریب چلا گیا اور ٹارگٹ کا مکمل جائزہ لے کر کامیابی سے واپس آیا اور سیکنڈ ان کمانڈ کیپٹن انیس احمد خان کو صحیح پوزیشن بتائی۔

رخسانہ اور منور کا قابل فخر باپ اور ارزاں بی بی کا اعزاز سوار محمد حسین اپنے فرائض کو کئی ہندسوں سے ضرب دے چکا تھا شاید وہ ایک فرد کی بجائے مکمل فوج کی ذمہ داری خود سے اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا یہی وہ کیفیت تھی جو کمانڈنگ آفیسر کی جانب سے ملنے والے ہر حکم پر اسے لبیک کہنے پر مجبور کر دیتی اب منظر تبدیل ہو چکا تھا کچھ دن پہلے تک سوار محمد حسین پاک فوج کے ہمراہ دشمن سے برسر پیکار تھا اور اب فضل ربی کے سبب پاک فوج سوار محمد حسین کے ساتھ دشمن پر کاری ضرب لگا رہی تھی۔

وہ ہر ایک مورچہ میں جاتا اور نعرے لگا کر ساتھی جوانوں کا حوصلہ بڑھاتا اپنے مورچہ سے بھی بار بار نعرہ تکبیر اور نعرہ حیدری کی صدائیں بلند کرتا اسکے نعروں کی یہ آوازیں گولیوں اور توپوں کی گڑگڑاہٹ کا سینہ چیرتے ہوئے جب جوانوں کے کانوں تک پہنچتی تو یہ ایک طرح سے تازہ کمک کا کام دیتی وہ ایمونیشن بھی نہایت تیزی سے ایک بکس کندھے

اور دوسرا بغل میں دبائے مورچوں میں رکھتا اس دوران اگر کوئی ٹارگٹ نظر آتا تو مورچہ میں رکھی اپنی مشین گن سے فوراً فائر کھول دیتا اب دونوں طرف سے ہونیوالی گولہ باری کی گرد اور دھوئیں میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا مگر تقدیر سوار محمد حسین پر مہربان تھی ان حالات میں بھی وہ آگے جا کر چھپے ہوئے کسی ٹینک اور دشمن کے ٹھکانے دیکھ آتا پھر یہ دیکھتا کہ اپنی کونسی پوزیشن کی آر آر گن یا ٹینک اسے مار سکتا ہے وہ دوڑ کر وہاں جاتا اور دشمن کے ٹینک اور مشین گن کی صحیح پوزیشن بتا کر فائر کرواتا۔

یہ ڈھوک پیر بخش کے رہنے والے غریب کسان روز علی کے بیٹے سوار محمد حسین کا ہی کارنامہ تھا کہ دشمن ٹینک آگے بڑھنے کی بجائے ایک دوسرے کے پیچھے تباہ ہو رہے تھے۔

آر آر گن جب فائر کرتی ہے تو اسکے پیچھے سے دھواں اور شعلہ نکلتا ہے جسے بلاسٹ کہتے ہیں اس لئے فائر کرتے وقت گن کے پیچھے کوئی جوان کھڑا نہیں رہتا سوار محمد حسین اپنے توپچی کو گن کے پیچھے کھڑا بتا رہا تھا کہ فلاں درخت کے پیچھے ٹینک کھڑا ہے فائر کرو، توپچی نے فوراً نشانہ لے کر گولہ فائر کیا مگر اس پر تو ایسی ہیجانی کیفیت طاری تھی کہ وہ گن کے پیچھے ہی کھڑا رہا اور اس کی نظریں صرف اور صرف دشمن کے ٹینک پر تھی جب گولہ فائر ہوا تو بلاسٹ سوار محمد حسین کے منہ پر پڑا مگر تھوڑا ایک طرف ہونیکی وجہ سے وہ بچ گیا پاک فوج کا ایک افسر دور کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا وہ اسکی طرف دوڑنے لگا تو سوار محمد حسین نے کان پر اور پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ہلایا اشاروں میں ہنس کر افسر کو بتایا کہ صرف کان بند ہو گیا ہے لیکن آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں میرا کچھ نہیں بگڑا ہے۔

افسران اپنے جوان کی بہادری، دلیری، بے خوفی اور کارناموں سے حد درجہ متاثر تھے اسی لئے جنگ کے دوران ہی وہ اپنے افسران بالا کو سوار محمد حسین کی بہادری کے کارنامے بتاتے ہوئے گزارش کر چکے تھے کہ یہ جوان ملک کے سب سے بڑے اعزاز کا مستحق ہے توقع تھی کہ وہ ''پہلا سپاہی'' اور پہلا زندہ ''نشانِ حیدر'' ہوگا مگر یہ دلیر جوان ان سب چیزوں سے بے نیاز وطن عزیز کے دفاع میں مصروف تھا وہ ایک چھپے ہوئے ٹینک پر اپنے توپچی سے گولہ

فائر کروا رہا تھا کہ مشین گن کا برسٹ سوار محمد حسین کے سینے سے پار ہوگیا نائب رسالدار علی نواب اور صوبیدار عبدالرحمٰن کیانی دوڑ کر قریب آئے تو چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ آخری الفاظ یہی تھے کہ

''دشمن کہاں ہے؟ آگے تو نہیں آرہا''

ان الفاظ کیساتھ یہ دلیر اور معجزہ صفت کرشماتی جوان مسکراتے ہوئے وطن کی آن پر قربان ہوگیا۔

تاثرات... خراجِ تحسین وعقیدت

کمانڈر انچیف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن نے جنگ کے بعد صدر مملکت کو شہید سوار محمد حسین کی بہادری اور عظیم کارناموں کے بارے میں بتایا جس پر ذوالفقار علی بھٹو نے شہید کیلئے ''نشانِ حیدر'' کا اعلان کیا۔

سرکاری بیان کے مطابق شہید سوار محمد حسین 10 دسمبر 1971ء کو جان قربان کرنے سے قبل ہی ایک تاریخی کردار اور بہادری کے پیکر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اگر چہ وہ عام موٹر گاڑیوں کا ڈرائیور تھا لیکن اس مٹی سے عشق اور مادرِ وطن کی خاطر گھمسان کی جنگ میں کود گیا۔

''میرے بیٹے نے ملک کی خاطر جان دی ہے اگر
میرے اور بیٹے ہوتے تو انہیں بھی ملک وقوم پر قربان
کر دیتا ہمیشہ شہادت کیلئے بے قرار رہنے والے شہید محمد
حسین نے نہ صرف میری بلکہ میرے خاندان کی بھی
عاقبت سنوار دی ہے''۔

والد روز علی

شہید کی اہلیہ نے اس خبر کو بڑی ہمت اور صبر سے سُنا اور اپنے معصوم بیٹے کا منہ چومتے ہوئے کہا کہ

''اس کا باپ وطن کی آن کیلئے قربان ہو گیا میرے لئے
اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے''۔

شریک حیات ارزاں بی بی

''ہر طرف آگ ، بارود اور دھوئیں کے بادل چھائے
ہوئے تھے اس آگ کے طوفان میں یہ زندہ جاوید ہستی
اپنی ذات سے بے نیاز اگلے مورچوں کے درمیان دوڑ
دوڑ کر اپنے خون سے شجاعت کا ایک نیا ورق لکھ رہی تھی
یہ عظیم سپاہی جسکی بے مثال جرأت شہادت سے قبل ہی
افسروں اور جوانوں کیلئے ایک مسلمہ حقیقت اور مشعلِ
راہ بن چکی تھی ، 9 دسمبر کی شام تک یونٹ کا ہر فرد اسکی
دلیری ، ہمت اور مقصد سے لگن کا قائل ہو چکا تھا یقیناً
خوش بخت ہے وہ بیوہ جس کا سہاگ پوری قوم کی
امانت بن چکا ہے اور قابلِ فخر ہیں وہ ماں باپ جن
کے بیٹے شہید سوار محمد حسین جیسے عزائم رکھتے ہیں''۔

ساتھی صوبیدار امیر خان ملک

''حقیقت میں ہرڑ خورد کا فاتح شہید سوار محمد حسین ہی
ہے شہید واقعی نشانِ حیدر کے مستحق تھے انکی مردانگی ،
بے پناہ جرأت اور فرض شناسی نے دشمن کو ناقابل تلافی
نقصان پہنچایا تھا''۔

کمانڈنگ آفیسر طفیل محمد

شہید زندہ ہے

جنگ ابھی جاری تھی اس لئے امانتاً شہید کی تدفین سیالکوٹ میں ہی کر دی گئی جنگ کے بعد سوار محمد حسین کو ملک کا سب سے بڑا اعزاز ''نشانِ حیدر'' عطا ہوا تو وطن عزیز کے اس محسن کا جسدِ خاکی آبائی گاؤں ڈھوک پیر بخش منتقل کرنے کیلئے جب تابوت نکالا گیا تو قبر سے اُٹھنے والی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی اُس وقت قریب کھڑے تمام لوگوں کے لبوں پر درود شریف کا ورد تھا، گھر والوں کی درخواست پر جب چہرہ دکھایا گیا تو یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ بغیر داڑھی دفنائے ہوئے شہید کے چہرے پر صاف ستھری اور خوبصورت داڑھی کے ساتھ ہمیشہ کی طرح رہنے والی مسکراہٹ اب بھی قائم تھی خون اتنا تازہ تھا کہ جیسے ابھی ابھی شہید ہوئے ہوں یہ منظر وہاں موجود سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

آٹھواں نشانِ حیدر

شہید

مُحَمَّد مُحفُوظ

۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۴ء
تا
۱۷ر دسمبر ۱۹۷۱ء

Lance Naik
Muhammad Mahfooz
Shaheed

محمد محفوظ

ولدیت	:	مہربان خان
تاریخ پیدائش	:	بدھ 25 اکتوبر 1944ء
جائے ولادت	:	پنڈ ملکاں، راولپنڈی
آرمی نمبر	:	2222519
رینک	:	لانس نائیک
آرمڈ سروس	:	پنجاب رجمنٹ
تاریخ شہادت	:	17 دسمبر 1971ء
بمقام	:	پل کنجری، واہگہ سیکٹر
آخری آرام گاہ	:	بستی محفوظ آباد، راولپنڈی
عرصہ حیات (ظاہری)	:	27 سال 1 ماہ 22 دن

اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے کہ
''جو میری طلب کرتا ہے وہ مجھے پالیتا ہے۔''

راولپنڈی کے ایک گاؤں ''پنڈ ملکاں'' میں
دو سادہ طبیعت میاں بیوی رہتے تھے اور دونوں ہی کی
طلب صرف اللہ کی رضا تھی یہ دونوں میاں بیوی غربت
وتنگ دستی کے باوجود اپنے رب سے سچے تھے۔
مشکل میں کیا جانے والا شکر خدا کو بہت
پسند ہے ساری زندگی صبر وشکر کیساتھ گزارنے والے
اللہ کے یہ پیارے مشکل حالات میں اور بھی زیادہ
اپنے پروردگار کا شکرادا کرتے تھے۔

رب تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے
''میں صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہوں۔''

اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے یہ دونوں
میاں بیوی ہمیشہ پروردگار کو اپنے ساتھ محسوس کرتے
تھے کیونکہ انکے نزدیک اس نعمت سے بڑی کوئی نعمت
اور اس لذت سے بڑی کوئی لذت نہ تھی۔ باری تعالی
نے بھی اپنے اس درویش صفت جوڑے کو
''محمد محفوظ'' کی صورت میں انعام عطا کیا۔

اللہ والے فرماتے ہیں
''جو انسان کے اندر ہوتا ہے وہی باہر نکلتا ہے اگر
انسان کے اندر جھوٹ ہے تو سچ باہر نہیں نکل سکتا۔''

خالقِ کائنات کے ان سچے بندوں کے گھر
میں بھی سچ ہی نے جنم لیا یہ سچ آج بھی زندہ ہے اور
ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ شہادت کی زندگی میں موت
کبھی نہیں ہوتی۔

سچے لوگ

اللہ والے فرماتے ہیں
''رزقِ حلال کے بغیر تمام عبادتیں بے معنیٰ
ہیں، پاک رزق کے بغیر بات نہیں بنتی، باقی مالک خود
مختار ہے، شہتیر کو بخش دے یا ذرے کو نواز دے''۔

محمد محفوظ کے والد مہربان خان پاک رزق کیلئے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ تصوف و

روحانیت سے خاص لگاؤ رکھنے والا راہِ عشق حقیقی کا یہ مسافر اولیاء کرام اور صوفیاء سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔

حق تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے
''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔''

محمد محفوظ کے والد مہربان خان رب تعالیٰ سے قربت کا وسیلہ بننے والے اللہ کے سچے عاشقوں اور پیاروں کی تلاش میں رہتے۔ جہاں کہیں بھی انہیں اللہ والوں کی موجودگی کا پتہ چلتا وہ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے وہ پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے مریدین میں سے تھے۔

کچھ یہی کیفیت محمد محفوظ کی والدہ سرور جاں کی تھی وہ ایک نیک سیرت، صوم و صلوٰۃ کی پابند، عاشق رسول ﷺ اور صراطِ مستقیم پر چلنے والی خاتون تھیں۔ مہربان خان کے بیٹے محمد معروف، محمد محفوظ اور بیٹی بی بی کلثوم کی یہ خوش نصیبی تھی کہ ان کا تعلق ایک عاشق رسول ﷺ اور صوفی گھرانے سے تھا۔

درس گاہِ اول

محمد محفوظ نے بروز بدھ 25 اکتوبر 1944ء کو ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں ''پنڈ ملکاں'' میں آنکھ کھولی یہی جگہ اب شہید محمد محفوظ کے نام کی نسبت سے ''بستی محفوظ'' کہلاتی ہے۔

گھر ہی محمد محفوظ کی درس گاہِ اول تھی۔ اس درس گاہ سے محفوظ کو سبق ملا کہ جس طرح اسکے والدین عشق خدا میں مغلوب ہو کر بے پرواہ رہتے اسی طرح اسے بھی حوادثِ

زمانہ سے بے نیاز رہنا ہے۔ محمد محفوظ نے اپنے ماں باپ کو ہمیشہ سچ بولتے سنا چنانچہ سچائی کو اس نے اپنا شعار بنالیا۔ باوجود مشکلات کے حصول رزق حلال عین عبادت ہے یہ وہ سبق ہے جو محفوظ نے اپنے والدین سے حاصل کیا۔ باری تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے دنیاوی ہر قسم کے ڈر سے بے نیاز ہو جانا اور مشکل ترین حالات میں بھی رب تعالیٰ سے شکوے یا شکایت کے بجائے صبر و شکر کرنے کا سبق بھی اسے گھر سے ملا۔

کلام پاک پڑھ لینے کے بعد والدین نے پرائمری تعلیم کے لیے محفوظ کو گاؤں ہی میں بھمبر تراڑ اسکول میں داخل کروا دیا۔ شہید محمد محفوظ کے دادا گلزار خان اپنے پوتے کو جنگوں، مسلمان جرنیلوں اور شہیدوں کی کہانیاں سنایا کرتے تھے جو محفوظ اپنے بچپن میں انتہائی شوق و دلچسپی سے سنا کرتا تھا۔

فوج میں جانا محمد محفوظ کی دیرینہ خواہش تھی کیونکہ دادا جان کی سنائی گئی جنگی کہانیوں نے اسے فوج میں شمولیت کیلئے باقاعدہ آمادہ کر لیا تھا اسی لیے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے فوراً بعد محمد محفوظ 25 اکتوبر 1962ء کو منگل کے دن بطور سپاہی پاکستان آرمی کا حصہ بن گیا۔ بنیادی فوجی ٹریننگ کے بعد بروز بدھ 8 مئی 1963ء کو پنجاب رجمنٹ کا حصہ ہونیوالے محمد محفوظ کی پہلی تعیناتی کوئٹہ میں ہوئی۔ فوجی ملازمت کے کچھ عرصہ بعد ہی گھر والوں نے محمد محفوظ کی پسندیدگی کا خیال رکھتے ہوئے ماموں زاد بی بی مقصودہ سے منگنی کر دی تھی۔

شخصی خاکہ

محمد محفوظ کو اپنے والدین سے نسب میں ذات باری تعالیٰ پر بھرپور ایمان و یقین ملا اور وہ اپنے ماں باپ کی طرح خدا کا فرمانبردار اور سچا عاشق رسول ﷺ تھا وہ اپنے گھر والوں، عزیز رشتہ داروں اور دوستوں کا خاص خیال رکھتا اگر کسی کو تکلیف میں دیکھتا تو بے

چین ہو جاتا اور خود سے ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کرتا۔

اللہ والے فرماتے ہیں
''باپ اور ماں کی رضا میں ہی رب کی رضا ہے''۔

محفوظ ایک محنت کش باپ کا محنتی بیٹا تھا۔فوج میں بھرتی ہونے سے قبل وہ گھر کے کاموں میں اپنی والدہ سرور جاں اور کھیتی باڑی میں اپنے والد مہربان خان کا مسلسل ہاتھ بٹاتا تھا۔محمد محفوظ ایک فرمانبردار، خدمت گزار اور باادب بیٹا تھا یہی وجہ تھی کہ ماں باپ اپنے اس بیٹے سے راضی تھے۔
محمد محفوظ اولیاء کرام، بزرگانِ دین اور خصوصاً اسلامی ہیروز کی بہادری کے کارناموں پر لکھی جانیوالی کتابیں دلجمعی سے پڑھا کرتا تھا۔اللہ نے اسے آواز بھی بہت میٹھی اور سریلی عطا کی تھی وہ ترنم کیساتھ عارفانہ کلام،نعتیہ کلام اور قصہ یوسف وزلیخا بہت ذوق و شوق سے پڑھا کرتا تھا۔
احکام الٰہی پر عمل کرنا ہو یا والدین کا کہا ماننا محفوظ کوتاہی نہیں کرتا تھا وہ گھر کے نجی کاموں میں بھی دلچسپی لیتا اور بحیثیت فوجی اپنے افسران کی جانب سے دی جانیوالی ذمہ داریوں کو بھی بحسن وخوبی انجام دیتا غرضیکہ محمد محفوظ دین و دنیا میں ایک مثالی کردار کا حامل نمونہ تھا اور خوش قسمتی سے وہ ہر میدانِ عمل میں ہمیشہ کامیاب اور دوسروں سے آگے رہا۔

کھیلوں سے دلچسپی

محمد محفوظ کی دلچسپی اور مہارت بہت سے کھیلوں میں تھی وہ کبڈی، گھڑ دوڑ، کھونڈی اور باکسنگ کا بہترین کھلاڑی تھا۔جسمانی طاقت کیساتھ فنی مہارت کا یہ عالم تھا کہ کھڑی ہتھیلی

سے اینٹ کے دو ٹکڑے کر دینا محمد محفوظ کیلئے معمول کی بات تھی۔ فوجی ٹریننگ کے دوران باکسنگ میں کمال مہارت ساتھیوں میں اسکی شہرت کا باعث بن گئی تھی اور وہ محمد محفوظ سے باقاعدہ باکسنگ کی ٹریننگ لیا کرتے تھے۔

پاکستان آرمی کے زیرِ اہتمام ڈیپارٹمنٹل باکسنگ مقابلوں میں فتح ہمیشہ محمد محفوظ کا مقدر ٹھہری اور بعد ازاں مڈل ویٹ چیمپیئن کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ باکسنگ کے مقابلوں میں مسلسل کامیابیوں نے محمد محفوظ کو فوج میں ''پاکستانی محمد علی کلے'' کے نام سے معروف کر دیا تھا۔

بھارتی سرزمین پر پاکستانی پرچم

دسمبر 1971ء کو پاک بھارت جنگ کا آغاز ہوا تو اُس وقت لانس نائیک محمد محفوظ 15 رجمنٹ کی ''اے کمپنی'' میں تعینات تھا یہ کمپنی واہگہ اٹاری سیکٹر میں فرائض کی انجام دہی پر مامور تھی اسی مقام پر جنگی تاریخ کا ایک قابلِ ذکر معرکہ ہوا اور اس معرکہ میں ہندوستان کو نہ صرف عبرتناک شکست ہوئی بلکہ اس کے ہزاروں فوجی بھی مارے گئے اور زندہ بچ جانیوالے دشمن فوجیوں میں سے اکثر نے اپنا علاقہ چھوڑ کے بھاگ کر اپنی روایت کو برقرار رکھا۔

> پاک فوج کے جوانوں نے اس میدان میں
> بھارتی فوج کا وہ حشر کیا جو غیر جانبدار میڈیا کی جانب
> سے جب نشر کیا گیا تو وہ ہندوستان کی داستانِ حشر نشر
> بن گیا۔

دشمن کی شکست و پسپائی کے بعد جمعہ 3 دسمبر 1971ء کو پل کنجری اور بھارتی پوسٹ پر پاک فوج نے پاکستانی پرچم لہرا دیا تھا۔ پل کنجری والا واہگہ چیک پوسٹ سے تین

میل دور ایک بہت بڑا ہندوستانی گاؤں تھا اسی کے قریب دشمن کی ایک مضبوط چیک پوسٹ تھی جو کہ اب اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔

بھارت ہر صورت اپنا یہ علاقہ واپس لینا چاہتا تھا جس کیلئے اس نے اپنا سارا زور لگالیا اور بے تحاشہ گولہ بارود استعمال کیا ہندوستان 4 دسمبر سے 16 دسمبر تک جدید ہتھیاروں سے بار بار حملے کرتا رہا، گولہ بارود کے علاوہ ہندوستانی فضائیہ بھی ان حملوں میں مدد کرتی رہی لیکن وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام رہا کیونکہ محمد محفوظ جیسے پاک آرمی کے جوان چٹان کی طرح انکے سامنے ڈٹے ہوئے تھے مادرِ وطن کے ان بہادر سپوتوں نے تمام حملوں کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے گاؤں اور پوسٹ پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

جنگ بندی کا اعلان

بروز جمعرات مورخہ 16 دسمبر 1971ء کو بھارتی وزیر اعظم نے جنگ بندی کا اعلان کیا جسے پاکستانی حکومت نے تسلیم کرلیا اور 17 دسمبر شام ساڑھے سات بجے کے قریب افواجِ پاکستان کو فائر بند کر دینے کا حکم دے دیا۔

تھرو پراپر چینل احکامات ملنے کے بعد اعلیٰ افسران کی ہدایات پر جوانوں نے اپنی مزید کارروائیاں روک دیں اور سیز فائر پر مکمل عمل کیا گیا۔

بھارتی فوج کی عیاری

فائر بندی اعلان کے بعد اب پاک فوج کے جوان مطمئن ہوگئے تھے مگر بھارت نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روایتی عیاری سے کام لیا اور مکمل منصوبہ بندی اور بھرپور تیاری کے بعد رات کی تاریکی میں واہگہ اٹاری سیکٹر پل کنجری والا پر شدید حملہ کر

دیا۔ پاکستان آرمی کے جوانوں کو جنگ بندی کے بعد اس اچانک دھوکے سے کیے گئے حملے کی توقع نہ تھی اس لیے انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا یوں ہندوستانی فوج نے دھوکہ اور مکاری سے کام لیتے ہوئے پل کنجری والا پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

پل کنجری والا پر قبضہ کے بعد اب ہندوستانی فوجیں بلندی پر ہونیکی وجہ سے محفوظ مورچہ بندی میں تھیں جبکہ پاک فوج کے جوان کھلے میدان میں دشمن کے بالکل سامنے نشانوں پر تھے چنانچہ اب صورتحال سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والوں کے کنٹرول میں تھی۔

لانس نائیک محمد محفوظ کے کارنامے

دشمن نے اپنی موجود پوری قوت جمع کر کے چالاکی اور مکاری سے بھرپور حملہ اس لئے کیا تھا کہ اب وہ پاکستانی علاقوں کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا تھا یہی وجہ تھی کہ اب بھارتی سپاہی تیزی سے پاک سرزمین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پیش قدمی کرتے ہوئے ایک بھارتی پلاٹون پاک فوج کے جوانوں کے گرد گھیرا ڈالے ان پر فائر کرنے ہی والی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ پلاٹون تڑپنے لگی اور پوری کی پوری ختم ہوگئی۔ یہ کارنامہ مہربان خان کے بیٹے محمد محفوظ کا تھا وہ اس مشکل وقت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر شیروں کی طرح آگے آیا، مشین گن سے فائر کیا اور دشمن کی پوری پلاٹون کو ڈھیر کر دیا اور اسطرح پاک دھرتی کی جانب بڑھتے ہوئے ناپاک قدم وہیں رُک گئے۔

عظیم ماؤں کے یہ لعل کھلے میدان میں بھارتی فوجیوں کے نشانے پر ہونے کے باوجود بہادری سے لڑتے ہوئے دشمن کی پیش قدمی روک رہے تھے۔

محمد محفوظ اپنی جان سے بے پرواہ تھا اسے پرواہ تھی تو صرف یہ تھی کہ پاکستانی سرحدی حدود کی جانب بڑھنے والے دشمن کے ناپاک قدم کامیاب نہ ہوں۔ اچانک دشمن

کی جانب سے آنیوالے ایک گولے نے نہ صرف محمد محفوظ کی مشین گن تباہ کردی بلکہ ایک ٹانگ بھی زخمی کردی اس انتہائی سنگین صورتحال میں اچانک محمد محفوظ کی نظر قریب ہی اپنے ایک ساتھی لانس نائیک محمد صادق کی مشین گن پر پڑی جو چند لمحوں پہلے شہید ہوئے تھے۔

محمد محفوظ زخمی ہونے کے باوجود شہید ساتھی تک پہنچا، گن ہاتھ میں لی اور ایک بار پھر دشمن پر پوری قوت سے قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑا۔ میدان بالکل کھلا تھا کوئی پشت (آڑ) بھی نہ تھی اس لیے بلندی پر بیٹھا دشمن محمد محفوظ کو باآسانی دیکھ رہا تھا چنانچہ اس نے ایک بار پھر فائر کھول دیئے جس سے محمد محفوظ کی یہ مشین گن بھی ناکارہ ہوگئی مگر محفوظ نے مورچہ میں موجود اس گنر کو دیکھ لیا تھا جسکی وجہ سے پاک فوج کی اس کمپنی کو مسلسل نقصان ہو رہا تھا۔

پنڈ ملکاں کا رہنے والا یہ مردِ مجاہد شدید زخمی حالت میں بھی رائفل اُٹھا کر بھارتی گنر کی طرف رینگنے لگا اور گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھتا گیا اگرچہ آگے بڑھتے ہوئے اس نے غیر محفوظ طریقہ اپنایا لیکن وطن عزیز کو محفوظ بنانے میں کامیاب رہا۔

اللہ والے فرماتے ہیں

"اللہ کے پیارے مرنے سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی
انہیں موت کا خوف ہوتا ہے وہ تو دیدارِ الٰہی کی خواہش
میں خوشی خوشی موت کو گلے لگاتے ہیں"۔

ماں کا خواب

محترمہ سرور جاں کے دو بیٹے تھے بڑا بیٹا محمد معروف بھی پاک فوج کا سپاہی تھا۔ محمد محفوظ کی شہادت سے چند روز قبل ماں جی نے ایک خواب دیکھا وہ اپنے شوہر مہربان خان کو خواب سناتے ہوئے کہتی ہیں کہ

''میرے ہاتھ میں ایک سیب تھا اور میں کھلے میدان میں بیٹھی اس سیب سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ اچانک ایک اور سیب اوپر سے میری جھولی میں آ گرا جھولی میں گرنے والا یہ سیب انتہائی خوبصورت تھا۔

میں اس سیب کو پیار کرتی ہوں اسے بار بار غور سے دیکھتی ہوں اور بہت خوش ہوتی ہوں کہ کتنا حسین اور پیارا سیب ہے۔

اچانک اسی دوران ایک بزرگ آجاتے ہیں اور ان دونوں سیبوں کو دیکھتے ہیں اور پھر مجھے کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک سیب اپنی مرضی سے مجھے دے دو میں اپنی مرضی اور خوشی سے اُوپر سے میری جھولی میں گرنے والا وہ پیارا اور خوبصوت سیب بزرگ کو دے دیتی ہوں پھر وہ بزرگ دعا دیتے ہوئے سیب لے کر چلے جاتے ہیں۔''

ہمیشہ کی زندگی

پوری قوم سلام پیش کرتی ہے محترمہ سرور جاں پر کہ جس نے مملکتِ خداداد کی سرحدوں کو محفوظ بنانے کیلئے اپنا محفوظ قربان کر دیا۔ سادہ لوح ماں باپ کا یہ فرمانبردار بیٹا محمد محفوظ ارض پاک پر قربان ہونے سے قبل بہادری کے وہ جوہر دکھانے والا تھا جو یقیناً

پاکستانی قوم پر احسان اور اسکے والدین کیلئے فخر بے بہا ہے۔

محمد محفوظ محافظِ وطن تھا اور حفاظت کی ذمہ داری اس کے نام ''محفوظ'' میں سے خوشبو کی طرح مہک رہی تھی اسکے نام کا سابقہ یعنی پہلا حصہ ''محمد'' ہے چنانچہ وہ خود محمد ﷺ کے طفیل ہمیشہ کیلئے محفوظ ہونے جا رہا تھا۔

دشمن نے جب محفوظ کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو فائر کھول دیئے آخری بار ساتھیوں نے اسے اس حالت میں دیکھا کہ سینے میں گولیاں لگنے کے باوجود وہ اپنے ہدف یعنی بھارتی مورچہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پاک فوج کا یہ جوان مادرِ وطن کیلئے اپنا آپ قربان کر کے اپنی مٹی کا حق ادا کرنا چاہتا تھا یہی وجہ ہے کہ شدید زخمی ہونے کے باوجود دشمن کی گولیاں بھی اس کا راستہ نہ روک سکیں اور بالآخر محمد محفوظ بھارتی مورچہ کے اندر جا پہنچا۔

اس منظر کے بعد ایک متجسس خاموشی تھی اس خاموشی کے پیچھے چھپی ہوئی روداد اللہ تعالیٰ کے بعد دشمن ہی جانتا تھا کہ بھارتی مورچہ کے اندر کیا ہوا۔

بھارتی مورچہ کے اندر کا منظر شاید تصور رہتا، خیال رہتا اور قیاس رہتا لیکن ''لانس نائیک محمد محفوظ'' کی داستانِ جرأت کو ہمیشہ محفوظ رکھنے کیلئے باری تعالیٰ نے سبیل پیدا کی کہ بعد از جنگ بہ زبان دشمن معلوم ہوا کہ محمد محفوظ نے اندر جا کر بھارتی گن مین کی گردن اپنے مضبوط ہاتھوں سے دبوچ لی اور اُس وقت تک دشمن گنر کی گردن نہ چھوڑی تھی کہ جب تک وہ ہلاک نہ ہو گیا۔

وطن عزیز کی حفاظت کرنیوالے پاک فوج کے جوان کئی بہنوں کے بھائی ماؤں کے بیٹے اور سہاگنوں کے سہاگ دشمن کی گولیوں کا نشانہ بنے اور ان شہادتوں کی بڑی وجہ

بھارتی مورچہ میں موجود گن آپریٹ کرنیوالا بھارتی گنر تھا جو محمد محفوظ کی نگاہ میں اُسوقت سب سے بڑا دشمنِ پاکستان تھا چنانچہ مورچہ میں چھپے اس گنر کو اس دلیر جوان کے ہاتھوں واصل جہنم ہونا کاتب تقدیر نے محمد محفوظ کیلئے لکھ چھوڑا تھا۔

گنر اب ختم ہو چکا تھا اسی وقت ایک بھارتی فوجی نے رائفل پر لگی آہنی سنگین سے محمد محفوظ پر وار کیا لیکن یہ وار اس وقت ہوا جب محمد محفوظ گنر کو ختم کرنے کے بعد اپنی کھلی آنکھوں کے ساتھ چہرے پر مسکراہٹ سجا کر اپنے جسم سے برآمد ہونیوالی روح کو فلک کی جانب سفر کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

میدانِ جنگ میں اپنی ذمہ داریوں سے کہیں بڑھ کر ذمہ داری نبھانے، دلیری کی ایک لازوال داستان رقم کر کے خاکی وردی کا فخر بننے اور وطن عزیز کیلئے اپنا آپ قربان کرنے کے اعتراف میں شہید لانس نائیک محمد محفوظ کو اتوار 16 اپریل 1972ء کو صدر مملکت ذوالفقار علی بھٹو نے نشانِ حیدر کا اعزاز دیا۔

بھارتی فوج کا اعتراف

بھارتی فوجی بھی شہید محمد محفوظ کی بے خوفی اور دلیری سے متاثر تھے۔ جنگ بندی کے بعد جب شہید کی نعش لی گئی تو دشمن کے ایک سکھ کمانڈر کرنل پوری نے محفوظ کی بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ

> ''میں نے اپنی زندگی میں اور پوری سروس کے دوران
> اس سے زیادہ بہادر جوان نہیں دیکھا۔ آپ کا یہ جوان
> ملک کے سب سے بڑے اعزاز کا حق دار ہے''۔

شہید زندہ ہے، انہیں مردہ مت کہو

محمد محفوظ کی شہادت 17 دسمبر 1971ء کو جمعہ کے روز ہوئی اور 16 اپریل 1972ء کو اتوار کے روز انہیں نشانِ حیدر عطا کیا گیا۔ شہادت کے فوراً بعد شہید کی تدفین جس مقام پر کی گئی وہاں جگہ بہت تنگ تھی اور فاتحہ کیلئے آنیوالوں کو دِقت کا سامنا تھا۔

ملک کا سب سے بڑا اعزاز ملنے کے بعد پاک فوج کے اعلیٰ افسران اورعوام کی خواہش تھی کہ شہید کی قبر باقاعدہ یادگار کی شکل میں کسی کھلی جگہ تعمیر کی جائے تاکہ قبر پر آنے والوں کو مشکلات کا سامنا نہ ہو لہٰذا جسد خاکی کو دوسرے مقام پر منتقل کر کے یادگار تعمیر کرنیکا فیصلہ کیا گیا۔

بروز جمعہ 30 جون 1972ء یعنی شہید لانس نائیک محمد محفوظ (نشانِ حیدر) کی شہادت سے 6 ماہ اور 13 روز بعد اس فیصلہ پر عمل کیا گیا ان دنوں گرمیاں اپنے عروج پر تھیں اور قبرستان کے چاروں اطراف اتنی دھوپ اور گرمی تھی کہ اس عمل میں شریک لوگوں کا کھڑے رہنا بھی مشکل تھا لیکن جب لوگ شہید کی قبر کشائی کیلئے آگے بڑھے تو اچانک قبر کے عین اوپر بادل کا ایک ٹکڑا آ کھڑا ہوا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی۔ بادل کا یہ سایہ صرف قبر کے حصہ پر تھا جبکہ اطراف میں بدستور شدید گرمی اور تیز دھوپ تھی۔

محمد محفوظ کے بڑے بھائی محمد معروف کہتے ہیں کہ

''جب ہم نے قبر سے مٹی ہٹائی تو اتنی مسحور کن خوشبو آئی جو ہم نے کبھی پہلے محسوس نہیں کی تھی اور اس کے بعد آج تک وہ خوشبو دوبارہ سونگھنے کو نہ ملی۔ جب شہید کا تابوت قبر سے باہر نکالنے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو میرا پورا

ہاتھ خون آلود ہو گیا اسکے بعد پھر جب تابوت چار پائی پر رکھا تو تازہ خون کے قطرے گرنا شروع ہو گئے۔ میں نے بھائی کا چہرہ دیکھنے کی اجازت لی جب چہرہ دکھایا گیا تو مجھ سمیت قریب کھڑے لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کیونکہ شہادت کے وقت محفوظ کی داڑھی نہیں تھی جبکہ اب شہید مکمل داڑھی میں تھا۔ میرے لئے ناقابل یقین تھا کہ 6 ماہ قبل قبر پر رکھے گئے پھول بھی ایسے تازہ تھے کہ جیسے کسی نے چند لمحہ پہلے پودوں سے توڑ کر رکھے ہوں۔ موقع پر موجود ہزاروں لوگوں نے یہ معجزاتی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا''۔

نواں نشانِ حیدر

شہید

سیف علی جنجوعہ

پیر ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء

تا

منگل ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۸ء

Naik

Saif Ali Janjua

Shaheed

سیف علی جنجوعہ

ولدیت	:	معصوم خان جنجوعہ
تاریخ پیدائش	:	پیر 23 اپریل 1923ء
جائے ولادت	:	موضع کھنڈ ہار تحصیل نکیال۔ کشمیر
آرمی نمبر	:	68275
رینک	:	نائیک
آرمڈ سروس	:	18 آزاد کشمیر رجمنٹ
تاریخ شہادت	:	منگل 26 اکتوبر 1948ء
بمقام	:	پیر کلیوہ، مینڈھر سیکٹر۔ کشمیر
آخری آرام گاہ	:	تحصیل نکیال۔ کشمیر
عرصہ حیات (ظاہری)	:	25 سال 6 ماہ 3 دن

جنگ کشمیر کے ہیرو سیف علی جنجوعہ نے منگل 26 اکتوبر 1948ء کو محاذ کشمیر پر جام شہادت نوش کیا۔ بروز پیر 14 مارچ 1949ء کو آزاد جموں و کشمیر ڈیفنس کونسل کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں شہید کی جرأت اور بے مثال فرض شناسی کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں اُس وقت کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ''ہلال کشمیر'' عطا کرنے کا اعلان کیا گیا۔

یاد رہے کہ 1949ء میں مسلح افواج کے سب سے بڑے فوجی اعزاز کے طور پر ''ہلال کشمیر'' کا سیف علی جنجوعہ شہید کو عطا ہونا پہلا اور واحد اعزاز ہونے کے سبب سے ہمیشہ ممتاز رہے گا میزانِ عدل پر تول کر اُس وقت کے سب سے بڑے فوجی اعزاز کو بعد میں جاری ہونیوالے ''نشانِ حیدر'' کے مساوی قرار دینا ناگزیر تھا چنانچہ مسلح افواج کی قیادت اور

حکومت پاکستان کی جانب سے جمعرات 30 نومبر 1995ء کو ہلال کشمیر کا اعزاز نشانِ حیدر کے مساوی قرار دیا گیا اور اسطرح نشانِ حیدر حاصل کرنیوالے شہداء کی تعداد میں ایک اور شہید کا اضافہ ہوگیا تادم تحریر کل شہدائے نشانِ حیدر کی تعداد 11 ہو چکی ہے۔

پیدائش......پس منظر

کشمیر کے گاؤں ''موضع کھنڈ ہار'' کے رہنے والے معصوم خان جنجوعہ کے گھر دھرتی کے ایک ایسے قابل فخر بیٹے نے آنکھ کھولی جسکی جرأت، دلیری، اپنی مٹی سے محبت اور عظیم قربانی کو تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والے معصوم خان جنجوعہ کو پروردگار نے اولاد کی صورت ایک بیٹی شاہ بی بی اور پھر دو بیٹے سیف علی اور فقیر محمد کی نعمت سے نوازا۔ تین بچوں کا یہ باپ معصوم خان جنجوعہ کھیتی باڑی کر کے اپنے گھر کی گزر بسر کرتا تھا وہ ایک محنتی، سادہ، سچا، صاف گو اور مذہب پرست انسان تھا غرض یہ کہ اس کا پورا گھر ہی دینی اور اسلامی ماحول میں ڈھلا ہوا تھا۔

جنگ آزادی کشمیر کے ہیرو سیف علی جنجوعہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر ہی کے اسلامی ماحول میں شروع ہوئی انھوں نے قرآن پاک گھر میں اپنے والدین سے پڑھا وہ صرف پانچویں جماعت تک پڑھ سکے کیونکہ گاؤں میں سیکنڈری اسکول نہیں تھا اور وسائل کی بھی کمی تھی۔ معصوم خان جنجوعہ نے اپنے دینی مزاج کے مطابق بیٹے کو مزید پڑھانے کی خواہش میں گاؤں کے مولوی صاحب کے پاس دینی تعلیم حاصل کرنیکی طرف لگا دیا اس طرح کم عمری سے ہی سیف علی جنجوعہ کو علماء دین کے قریب اور انکی صحبت میں رہنے کا موقع ملا چنانچہ علماء دین کی صحبت اور گھر کی تربیت کا انکی زندگی پر بہت گہرا اثر ہوا۔

سیف علی جنجوعہ کی پیدائش بروز پیر مورخہ 23 اپریل 1923ء کو آزاد جموں و کشمیر کی تحصیل نکیال کے گاؤں موضع کھنڈ ہار میں ہوئی یہ وہ وقت تھا جب کشمیر میں ڈوگرہ راج مسلط تھا اور اس راج نے جنت نظیر وادی میں کشمیریوں کی زندگی جہنم بنا رکھی تھی۔ برصغیر پر قابض انگریز نے 16 مارچ 1846ء کو ''معاہدہ امرتسر'' کے ذریعے انسانی حقوق پامال کرتے ہوئے حیرت انگیز طور پر کشمیر کو اپنی فوج کے ایک ڈوگرہ افسر راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ 75 لاکھ روپے میں فروخت کر دیا یہ نہ صرف کشمیریوں کیلئے ایک عظیم سانحہ تھا بلکہ اسے انسانی تاریخ کے سیاہ ترین باب کے طور پر بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ڈوگرہ راج میں مہاراجہ ہری سنگھ کا دور بدترین ناانصافی کے حوالے سے تاریخ کا حصہ بنا جس نے کشمیری مسلمانوں کی زندگی مشکل بنا دی تھی، نہتے اور مظلوم کشمیری ظلم سہتے رہے تو ہری سنگھ اپنے مظالم میں اور آگے بڑھتا گیا یہی وجہ تھی کہ بھاری ٹیکس اور معاشی قتل عام کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے مسلمانوں سے مذہبی آزادی بھی چھین لی تھی اس نے مسلم اکثریتی آبادی میں گائے کے ذبیحہ اور قربانی پر پابندی، مساجد کے گرد پہرے اور اوقاتِ نماز کے علاوہ مسجد میں داخلے پر پابندی لگا دی تھی یعنی مسجد میں کسی بھی قسم کی اسلامی یا دینی تقریب منعقد نہیں کی جا سکتی تھی۔

وادی کشمیر میں سیف علی جنجوعہ کا بچپن ڈوگرہ فوج کے مظالم سنتے اور دیکھتے گزرا، وہ ظلم اور جنگ و جدل کے ماحول میں ہی پروان چڑھے اسلئے انکی طبیعت میں بے انتہا سنجیدگی تھی وہ بچپن ہی سے انتہائی حساس اور شرمیلی طبیعت کے مالک تھے۔

سیف علی کم عمری کے باوجود اپنی سرزمین کو ڈوگرہ راج کے غاصبانہ قبضہ سے آزاد کروانے کیلئے عملی طور پر تحریک آزادی میں شامل ہونا چاہتے تھے مگر کم سنی اور فوجی تربیت نہ ہونیکی وجہ سے ایسا ممکن نہ تھا یہی وجہ تھی کہ انہیں انکی خواہش کے باوجود جب عسکری سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت نہ ملی تو وہ غیر فوجی حریت پسندوں کے چھوٹے چھوٹے کام کر کے اور انھیں آسانیاں دے کر خوش ہوتے کیونکہ ڈوگرہ مظالم کے خلاف علمِ بغاوت

کرنیوالے اور آزادی کیلئے لڑنے والے یہ جانباز حریت پسند ہی کم سن سیف علی جنجوعہ کے ہیرو تھے۔

فوجی تربیت

کم عمری اور فوجی تربیت نہ ہونے کے سبب ڈوگرہ مظالم کیخلاف عملی جدوجہد نہ کرپانے کی وجہ سے سیف علی جنجوعہ کی طبیعت میں بے چینی رہتی تھی انہیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ فوجی تربیت کے بغیر تحریک آزادی میں بھرپور شمولیت اور کامیابی مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ صرف 18 سال کی عمر میں ہی اس کمی کو پورا کرنے 18 مارچ 1941ء کو برٹش آرمی کے شاہی انجینئر زکور کا حصہ بن گئے اس مرد مجاہد کی منزل تحریک آزادی میں شامل ہو کر کشمیری مسلمانوں کو ڈوگرہ مظالم سے نجات دلانا اور اپنی سرزمین کو آزاد کرانا تھا اسلئے انھوں نے بہت جلد ہی فوجی تربیت اور پیشہ ورانہ امور میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

سیف علی جنجوعہ نے فوجی ملازمت کے دوران کچھ وقت بغداد اور مصر میں بھی گزارا وہ ایک دلیر، سچے، محنتی اور قابل جوان تھے برطانوی حکومت نے انھیں جرأت، دلیری اور عسکری خدمات کے صلے میں تمغہ جنگ اور تمغہ دفاع سے بھی نوازا انھوں نے برطانوی فوج میں تقریباً چھ سال اور پانچ ماہ گزارے۔

تحریک آزادی میں شمولیت

سیف علی جنجوعہ قیام پاکستان کے دو روز بعد ہی واپس کشمیر آ گئے یہ وہ وقت تھا جب تحریک آزادی اور الحاق پاکستان کی تحریک زوروں پر تھیں اس مرد مجاہد کو جس وقت کا بہت بے چینی سے انتظار تھا برٹش آرمی میں فوجی تربیت اور سروس کے بعد اب وہ وقت آ گیا

تھا چنانچہ وہ وقت ضائع کیے بغیر ہی تحریک آزادی کے رہنما صفدر فتح محمد کریلوی کے پاس چلے گئے جنگی دوراندیش اور زیرک نگاہوں نے اس سپاہی کے اندر چھپا لازوال مجاہد پہچان لیا اسطرح آزادی کے متوالوں میں جذبہ جہاد اور شہادت سے سرشار ایک اور سرفروش مجاہد کا اضافہ ہوگیا۔

کشمیریوں کا فیصلہ

14 اگست 1947ء سے قبل ہی کشمیریوں نے پاکستان میں شامل ہونے کیلئے بھرپور تحریک چلائی، کشمیر کی نمائندہ جماعت آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے ہفتہ 19 جولائی 1947ء کو سری نگر میں پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد بھی منظور کرلی تھی۔
کشمیر میں 80 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی اور تقسیم ہند پلان کے مطابق بھی کشمیر پاکستان کا ہی حصہ تھا کشمیری عوام نے نہ صرف تحریک پاکستان بلکہ الحاق پاکستان کی تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا اسطرح کشمیریوں نے ووٹ، احتجاج، مظاہرے، مزاحمت اور جہاد کے ذریعے پاکستان کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کردیا تھا۔ کشمیریوں کے پاکستان کیساتھ مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور جغرافیائی رشتے اتنے گہرے اور مضبوط ہیں کہ انھیں اپنے حق خودمختاری سے محروم کرنا اور غلام بنا کر رکھنا اب مہاراجہ ہری سنگھ اور بھارت کے اختیار میں نہ تھا۔

حیدری فورس

سیف علی جنجوعہ نے صفدر فتح محمد کریلوی کی زیرسرپرستی سابق فوجیوں اور جوانوں پر مشتمل حیدری فورس کو منظّم کرنے کا آغاز کیا شروع میں یہ فورس 150 رضا کاروں پر مشتمل تھی مگر سیف علی جنجوعہ کے سچے جذبوں اور انتھک کوششوں سے یہ تعداد بڑھکر 300 ہوگئی

ان رضا کاروں کی فوجی تربیت بھی سیف علی جنجوعہ کے ذمے تھی اس اہم ذمہ داری کو انھوں نے سخت محنت اور اپنا آرام قربان کر کے انتہائی دیانتداری سے نبھایا اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار ایسے جانباز تیار کیے جو شہادت کو اپنی منزل اور حق و سچ پر اپنا آپ قربان کرنے کو اپنا فخر جانتے تھے یہ فوج دشمن فوج کے مقابلے میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی اور نہ ہی انکے پاس کوئی جدید اسلحہ تھا ان راہِ حق کے مسافروں کے پاس موجود محدود اسلحے میں دیسی ساخت کی چند رائفلیں، محدود گولیاں، تلواریں اور کلہاڑیاں تھیں۔

دشمن کے مقابلے میں اس واضح فرق کے باوجود سیف علی جنجوعہ اور ایسے سینکڑوں حریت پسندوں کے سچے جذبوں کے سبب اکتوبر 1947ء میں تحریک آزادی کشمیر اپنے عروج پر جا پہنچی اسی محدود اسلحے کیساتھ سیف علی جنجوعہ نے اپنے تربیت یافتہ جوانوں کی کمانڈ کرتے ہوئے مینڈھر پر کامیاب حملہ کیا اور قابض ڈوگرہ فوج کو وہاں سے مار بھگایا۔

آزاد کشمیر رجمنٹ

سیف علی جنجوعہ کی انتھک کوششوں سے حیدری فورس میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا رضا کاروں کی تعداد بھی اب 300 سے بڑھ کر 500 کے قریب ہوگئی تھی یہ راہِ حق کے مسافر چھوٹے چھوٹے گروپس کی صورت اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی مدد آپ کے تحت ہی لڑ رہے تھے اس صورتحال میں آزاد جموں و کشمیر کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان سب جوانوں کو منظم کر کے باقاعدہ ایک فوج بنا دی جائے چنانچہ اس فورس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کیپٹن محمد شیر خان کی کمانڈ میں سیکنڈ حیدر بٹالین میں بدل دیا گیا جب اس میں رضا کاروں کا مزید اضافہ ہوا تو پہلے اسے آزاد کشمیر ریگولر فورس اور بعدازاں آزاد کشمیر رجمنٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔

سیف علی جنجوعہ یکم اکتوبر سے 30 نومبر 1947ء تک بطور حریت پسند مختلف

معرکوں میں حصہ لینے کے بعد بروز پیر، یکم دسمبر 1947ء کو 18 آزاد کشمیر بٹالین میں بطور سپاہی شامل ہوگئے انہیں یکم ستمبر 1948ء کو نائیک کے عہدے پر ترقی ملی اور پھر پلاٹون کمانڈر بنا کر بی کمپنی میں تعینات کر دیا گیا جو ایک غیر معمولی اعزاز تھا۔ بحیثیت پلاٹون کمانڈر مختلف معرکوں میں انھوں نے نمایاں کارکردگی، دلیری، جرأت، قابلیت اور پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف دشمن کو شکست دی بلکہ اسے ناقابلِ تلافی نقصان بھی پہنچایا۔

مہاراجہ کا فرار اور بھارت سے الحاق

کشمیری عوام اب اپنے حقوق سے کسی صورت پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے اس بدلتی ہوئی صورتحال میں مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت کیساتھ مل کر کشمیریوں کی جدوجہد کو بزور طاقت کچلنے کا ناپاک منصوبہ بنایا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے فوج اور انتظامی امور کے معاملات مسلمان افسروں سے لیکر ہندو اور سکھ افسران کے ذمہ لگا دیئے اس نے سات ہزار سے زائد ریٹائرڈ ہندو، سکھ فوجیوں اور راشٹریہ سیوک کے دہشت پسندوں کو فوج میں بھرتی کیا جنھوں نے نہ صرف بڑے پیمانے پر بے گناہ کشمیری نوجوانوں کو شہید کیا بلکہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا بھی قتل عام کیا، وسیع پیمانے پر لوٹ مار اور سینکڑوں گھروں کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا یہی نہیں بلکہ کشمیریوں کے ارادے اور حوصلے توڑنے کیلئے معصوم بچیوں اور عورتوں کی عزتیں پامال کی گئیں مگر اس خوف، ظلم اور دہشت کی فضا کے باوجود جنگ آزادی کشمیر تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور بالآخر جب آزادی کے متوالے زور آور ہونے لگے اور مہاراجہ ہری سنگھ کو اپنی جان کے لالے پڑے تو وہ سری نگر سے جموں فرار ہوگیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے جان بچا کر فرار ہونے کے بعد اتوار 26 اکتوبر 1947ء کو کشمیری عوام کی مرضی کیخلاف ریاست کا الحاق غیر فطری، غیر آئینی اور غیر قانونی طور

پر بھارت سے کر دیا۔

سازشیں......شہہ رگ پاکستان پر حملہ

14 اگست 1947ء کو ایک اسلامی نظریاتی ریاست کا معرض وجود میں آنا بھارت کے ہندو انتہا پسند لیڈروں کے علاوہ خود انگریز حکمرانوں کو بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد سے اس مملکت خداداد کو مٹانے کے منصوبے تیار کئے جانے لگے اور سازشیں شروع ہو گئیں۔

قائداعظم کا فرمان ہے
''کشمیر شہ رگ پاکستان ہے''۔

دشمن بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ پاکستان کی بقاء وسلامتی، ترقی وخوشحالی، معیشت اور دفاع کا انحصار کشمیر پر ہے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ دشمن کی میلی نظریں کشمیر پر ٹکی تھیں لیکن اس جنت نظیر وادی کشمیر میں دشمن فوج کیلئے واحد راستہ فضائی تھا کیونکہ بھارتی سرحدیں کسی ایک جگہ سے بھی کشمیر سے نہیں ملتی تھی۔

چالاک بوڑھے مہاتما گاندھی اور شیطان صفت پنڈت جواہر لال نہرو کی سازش کے عین مطابق ریڈ کلف نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے زیر سایہ اس سازش کو آگے بڑھایا اور مسلم اکثریتی علاقے ''گورداس پور'' جسے تقسیم ہند پلان کے مطابق پاکستان کا حصہ بننا تھا ناجائز طور پر بھارت کے حوالے کر دیا یوں گورداس پور کی حوالگی کے بعد بھارتی فوج کو کشمیر پر قبضے کا زمینی راستہ دیا گیا بھارت نے گورداس پور سے پہاڑ کاٹ کر 30 میل لمبا راستہ بنایا اور کشمیر سے اپنی سرحد ملا کر پاکستانی پنجاب (مغربی پنجاب) سے کشمیر کا راستہ بند کر دیا۔

ارض پاک کے وجود کو چند ماہ کا قصہ کہنے والوں نے اپنے ناپاک عزائم کو تکمیل کی شکل دینے کیلئے ہر ممکن کوشش کر دیکھی اسی سازش کے تحت قیام پاکستان کے فوری بعد لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام بھی کیا گیا، بھارت میں ہندوؤں اور سکھوں نے ظلم و بربریت کی وہ داستانیں چھوڑیں کہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت ہوئی، کروڑوں مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں ہی پاکستان ہجرت پر مجبور ہوگئے اوران میں سے لاکھوں مسلمانوں کو راستے میں شہید کر دیا گیا، انگریزوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا میں پھیلی ہوئی ہندو اور سکھ رجمنٹ کو تو واپس بلا لیا مگر مسلمان رجمنٹ کو واپس نہیں بلایا، پاکستان کے حصے میں آنیوالا اسلحہ بھی بھارت نے اپنے ہی قبضے میں رکھا، خزانہ بھی بالکل خالی تھا، اسلحہ تھا اور نہ ہی فوج منظم تھی اور فوجی سربراہ بھی انگریز تھے بھارت کا خیال تھا کہ اس مشکل اور بدترین حالات میں پاکستان کیلئے کشمیر کا دفاع ناممکن ہوگا اسلئے مہاراجہ ہری سنگھ نے جب بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا تو منصوبے کے مطابق دشمن نے صرف ایک روز بعد ہی 27 اکتوبر 1947ء کو کشمیر پر حملہ کر دیا۔

اللہ کا فضل اور دشمن کی شکست

قائداعظم محمد علی جناح اور وزیراعظم لیاقت علی خان نے پاک فوج کے انگریز فوجی سربراہ جنرل گریسی اور جنرل فرینک کو کشمیر کے دفاع کا حکم دیا جوان جرنیلوں نے ماننے سے انکار کر دیا اسکے بعد وہ ہوا جو دشمن کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا ایک طرف پاک فوج کے جوانوں اور کشمیری حریت پسندوں نے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تو دوسری طرف قائداعظم محمد علی جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان کی درخواست پر سوات، چترال، گلگت کے غیور عوام اور غیرت مند قبائل اپنے گھروں سے نکل پڑے اللہ کی مدد شامل ہوئی تو دشمن کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔

شہادت کا جذبہ لیے حق و سچ کی جنگ لڑنے کیلئے اپنے گھروں سے نکلنے والے ان جوانوں کو کون شکست دے سکتا تھا یہ قبائلی رضا کار اور پاک فوج کے جوان اللہ کے فضل سے بھارتیوں کی درگت بناتے ہوئے سری نگر تک جا پہنچے۔

کشمیر کو ہڑپ اور پاکستان کو ختم کرنیکی سازشیں ناکام ہوئیں اور قبائلی جانبازوں نے کشمیر کا ایک حصہ آزاد کرا لیا جو اب آزاد کشمیر کہلاتا ہے۔

مار کھاتے ہوئے بھارت نے جب پورا کشمیر اپنے ہاتھ سے جاتے دیکھا تو فوراً مدد کیلئے سلامتی کونسل پہنچ گیا، سلامتی کونسل نے جنوری 1949ء کو جنگ بندی کروا کر کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کی مرضی سے کرنے کو کہا ہندوستان نے سلامتی کونسل اور دنیا کے سامنے یہ وعدہ کیا کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام ہی کریں گے مگر بھارت نے 90 ہزار سے زائد مظلوم کشمیریوں کو تو شہید کر دیا لیکن آج تک اپنا وہ وعدہ پورا نہیں کیا۔

پیر کلیوہ کا کامیاب دفاع

پیر کلیوہ کا دفاع انتہائی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اس پہاڑی کو فتح کئے بغیر دشمن کی آگے پیش قدمی ناممکن تھی چنانچہ اس اہم ترین محاذ پر پلاٹون کمانڈر سیف علی جنجوعہ کو ذمہ داری سونپی گئی بھارتی فوج اس پہاڑی پر قبضے کیلئے 20 ستمبر سے حملے کر رہی تھی مگر سیف علی جنجوعہ کی بہترین کمانڈ اور دلیری کے باعث دشمن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا چونکہ بھارتی فوج کے مقابلے میں دوسری طرف جوانوں کی نفری بہت کم تھی اس لیے سیف علی جنجوعہ نے 24 اور 25 اکتوبر کی درمیانی رات نفری بڑھانے کیلئے اپنے گاؤں کا دورہ کیا اور جو نوجوان آزادی کی جنگ لڑنے کیلئے بے چین تھے انہیں وہ اپنے ساتھ محاذ جنگ پر لے گئے۔

25 اور 26 اکتوبر 1948ء کی درمیانی رات پیر کلیوہ پر دشمن کے 5 انفنٹری بریگیڈ نے توپ خانہ، ٹینکوں اور فضائیہ کی مدد سے بھرپور حملہ کر دیا دوسری طرف چونکہ اسلحہ محدود تھا اسلئے سیف علی جنجوعہ کی طرف سے بالکل خاموشی تھی انھوں نے جنگی حکمت عملی کے تحت مزاحمت نہ کر کے دشمن کو قریب آنے دیا جیسے ہی دشمن فوج کے دستے 100 گز کے قریب پہنچے تو سیف علی جنجوعہ نے فائر کا حکم دیا اور خود بھی مشین گن سے ٹارگٹ پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی، انکی جوانمرد قیادت میں جانثاروں نے جرأت و بہادری کا ثبوت دیا چنانچہ اس لڑائی میں حملہ آوروں کی نہ صرف دو کمپنیوں سے زائد نفری کا صفایا ہو گیا بلکہ اس کے تین ٹینک بھی تباہ ہو گئے اور دشمن فوج پسپائی پر مجبور ہو گئی مگر تازہ کمک ملنے کے بعد دشمن نے اپنی فوج کو دوبارہ منظم کیا اور سورج طلوع ہوتے ہی فضائیہ کی مدد سے ایک بار پھر حملہ کر دیا اس حملے میں ایک طرف بھارتی فضائیہ آسمان سے آگ برسا رہی تھی تو دوسری طرف دشمن زمین سے اپنے توپ خانے، ٹینکوں اور مارٹر بموں سے گولہ باری کر رہا تھا اس شدید بمباری کی آڑ میں تازہ دم بھارتی دستوں نے ایک بار پھر پیش قدمی شروع کر دی مگر نتائج پہلے سے مختلف

نہ تھے سیف علی جنجوعہ کی بہترین کمانڈ اور ساتھیوں کی دلیری نے حملہ آوروں کو ایک بار پھر پسپائی پر مجبور کر دیا اور وہ پیر کلیوہ پر قبضے میں اس بار بھی ناکام رہا۔

دشمن نے اس اہم دفاعی حصار کو توڑنے کیلئے تین بار بھرپور حملے کیے مگر اسے ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، دوپہر تین بجے کے قریب بھارتی فوج اپنے ساتھیوں کی نعشیں چھوڑ کر اور اپنے ہمراہ ناکامی لیے واپس چلی گئی تو سیف علی جنجوعہ نے فتح کا نعرہ لگایا اور اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔

دشمن کے زمینی دستے تو پسپا ہو گئے تھے مگر بھارتی فضائیہ اب بھی بمباری کر رہی تھی سیف علی جنجوعہ کی قیادت میں قلیل سپاہ اسلحہ کی کمی کے باوجود صرف ایمانی جذبوں سے ان خطرناک حملوں کو پسپا کر رہی تھی مگر اب مسلسل لڑتے لڑتے محدود اسلحہ تقریباً ختم ہو گیا تھا، دشمن کے مسلسل تازہ دم دستوں کے مقابلے میں ابھی تک سیف علی جنجوعہ کے پاس کوئی کمک نہ پہنچی تھی اور اب کمک کے بغیر دفاع بہت مشکل تھا چنانچہ سیف علی جنجوعہ کا رابطہ ہونے کے بعد لیفٹیننٹ ایاز کمک کے ساتھ پیر کلیوہ اپنے ساتھی جوانوں کے مورچہ پر پہنچ گئے اس وقت یہ دلیر جانباز اسلحے کی کمی پوری کرنے کیلئے پیر کلیوہ کی پہاڑیوں پر دشمن کا چھوڑا ہوا اسلحہ جمع کرنے میں مصروف تھے، دشمن نے ایک بار پھر پیش قدمی شروع کر دی تو سیف علی جنجوعہ نے ساتھیوں کو فوراً واپس بلایا اور پوزیشن لے کر فائر کا حکم دیا انہوں نے خود بھی اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں اپنی ایل ایم جی سے ٹارگٹ پر فائرنگ شروع کر دی ایک بھارتی جہاز بہت دیر سے مورچے پر گولہ باری اور فائرنگ کر کے جوانوں کو تنگ کر رہا تھا سیف علی جنجوعہ نے اسے اپنی مشین گن سے ٹارگٹ بنایا تو وہ فضا میں ہی راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔

دشمن کی جانب سے زمین اور فضاء سے شدید بمباری جاری تھی مگر سیف علی جنجوعہ اس گولہ باری سے بے نیاز اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اپنے عظیم مقصد پر کامیابی سے ڈٹے رہے وہ اپنی ڈیوٹی اور اپنا فرض ادا کر چکے تھے اور اب وہ وقت بھی آ گیا کہ

جس کیلئے وہ نہ صرف خود اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے تھے بلکہ اپنے گھر والوں اور دوستوں سے بھی دعا کیلئے کہتے تھے۔

سیف علی جنجوعہ کے عشق کی منزل اب بہت قریب تھی، سینے پر لگنے والے دشمن توپ کے ایک گولے نے انکی دلی تمنا پوری کردی اسطرح وہ آزادی کے متوالوں اوراپنے ساتھیوں کیلئے جرأت و بہادری اور قربانی کی لازوال داستان تاریخ کا حصہ بنا کر حیات جاویداں پا گئے اوراب موت کا لفظ ان کیلئے ناقابل استعمال ہوگیا۔

عاشقِ رسول ﷺ

سیف علی جنجوعہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے پروردگار سے پیار کرنیوالے اورایک سچے عاشق رسول ﷺ تھے قیام پاکستان سے قبل ایک واقعے سے انکی اس محبت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

> یہ ان دنوں کا ذکر ہے کہ جب سیف علی جنجوعہ کی یونٹ لاہور میں تھی یہ وہ وقت تھا جب ہندوؤں کا انتظامی معاملات میں اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا تھا اور وہ خود کو پورے برصغیر کا خود ساختہ وارث سمجھنے لگے تھے، لاہور کے ایک بازار میں مقامی کالج کا ایک ہندو طالب علم تقریر کرتے ہوئے نعوذ باللہ شان رسول ﷺ میں گستاخی کر رہا تھا ہجوم میں چند مسلمان بھی کھڑے تھے مگر کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ آگے جا کر اس گستاخ ہندو کو روکتا، تقریر کے دوران ہی اللہ رب العزت نے پیارے حبیب ﷺ کے گستاخ کو

سزا دینے کیلئے سیف علی جنجوعہ کو وہاں بھیج دیا وہ ہجوم میں سے آگے بڑھتے ہوئے گستاخ ہندو نوجوان تک پہنچے اور اپنا بیلٹ اُتار کر پٹائی شروع کر دی اور اسے اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گیا۔

اس دوران مار کھاتے ہوئے گستاخ نوجوان نے سیف علی جنجوعہ کا انگوٹھا اپنے دانتوں میں پوری قوت سے چبا لیا مگر اس عاشقِ رسول ﷺ نے اذیت کی پرواہ کیے بغیر اُس وقت تک پٹائی جاری رکھی جب تک کہ وہ گستاخ ہندو لہولہان اور زخمی ہو کر زمین پر گر نہ پڑا۔ اس واقعے کے کچھ دن بعد گھر لوٹے تو سب کو اپنا زخمی انگوٹھا دکھا کر کہنے لگے

''میرا انگوٹھا راہِ حق میں شہید ہو گیا ہے اب میرے لیے دعا کرنا کہ میری روح اور جسم بھی شہادت کا لطف اٹھائے''۔

منزلِ عشق شہادت

سیف علی جنجوعہ کی ہمسفر زہرہ بی بی کہتی ہیں کہ

''میرے شوہر احکاماتِ الٰہی کے پابند تھے وہ فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے شہادت انکی خواہش نہیں بلکہ عشق تھا اس عشق کی منزل کو پانے کیلئے وہ ہمیشہ اللہ کے حضور سجدوں میں صرف شہادت کی دعا

مانگتے گھر والوں اور دوستوں سے بھی یہی خواہش کرتے کہ میرے لیے شہادت کی دعا کیا کریں جب وہ آخری بار گھر آئے تو انھیں یہ یقین تھا کہ انکی خواہش کی تکمیل کا وقت بہت قریب ہے انہوں نے محاذ جنگ پر جانے سے قبل اپنے تینوں بچوں کو پیار کیا اور مجھ سے کہنے لگے کہ

''میں اللہ کی راہ میں قربان ہونے جار ہا ہوں اب میں تمھیں اور بچوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں''۔

میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتی ہوں کہ باری تعالیٰ نے سیف کی دیرینہ دعا اور تمنا قبول فرمائی میرے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ میرے شوہر کو شہادت نصیب ہوئی مجھے شہید کی بیوہ کہلانے پر فخر ہے اور ہمیشہ رہے گا، سیف دلیر تھا اور اسکی شہادت کے بعد میں نے بھی بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کیلئے شیرنی کی طرح زندگی گزاری۔

شہید سیف علی جنجوعہ کے بیٹے محمد صدیق کا کہنا ہے کہ

''میرے والد نے راہِ حق میں جان دے کر شہادت کا رتبہ حاصل کیا جو نہ صرف میرے لیے بلکہ پورے خاندان کیلئے باعث فخر ہے''۔

دسواں نشانِ حیدر

شہید

کیپٹن کرنل شیر خان

جمعرات یکم جنوری ۱۹۷۰ء

تا

پیر ۵ جولائی ۱۹۹۹ء

Captain
Karnal Sher Khan
Shaheed

کیپٹن کرنل شیر خان

ولدیت	:	خورشید خان
تاریخ پیدائش	:	جمعرات یکم جنوری 1970ء
جائے ولادت	:	فوجون آباد، ضلع صوابی۔صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخواہ)
آرمی نمبر	:	33612
رینک	:	کیپٹن
آرمڈ سروس	:	27 سندھ رجمنٹ/ ناردرن لائٹ انفنٹری
تاریخ شہادت	:	پیر 5 جولائی 1999ء
بمقام	:	گلتری، کارگل سیکٹر
آخری آرام گاہ	:	نواں کلی، ضلع صوابی۔صوبہ سرحد
عرصہ حیات (ظاہری)	:	29 سال 6 ماہ 4 دن

ضلع صوابی کے گاؤں ''فوجون آباد'' کا رہنے والا خورشید خان آج خوشی سے پھولے نہ سمار ہا تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ رب تعالیٰ نے اسے ایک خوبصورت بیٹے سے نوازا تھا یہ بچہ دورِ کم سنی سے ہی شاید اپنی بے زبانی کے باوجود یہ احساس ضرور دلا رہا تھا کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں، کسی بڑے کارنامے کی خواہش کی تکمیل اسکی آنکھوں میں چمک رہی تھی اسکے فضاء میں پھیلتے ہوئے ہاتھ اور پاؤں کسی بہت بڑے معرکہ کی پیشنگوئی کر رہے تھے اور پھر کچھ آگے بڑھ کر کم عمری میں ہی اس نے اپنی منزل کا گویا تعین کر لیا تھا۔

یہ راہِ امر کا مسافر تھا اور شاید یہ راہِ امر بھی اسکی منتظر تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ اس راہِ امر کے مسافروں کی جو فہرست کاتب تقدیر نے مرتب کی تھی اس میں ''کیپٹن کرنل شیر خان'' کا نام جلی حروف میں تحریر ہے۔ اپنے نام میں ایک فوجی عہدہ ہمراہ رکھنے

والا فطرت کے اعتبار سے ایک حقیقی فوجی واقع ہوا تھا
اور اسی فطرت کا تقاضہ تھا کہ اسکی شخصیت پاک فوج
کے دیگر افسران و جوانوں کیلئے مثال بن جائے چنانچہ
باری تعالیٰ نے کارگل کی وادی کے درمیان اس شیر کو یہ
موقع دیا کہ وہ پاک فوج کی خاکی وردی اور زندگی کے
لباس میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے تو اس مردِ
آہن نے پاک فوج کی باوقار وردی کو قابل فخر جانتے
ہوئے لباسِ زندگی اُتار پھینکا۔

ارض پاک کا یہ عاشق مادرِ وطن کی حفاظت
اور حق و سچ کی راہ پر ہمیشہ لبیک کہنے والوں میں سے تھا
کارگل کے بلند ترین محاذ پر اپنے محبوب وطن کی
خاطر قربان ہونے کیلئے ایک سچا عاشق ہی رضا کارانہ
طور پر خود کو پیش کر سکتا ہے کیپٹن کرنل شیر خان بھی ایسے
ہی ایک عاشق، سچے سپاہی اور حق و سچ پر قربان ہونے
کا نام ہے۔

شہیدوں کا مسکن

کیپٹن کرنل شیر خان بروز منگل مورخہ یکم جنوری 1970ء کو پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبے (موجودہ خیبر پختونخواہ) ضلع صوابی کے ایک گاؤں ''نوجون آباد'' میں پیدا ہوا، اس بچے کی عمر بمشکل 6 برس تھی کہ والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا والدہ کی وفات کے بعد والد خورشید خان نے اپنے دو بڑے بیٹوں اور دو صاحبزادیوں کے ہمراہ گھر بھر کی محبت اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کیپٹن شیر خان کے نام کر دی۔

ضلع صوابی وہ خطہ ہے جس نے بڑی تعداد میں شہداء کوجنم دیا کیپٹن شیر خان اسی فضاء میں بچپن سے جوانی کی دہلیز تک پہنچا جس فضاء میں راہِ حق پر قربان ہو جانیوالے غیرت مندوں اور دلیروں کی یادیں اور باتیں گونج رہیں تھیں یہ ضلع نہ صرف 1948ء اور 1965ء کی پاک بھارت جنگوں میں مجاہدین اور باوردی فوجیوں کی صورت لڑنے والے جانبازوں کی تاریخ سے بھرا پڑا ہے بلکہ یہاں کے عام شہری بھی حالتِ جنگ میں رضا کارانہ طور پر پاک فوج کے شانہ بشانہ لڑنے کی غیرت مند تاریخ رکھتے ہیں گویا ضلع صوابی محبِ وطن غیور جوانوں اور شہیدوں کا مسکن ہے۔

دادا جی

کیپٹن شیر خان کو جذبہ حریت ان کے دادا سے ورثہ میں ملا تھا خورشید خان کے والد اور کیپٹن شیر خان کے دادا ایک دلیر اور بہادر انسان تھے ان کا فخر یہ تھا کہ وہ جنگ آزادی کشمیر میں رضا کارانہ طور پر حصہ لیکر دادِ شجاعت وصول کر چکے تھے۔ دوران جنگ آزادی کشمیر میں ضلع صوابی سے رضا کارانہ طور پر ایک جانباز شیر خان نے دلیری کی ایسی تاریخ رقم کی کہ ہر طرف اس مردِ مجاہد کی بے خوفی اور بہادری کے چرچے ہونے لگے بہادروں کی قدر کرنیوالے شہید کیپٹن شیر خان کے دادا صوابی کے اُس ہیرو کی دلیری اور کارناموں سے بے حد متاثر تھے۔

دادا کے بوڑھے جسم اور نحیف آواز میں ایک دفعہ پھر حرارت و رمق پیدا ہوگئی جب اپنے بیٹے خورشید خان کے یہاں پوتے کی پیدائش ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنے پوتے کو پہلی دفعہ اُسی شیر خان کے نام سے پکارا جس نے 1948ء میں بہادری کے جوہر دکھائے اب وہ اپنے اس پوتے کا شیر خان نام رکھ کر دشمن کیلئے ایک اور امتحان کھڑا کر رہے تھے۔

کیپٹن شیر خان کے دادا کو راہِ حق پر اپنا آپ قربان کرنیوالی ارضِ پاک کی محافظ

افواج پاکستان سے گہری رغبت اور محبت تھی وہ جوانان پاک فوج کا دل کی گہرائی سے عزت واحترام کرتے تھے۔

یہ دادا کا خواب تھا کہ ایک روز ان کا پوتا شیر خان بھی خاکی وردی میں ملبوس اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے ملک دشمن کی تباہی کا سبب بنے گا اس لئے وہ شیر خان کو بچپن ہی سے ''کرنل شیر خان'' کہہ کر پکارتے تھے دادا جی کی وجہ سے خاندان اور علاقہ کے سب لوگ بھی اس بچے کو کرنل شیر خان کے نام سے پکارا کرتے تھے یاد رہے کہ وقت شہادت شیر خان کا رینک کیپٹن تھا جبکہ کرنل انکے نام کا حصہ ہے۔

تعلیم......فوجی زندگی

شیر خان کا ابتدائی تعلیمی سلسلہ اپنے گاؤں'' نوجون آباد'' سے شروع ہوا وہ آٹھویں جماعت تک چار باغ اسکول میں پڑھتا رہا اور پھر گورنمنٹ ہائی اسکول''نواں کلی'' سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ شیر خان کی وراثت مادرِ وطن اور افواج پاکستان سے محبت تھی یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ ایک پیدائشی فوجی تھا اسکے اندر سپاہیانہ جو ہر بچپن ہی سے موجود تھے عسکری زندگی سے خاص لگاؤ اور فوج میں شامل ہونا شیر خان کی خواہش تھی پاکستان آرمی میں شمولیت کا یہ شوق 18 برس کی عمر میں ظاہر ہو گیا جب وہ پاک فضائیہ میں بطور ایئر مین بھرتی ہوا۔ ابتدائی مرحلے طے کرنے کے بعد اسے مزید ٹریڈ ٹریننگ کیلئے'' اسکول آف ایرونائیکل کورنگی کراچی'' بھیجا گیا جہاں شیر خان بہترین کارکردگی پر'' چیف آف اسٹاف ٹرافی'' حاصل کر کے نمایاں اور ممتاز ہوا۔

ضلع صوابی کے اس نوجوان نے دوران تربیت نہ صرف اپنی بہترین صلاحیتوں کے جوہر دکھلائے بلکہ انتہائی محنت و لگن سے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے'' شاہین بچے'' کا خطاب حاصل کیا اور پاک فضائیہ میں رہتے ہوئے'' گورنمنٹ کالج صوابی'' سے

ایف ایس سی کا امتحان بھی پاس کیا۔

اس نوجوان کے اندر ایک عزم وولولہ تھا جو اسے ہمیشہ بے چین کئے رکھتا، ایئر فورس میں بھرتی ہونے کے بعد اسکی تلاش ختم نہیں ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ منزل کی تلاش میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرنیکی جستجو میں لگا رہتا اب اس نے بری فوج میں کمیشن حاصل کرنے کیلئے ''آئی ایس ایس بی'' کا امتحان دیا اللہ کے فضل سے کامیابی ملی تو بطور کیڈٹ لانگ کورس کیلئے منتخب ہو کر پی ایم اے کاکول (ایبٹ آباد) روانہ ہوا جہاں وہ ''90 لانگ کورس'' نومبر 1992ء کا حصہ بنا۔

1994ء میں بطور کیڈٹ دوسالہ بنیادی تربیتی کورس مکمل کرنے کے بعد پہلی تعیناتی ''27 سندھ رجمنٹ'' کی یونٹ میں اوکاڑہ کینٹ ہوئی شیر خان نے اسکول آف انفینٹری اینڈ ٹیکنیکل کوئٹہ سے پیشہ ورانہ کورسز بھی مکمل کئے، 1997ء میں ملٹری کالج آف انجینئرنگ سے ٹیکنیکل کورس کا امتحان دیا جس میں وہ نہ صرف نمایاں نمبروں سے پاس ہوا بلکہ پورے کالج میں دوسری پوزیشن کا اعزاز بھی حاصل کیا۔

شیرا یونٹ

یونٹ کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل اقبال کہتے ہیں کہ

> ''کیپٹن شیر خان اپنی دلیری کی وجہ سے یونٹ میں ''شیرا'' کے نام سے مقبول تھا شیرا یونٹ یقینی فتح اور کامیابی کی علامت تھی، بہترین صلاحیتوں کے حامل اس جوان کو جب بھی کوئی ذمہ داری دی گئی تو پھر ہم اس کام کو بھول گئے کہ اب ہمارا شیرا اسے مکمل کر کے ہی دم لے گا، صاف گوئی اور بے باکی شیر خان کی

شخصیت کا خاصہ تھی اور وہ اپنی یونٹ میں سب سے
بہترین نشانہ باز تھا''۔

لبیک

کیپٹن کرنل شیر خان اپنی زندگی ملک وقوم کی امانت سمجھتا تھا یہی وجہ ہے کہ جب دفاعِ وطن کیلئے کارگل کی 18 ہزار فٹ بلند چوٹیوں پر مادرِ وطن کو اپنے فرزندوں کی ضرورت پڑی تو اس مشکل ترین محاذ پر جانے کیلئے لبیک کہنے والے اولین جوانوں میں رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو پیش کرنیوالا کرنل شیر خان ہی تھا۔

ایک بلند ترین مقام جنگ پر دشمن کے ساتھ ساتھ موسم سے بھی مقابلہ ہوتا ہے ایسے خطرناک محاذ جنگ پر جذبوں سے پیدل بھارتی فوج یا تو سخت موسم یا پھر موت کے خوف سے جان بچانے کی کوشش میں مختلف حیلے بہانے ڈھونڈتی ہیں، میڈیا کے ذریعے شائع اور نشر ہونیوالی خبروں کے مطابق بھارتی فوج اپنی عددی برتری اور بے پناہ وسائل کے باوجود کشمیر اور خصوصاً کارگل میں بڑی بے دلی سے سزا کے طور پر ڈیوٹی انجام دینے آتی ہیں جبکہ دوسری طرف کیپٹن شیر خان سمیت پاک فوج کے شیر دل جوان ارض پاک کی حفاظت کی خاطر مشکل محاذ پر جانے اور اپنا آپ قربان کرنے کیلئے رضا کارانہ طور پر ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

دعائے شہادت

راہِ حق پر قربانی کیپٹن شیر خان کی منزل تھی اس کا دل دنیاوی خواہشات سے بالکل بے پرواہ تھا خواہش یہ تھی کہ وطن عزیز کے عوام آزاد اور باعزت زندگی گزاریں اور سبز

ہلالی پرچم ہمیشہ بلند رہے۔ محاذ پر جانے سے قبل جب وہ آخری بار چھٹیوں پر گھر آیا تو سب گھر والوں سے کہا کہ

''میرے لئے شہادت کی دعا کیا کریں''۔

بڑی بہن سے بھی اس حوالے سے اپنی شدید خواہش کا اظہار کیا تو بہن بھائی کی محبت میں کہنے لگی! شیر تم کو شرم تو نہیں آتی کہ میں اپنے بھائی کیلئے موت کی دعا مانگوں تو کیپٹن شیر خان نے کہا! بہنا

''میں موت نہیں شہادت کی دعا کیلئے کہہ رہا ہوں جو کہ
اس زندگی سے بہتر اور ہمیشہ کی زندگی ہے''۔

کیپٹن کرنل شیر خان کے کارناموں اور قربانی کو سمجھنے کیلئے جنگ کارگل کی اہمیت کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

کارگل کی اہمیت

کارگل دنیا کے سرد ترین مقامات میں سے ایک ہے جہاں درجہ حرارت منفی 60 ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے کارگل کا یہ پہاڑی سلسلہ تقریباً 44 میل لمبا اور 7 میل چوڑا ہے یہاں 16 سے 20 ہزار فٹ تک کی بلندی رکھنے والی چھوٹی بڑی پہاڑیاں ہیں جن کا آپسی فاصلہ 3 سے 5 میل ہے یہ وہ علاقہ ہے جہاں موسم سرما میں برف باری اور پہاڑوں کے ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے آمدورفت ناممکن ہو جاتی ہے چونکہ یہاں سرد موسم میں راستے بند ہو جاتے ہیں چنانچہ فوجی نقل و حرکت نہ ہونے کے سبب جنگ صرف موسم گرما میں ہی

ممکن ہے۔

کارگل کی ان پہاڑیوں سے گزرنے والی سڑک ''لہیہ روڈ'' کہلاتی ہے جو سرینگر کو کارگل، دراس، لہیہ اور سیاچن کو باہم ملاتی ہے یہی وہ پہاڑی سلسلے ہیں جہاں سے لداخ اور سیاچن کے محاذ پر بھارتی فوج کو تمام سپلائی دی جاتی ہے کارگل کی ان بلند چوٹیوں پر اگر کنٹرول قائم کرلیا جائے تو نہ صرف ہندوستانی فوج کی سپلائی لائن کو باآسانی کاٹا جاسکتا ہے بلکہ کارگل سے آگے جتنے بھی علاقے بھارتی قبضے میں ہیں ان کا زمینی رابطہ بھی بھارت سے منقطع کیا جاسکتا ہے۔

کوئی بھی ذی شعور کارگل کی جغرافیائی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا اسی علاقہ سے پاکستان کے دریائے سندھ کو پانی میسر آتا ہے ہندوستان پاکستانی دریا دریائے راوی، چناب، جہلم اور ستلج پر سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ڈیم بنا کر ارض پاک کا پانی پہلے ہی زبردستی روک چکا ہے بھارت جب انہی ڈیموں کے دروازے یک مُشت کھول دیتا ہے تو ہر سال اربوں روپے کی کھڑی فصلیں واملاک تباہ، ہزاروں مویشی ہلاک، لاکھوں پاکستانی متاثر اور بے شمار انسانی زندگیاں بھی اسی سیلابی پانی کی نذر ہو جاتی ہیں۔

دریائے سندھ کی تو ابتدائی شکل ہی کارگل کی پہاڑیوں سے برآمد ہوتی ہے اگر بھارت دریائے سندھ کا فطری رُخ بھی اپنی جانب موڑنے میں کامیاب ہوگیا تو نہ صرف ملکی زراعت کو خطرہ لاحق ہوگا بلکہ پاکستانی ڈیموں سے مطلوبہ بجلی پیدا نہ ہونیکی صورت میں ملک اندھیروں کا شکار ہوسکتا ہے اسی لئے کارگل اور اسکے نواحی علاقے پر پاکستان کا اختیار ناگزیر ہے۔

معرکہ کارگل کی ضرورت

بھارت نے کشمیر کی تحریک آزادی اور حریت کے عظیم جذبوں کو کچلنے کی خاطر کشمیریوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، 70 ہزار سے زائد کشمیریوں کو شہید کیا، گاؤں کے گاؤں اور بستیوں کی بستیاں نذر آتش کر ڈالیں، عورتوں کی عصمت دری کی گئی حتیٰ کہ ضعیف العمر اور کم سن بچے بھی بھارتی بربریت اور ظلم کا شکار ہوئے۔

پاکستان اپنی بساط کے مطابق عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے اور مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل تلاش کرنیکی ہمیشہ سرتوڑ کوششیں کرتا لیکن بھارتی منافقانہ عدم دلچسپی کی وجہ سے عملی طور پر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوسکا۔

یاد رہے کہ جنگ آزادی کشمیر کے دوران بھارتی درخواست پر اقوام متحدہ نے ثالثی کا کردار ادا کرتے ہوئے جنوری 1949ء میں مسئلہ کشمیر پر ہونیوالی اس جنگ کو SFL (سیز فائر لائن) کے نام سے بارڈر بنا کر روکنے کا اہتمام اور تنازعہ کشمیر کے ابتدائی حل کے طور پر کشمیری عوام کے جائز قانونی اور پیدائشی حق کو تسلیم کرتے ہوئے کشمیریوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا اختیار دیا تھا۔

پاکستان نے ہمیشہ مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر منعقد ہونیوالے کسی بھی اجلاس کی قراردادوں کا مکمل احترام کیا جبکہ دوسری جانب ہندوستان اپنے ابلیسی کردار کے ساتھ ایسی قرار دادوں کو نہ صرف پس پشت ڈالتا رہا بلکہ دنیا کے سامنے کئے گئے اپنے ہی وعدوں کی خلاف ورزی بھی کرتا رہا۔

1971ء میں ہونیوالے شملہ معاہدے کے بعد بھارت نے دنیا بھر میں مسئلہ کشمیر کو اپنے نقطہ نگاہ سے پیش کرنے کیلئے سفارتی سطح پر اور میڈیا کے ذریعے بھرپور پروپیگنڈا کیا اور اپنی سابقہ روش پر قائم رہتے ہوئے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ایک طرف رکھ کر SFL (سیز فائر لائن) کی اصطلاح کو جانے بوجھے چالاک عزائم کے تحت بار بار LOC یعنی لائن آف کنٹرول لکھنے لگا۔

یہ لکھتے ہوئے قلم افسردہ ہے کہ پاکستانی موقف کی حمایت میں LOC (لائن آف کنٹرول) کی جگہ SFL (سیز فائر لائن) کی اصطلاح کے استعمال کی ضرورت پر کبھی زور نہیں دیا گیا چنانچہ سیز فائر لائن پر تعینات پاکستان آرمی کے افسران و جوان نہ صرف اس احساس کو محسوس کر رہے تھے بلکہ انکے اندر یہ احساس بھی شدید تھا کہ 70 ہزار سے زائد مظلوم کشمیریوں کی قربانی کے باوجود عالمی ضمیر اب تک کیوں سو رہا ہے جبکہ سیاسی مذاکرات بھارتی ڈرامے کے سوا کچھ بھی نہیں اگر اب بھی مزید وقت اسی طرح گزرتا گیا تو مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کے دم توڑ دینے سے ملکی سلامتی اور کشمیر کی آزادی کو سنگین خطرات لاحق ہو

جائیں گے کیونکہ دشمن سمجھ رہا تھا کہ اس نے بزورطاقت مظلوم کشمیریوں کی مزاحمت پر کسی حد تک قابو پالیا ہے اسی لئے بھارت نے 1998ء میں مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کے دروازے تک بند کردیئے تھے اس صورتحال میں پاکستان کا ہندوستان پر دباؤ ڈالنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

ایک طرف 1998ء میں ایٹمی دھماکوں کے بعد بھارتی سرکار طاقت کے نشے میں بدمست ہوکر مغرورانداز میں پاکستان کو آزاد کشمیر خالی کرنے کا الٹی میٹم دے رہی تھی تو دوسری طرف اسکی فوجیں سیاچن اور کارگل میں سے کسی ایک جگہ بڑے حملے کی تیاریوں میں مصروف تھی چنانچہ دشمن کو جارحیت سے روکنے اور اسے اپنی حدود میں رکھنے کیلئے بھی کارگل آپریشن بہت ضروری تھا۔

آزادی کے متوالے کشمیری حریت پسند تو پہلے ہی تیار بیٹھے تھے چنانچہ نومبر 1998ء کو شمالی علاقہ جات میں تعینات اعلیٰ فوجی افسران نے کارگل آپریشن کا فیصلہ کیا تو پاک فوج کے بہادر جوانوں نے پاکستان کی شہ رگ مسئلہ کشمیر کو دنیا بھر میں پھر سے اُجاگر کرنے اور دفاع وطن کی خاطر اپنا آپ قربان کرنے کیلئے لبیک کہا۔

کارگل آپریشن ماہ جنوری اور فروری کے شدید ترین سرد موسم میں اتنا آسان نہ تھا مگر ارض پاک کے ان دلیر سپوتوں نے غیر معمولی قوت برداشت کا ثبوت دیتے ہوئے کارگل کی برف پوش چوٹیوں کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا بالآخر پاکستان کے یہ جانباز سپاہی کارگل کی بلندیوں پر اپنی چوکیاں قائم کرنے اور پھر وطن عزیز کی خاطر اپنے پاک لہو کا نذرانہ دے کر مسئلہ کشمیر کو دنیا کے سامنے دوبارہ زندہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

معرکہ کارگل میں مادرِ وطن کے جن بیٹوں نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے اپنا آپ قربان کیا ان میں کیپٹن کرنل شیر خان کا نام سب سے نمایاں ہے۔

وادی کارگل کا ہیرو

وادی کارگل کی بلند چوٹیاں دفاعی نقطہ نگاہ سے بہت اہمیت کی حامل تھیں جنوری 1999ء میں کیپٹن شیر خان کشمیر کے محاذ پر دشمن سے برسر پیکار این ایل آئی (ناردرن لائٹ انفنٹری) کی ایک یونٹ میں فرض کی انجام دہی میں مصروف تھا یہ بے خوف، نڈر، دلیر اور شیر دل جوان وطن عزیز کی خاطر رضا کارانہ طور پر عالمی جنگی تاریخ کے ایسے مشکل ترین محاذ پر گیا کہ جہاں پہاڑ 12 مہینے برف کی چادر اوڑھے رہتے ہیں۔

پاک فوج کے بہادر جوان بلند ترین برفانی چوٹیوں پر اپنی چوکیاں قائم کرنے اور بھارتی فوج کی سپلائی لائن کاٹنے میں کامیاب ہو گئے اس طرح پاکستان کو دھمکیاں دینے والا اور خود ساختہ جیت کے گمان میں مبتلا حملے کی تیاریوں میں مصروف دشمن اب چند جوش ایمانی سے لبریز جوانوں کے سامنے مکمل بے بس ہو گیا۔کیپٹن شیر خان کی یونٹ پر دشمن نے ماہ جون کے آغاز میں ہی شدید ترین گولہ باری، طیاروں سے بمباری اور خطرناک کیمیائی حملے شروع کر دیئے لیکن یہ حملے راہِ حق کے مسافر جوانوں کے حوصلوں کو زیر نہ کر سکے اور ارض پاک کے یہ محافظ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان شدید حملوں کے سامنے دلیری سے ڈٹے رہے۔

یاد رہے کہ کیپٹن شیر خان نے گلتری کے مقام پر قائم پانچوں فوجی چوکیوں کو ناقابل تسخیر بنانے میں مرکزی کردار ادا کیا، دن رات اسکی جاگتی آنکھیں مسلسل دشمن کا پہرہ دے رہی تھیں برف پوش ساکت و خاموش سوئے ہوئے پہاڑوں کے سینوں پر کیپٹن شیر خان مسلسل جاگ رہا تھا اور اسکی عقابی نظریں دشمن کی ہر نقل و حرکت پر جمی ہوئی تھیں۔اس نے بہترین جنگی حکمت عملی اپنائی اور انتہائی بے خوفی کے عالم میں نہ صرف دشمن کے حملوں کو ناکام بنایا بلکہ جوانمردی سے آٹھ جوابی حملے بھی کیئے اور ہر بار شیر ببر کی طرح دھاڑتے ہوئے ازلی دشمن کو اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ وہ اپنے ہی ساتھیوں کی نعشیں چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوتا رہا۔

معرکہ کارگل میں کیپٹن شیر خان کے ہمراہ دشمن کا مقابلہ کرنیوالے غازی ساتھیوں کا کہنا ہے کہ

"جب بھی بھارتی فوج میدان جنگ چھوڑ کر اُلٹے
پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو جاتی تو کیپٹن کرنل شیر خان
مورچہ سے باہر نکل کر بھاگتے ہوئے دشمن فوجیوں کو
للکارتے ہوئے کہتے کہ

Indian's! Sher Khan is here

انڈینز! شیر خان یہاں موجود ہے

اورہمیں متوجہ کرتے ہوئے کہتے کہ جب تک شیر خان
اس کچھار میں موجود ہے اللہ کے حکم سے یہاں قبضہ کرنا
تو درکنار دشمن کا یہاں آنا ہی اسکی موت کا پروانہ ہوگا۔
ساتھی کہتے ہیں کہ وہ اس دیدہ دلیری سے لڑتے
کہ دشمن کے پیراُ کھڑ جاتے، بھارتی فوجی کیمپوں میں
بھی کیپٹن کرنل شیر خان کی دلیری اور بہادری کے
مظاہروں نے ہیبت طاری کر رکھی تھی"۔

کیپٹن شیر خان کی یونٹ پر 7 اور 8 جون کی درمیانی شب ایک پوری بھارتی بٹالین نے پیچھے کی جانب سے حملہ کر دیا یہ حملہ بھی حسب روایت پسپائی کے بعد حملہ آوروں کی شرمندگی کا باعث بنا، کیپٹن شیر خان نے اس حملے کو بھی نہ صرف ناکام بنایا بلکہ بے مثال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی مکمل ناکہ بندی کر دی اور پھر بہت سے بھارتی فوجی واصل جہنم کئے اس حملے کے بعد شیر خان کی عقابی

نظروں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ دشمن پتھریلی چٹانوں کے پیچھے چھپا تازہ کمک کا انتظار کر رہا ہے اس سے پہلے کہ وہ پاکستانی چوکیوں کی طرف دوبارہ آنیکی ہمت کرتا کیپٹن شیر خان خود ہی چُھپے ہوئے بھارتی فوجیوں کی تلاش میں روانہ ہوگیا، اس شیر دل جوان نے لڑاکا گشت کی قیادت کرتے ہوئے ہندوستانی فوج پر نہ صرف کامیاب حملہ کیا بلکہ 40 سے زائد فوجی ڈھیر کر کے دشمن کی صفوں میں ایک بار پھر تہلکہ مچا دیا۔

کیپٹن شیر خان کی ذہانت اور دفاعی حکمت عملی کے ساتھ ساتھ بہادری نے وادی کارگل میں گلتری کے مقام پر پاک فوج کی پانچ چوکیوں کو ناقابلِ تسخیر بنا رکھا تھا۔

دشمن عددی اعتبار سے واضح برتری ہونے کے باوجود کیپٹن شیر خان اور اُنکے جانثار ساتھیوں کے سامنے شکست خوردہ نظر آتا تھا، مسلسل ناکامی اور اپنے فوجیوں کی نعشیں اُٹھا اُٹھا کر بھارتی جسمانی اور اعصابی اعتبار سے نڈھال ہو چکے تھے اور ایک بڑا فیصلہ کن حملہ دشمن کی خواہش اور ضرورت تھا، مزید تازہ کمک ملنے کے بعد 5 جولائی 1999ء پیر کے روز دو بھارتی بٹالینز نے تقریباً 1600 فوجیوں کے ہمراہ پاکستانی پوسٹ پر چاروں اطراف سے حملہ کر دیا کارگل کے پہاڑ، کیپٹن شیر کے حوصلوں کو اپنے آپ سے بلند اور مضبوط دیکھ رہے تھے وہ اپنے شریک جنگ چند ساتھیوں کے ہمراہ ایسی دلیری سے اپنی پوزیشن پر ڈٹا رہا کہ جس کی اُمید صرف کیپٹن شیر خان سے ہی کی جاسکتی ہے۔

حملہ انتہائی شدید اور مختلف اطراف سے ہوا تھا اس لئے چوکی کا کچھ حصہ بھارتی قبضہ میں چلا گیا لیکن پاک فوج کا یہ شیر دل جوان اس موقع پر بھی حوصلہ نہ ہارا وہ قلیل سپاہ کے باوجود بہترین کمانڈ اور کمال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن پر شیروں کی طرح جھپٹ پڑا کیپٹن شیر خان نے جوابی کارروائی کر کے نہ صرف اپنے کھوئے ہوئے حصہ کو دوبارہ حاصل کیا بلکہ حملہ آور کو ایک بار پھر بھاگنے پر مجبور کر دیا اس معرکہ میں تین سو بھارتی فوجی مارے گئے جبکہ کیپٹن شیر خان بھی شدید زخمی ہو گیا لیکن زخمی ہونے کے باوجود وہ دلیری اور مستعدی سے آخری سانس تک لڑتا رہا

اور بالآخر دشمن کے دلوں اور ذہنوں پر خوف بن کر چھا جانیوالا کیپٹن شیر خان مادرِ وطن کی خاطر اپنے سینے پر گولیاں کھا کر ہمیشہ کی زندگی پا گیا اور ایسی نیند سو گیا کہ جس نیند کے صدقے پوری قوم چین سے سوتی ہے۔

اپنے وعدے کے مطابق کیپٹن شیر خان
نے زندگی کے لباس کو اُتار پھینکا اور فوجی وردی کو
اپنا کفن بنا کر بہادری کی یہ داستان سنانے کیلئے
بدر و اُحد کے شہداء کی روحوں سے جا ملا۔ قوم پاک
فوج پر فخر کرتی ہے اور پاک فوج شہید کیپٹن شیر
خان پر فخر کرتی ہے۔

دشمن کا اعتراف

کیپٹن شیر خان لڑتے لڑتے اپنی چوکی سے بہت دور نکل گیا تھا جب وہ شہید ہوا تو بھارتی فوج اس دلیر کی نعش اپنے ساتھ لے گئی تھی کیونکہ شہادت کے وقت وہ دشمن کے محاصرے میں تھا، بھارتی فوج یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ پاکستان آرمی کے اس شیر دل کیپٹن کے ہاتھوں کارگل کی بلند چوٹیوں پر ان کا کیا حشر ہوا ہے اسی لیے بھارتی افسران وسپاہی بھی شہید کی بے خوفی، بہادری اور شجاعت سے متاثر تھے جب دشمن نے شہید کی نعش کو واپس کیا تو پاک فوج کے اعلیٰ حکام کو ایک تعریفی خط بھی ساتھ دیا جس میں انہوں نے کیپٹن شیر خان کی بہادری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا

”آپ کا یہ بہادر آفیسر آپکی فوج کا ایک قیمتی اثاثہ ہے
اس نے نہایت نامساعد حالات کے باوجود جس

جرأت و بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ میدان جنگ
میں کیا وہ ہمارے لئے نہایت متاثر کن ہے ہندوستانی
فوج اس کا احترام کرتی ہے۔
کیپٹن شیر خان آخری دم تک لڑتا رہا وہ دورانِ
جنگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حوصلہ مندی سے اپنی
پوزیشن پر ڈٹا رہا جب نعش کو قبضہ میں لیا گیا تو اسکی انگلی
اپنی گن کے ٹریگر پر تھی جبکہ وہ زندہ نہیں تھا ہم دشمن فوج
ہونے کے باوجود اس حریف بہادر کو قدر کی نگاہ سے
دیکھتے ہیں نیز ہمیں یہ جان کر مسرت ہوگی کہ بہادری
کے اعتراف میں اس دلیر آفیسر کو کسی اعلیٰ جنگی اعزاز
سے نوازا جائے''۔

ہندوستانی اخبار ڈیلی انڈین ایکسپریس نے جمعہ 16 جولائی 1999ء کی اشاعت میں ایک بھارتی فوجی افسر کے حوالے سے لکھا ہے کہ

''نوجوان پاکستانی آفیسر نے انتہائی نامساعد حالات
کے باوجود زبردست جوابی حملہ کیا حالانکہ دن کی روشنی
میں حملہ کرنا خودکشی کے مترادف تھا کیونکہ ہم اسکی نقل
وحرکت کو باآسانی دیکھ سکتے تھے لیکن اسکے باوجود کیپٹن
شیر خان نے اعلیٰ فوجی روایت کو قائم کرتے ہوئے حملہ
کر دیا''۔

پاکستان کیلئے......حاضر ہے خاندان پورا

شہید کیپٹن شیر خان کے والد خورشید خان نے اپنے جذبات کا اظہار کچھ اسطرح کیا۔

''مجھے اپنے بیٹے کی شہادت پر فخر ہے میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ میں ایک شہید کا باپ ہوں میں خوش ہوں کہ شیر نے ملک وقوم کیلئے اپنی جان قربان کر دی مجھ سمیت میرا پورا خاندان ملک کیلئے ہر قربانی دینے کو تیار ہے۔

جب تک نعش دشمن کے پاس تھی تو مجھے عجیب سی بے چینی تھی مگر جیسے ہی نعش اپنی سرزمین پر آئی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ شیر خان زندہ ہے۔

وہ بہن بھائیوں میں چھوٹا ہونیکی وجہ سے سب کو پیارا تھا شیر کہا کرتا تھا کہ میں فوج میں تنخواہ کیلئے نہیں بلکہ ایک خاص مشن کیلئے گیا ہوں اور وہ ہمیشہ اپنے مشن میں کامیابی کی دعا مانگا کرتا تھا۔

شہید نے صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخواہ) کے غیور عوام کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے میرا بیٹا اب ہمیشہ زندہ رہے گا''۔

تعزیت نہیں مبارکباد دینا

صوابی سے تعلق رکھنے والے میجر عامر نے اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا

''میرا چچازاد بھائی جو پاکستان آرمی میں کیپٹن ہے شیر خان سے پہلے انکی جگہ پر تعینات تھا مگر وہ دوران جنگ لڑتے ہوئے شدید زخمی ہو گیا تو اسے علاج کی خاطر اسکردو ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔

جب میں شہید کے جنازے میں شرکت کیلئے جا رہا تھا تو زخمی کیپٹن کے والد یعنی میرے چچا نے کہا کہ شہید کیپٹن شیر خان کے والد خورشید خان سے ضرور ملنا لیکن تعزیت نہ کرنا بلکہ انہیں میری طرف سے مبارک باد دینا اور کہنا کہ گو ہم شہادت کے اعزاز سے محروم رہے اللہ نے یہ عزت وسعادت تمہارے بیٹے اور گھر کیلئے مخصوص کر رکھی تھی مگر میں بھی بہت خوش ہوں کیونکہ شیر میرا بھی بیٹا ہے موت تو ایک دن ضرور آتی ہے مگر جو موت شیر خان کو نصیب ہوئی وہ قسمت والوں کو ہی ملتی ہے، میجر عامر نے کہا کہ شہید کے جنازے کا جو منظر میں نے دیکھا مجھے یقین ہے کہ اس دن ایک نہیں بلکہ ہزاروں کیپٹن شیر پیدا ہو چکے ہیں کیونکہ ہر غیرت مند اور ایمان والا ایسی ہی موت وتدفین کی تمنا کرے گا جو شہید شیر خان کے حصہ میں آئی ہے''۔

شیر نے شیروں والا کام کیا

شہید کیپٹن شیر خان کے سی او (کمانڈنگ آفیسر) میجر عاصم محمود کا کہنا ہے کہ

''لڑائی کے دوران دشمن کی کسی بھی غیر معمولی نقل وحرکت کے پیش نظر شیر خان نے بغیر آرام کئے مسلسل جاگ کر پہرہ دیا میدان جنگ میں شیر نے شیروں والا کام کیا ، 29 جون کو غروب آفتاب کے بعد بھارتی فوج نے پاکستانی چوکی پر چڑھائی کر دی اس موقع پر شیر نے بہترین حکمت عملی کا مظاہرہ کیا اور اپنے مختصر دستے کو اسطرح پھیلا دیا کہ دشمن کو بٹالین کا گمان ہوتا وہ خود بڑھ بڑھ کر سب سے آگے دشمن پر حملے کرتا رہا جس سے ساتھی جوانوں کے حوصلے بھی بلند رہے اس معرکہ میں آخر کار شیر خان سینے میں گولیاں لگنے سے شہید ہو گیا لیکن اسکے باوجود دشمن ہماری چوکی کی بلندی کے قریب بھی نہ آسکا''۔

تین سو بھارتی فوجیوں کی نعشیں

اُس وقت کے ڈی جی آئی ایس پی آر بریگیڈیئر راشد قریشی نے اس مرد مجاہد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ

''بھارت اس بلند ترین چوٹی پر مسلسل تین روز تک

آگ برساتا رہا خطرناک بمباری کے بعد پوری بھارتی بٹالین (تقریباً 800 فوجی) نے حملہ کر دیا دن بھر شدید لڑائی جاری رہی جسکے بعد دشمن نے ایک بار پھر دوسری تازہ بٹالین سے حملہ کیا، کیپٹن شیر خان کمپنی کمانڈر میجر عاصم کا معاون تھا چوٹی پر ان دو افسروں سمیت صرف 24 جوان موجود تھے، دشمن کا دباؤ بہت بڑھا تو کمپنی کمانڈر کی طرف سے کمک طلب کرنے پر انہیں 70 جوان بھیجے گئے ان سب نے مل کر کیپٹن شیر خان کی قیادت میں جوابی حملہ کیا اور انہوں نے تھوڑی ہی دیر میں بھارتی فوج کو بھاری جانی نقصان کے بعد پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اس وقت میجر عاصم نے خود 300 بھارتی فوجیوں کی نعشیں گنتی کی تھیں''۔

شیر خان ایک دوست کی نظر میں

میجر سردار اعجاز احمد سندھو، شہید کیپٹن شیر خان کے ساتھ گزرے ہوئے خوبصورت دنوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

''میں اوکاڑہ میں کافی عرصہ تک شیر خان کا روم میٹ (شریک کمرہ) رہا ہوں اسکی رفاقت میں گزرے حسین لمحات میری یاداشت کا حصہ بن گئے ہیں۔

یہ بات مشہور ہے کہ زمانہ امن میں ڈسپلن سے

رہنے والے جوان میدانِ جنگ میں بھی بڑی بہادری
کا مظاہرہ کرتے ہیں شیر خان کی زندگی پر گہری نظر
ڈالنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کیپٹن شیر کی
زندگی اور شہادت نے اس بات کو بالکل سچ ثابت کر دیا
ہمارا ڈھائی سال سے زیادہ وقت ساتھ گزرا میں نے
شہید کو ہمیشہ ایک ڈسپلنڈ سولجر ہی پایا۔کیپٹن شیر خان
کافی خوش مزاج تھا یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب
ہماری یونٹ ''وائر مین شپ ٹریننگ'' پر تھی، میجر شوکت
حیات ہمارے بہت اچھے یونٹ افسر تھے انہیں
سوئمنگ اتنی اچھی نہیں آتی تھی جسکی وجہ سے وہ پانی میں
جاتے ہوئے گھبراتے تھے اسی لئے موصوف اکثر ویک
سوئمرز کو ٹریننگ دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتے کیونکہ
ویک سوئمرز کو نہر کے کنارے اور کم گہرے پانی میں
سوئمنگ کی ٹریننگ دی جاتی ہے میجر شوکت حیات کو
بہت جلدی غصہ آجاتا تھا اس وجہ سے ہم سب انکے
ساتھ ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ کو بہت انجوائے کرتے تھے
ایک دفعہ ہم تمام آفیسرز سوئمنگ کے بعد نہر کنارے
بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے کہ کچھ فاصلے پر بیٹھے
جوانوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ نہر میں سانپ تیرتا
جا رہا ہے سب لوگ سانپ کو تیرتا دیکھ کر بہت خوش ہو
رہے تھے کہ اچانک شیر خان نے نہر میں چھلانگ لگا
دی اور لہروں کو چیرتے ہوئے سانپ کو پکڑ لیا کنارے

پر کھڑے تمام ساتھیوں نے بلند آواز میں نعرے لگانا شروع کر دیئے شیر خان سانپ پکڑ کر باہر کنارے پر لے آیا اور سب کو دکھانے کے بعد دوبارہ اسے پانی میں پھینک دیا۔

کیپٹن شیر نہایت سادہ، خوش اخلاق اور احکاماتِ الہیٰ کا پابند تھا وہ اپنی محنت، لگن اور ملنساری کی وجہ سے ہر دلعزیز تھا شیر خان کی خودداری، ایمانداری، فرض شناسی، جرأت اور سچائی کی وجہ سے آفیسرز سمیت پوری یونٹ شیر خان کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

وہ پابندِ نماز، صفائی پسند، ہر دم متحرک رہنے والا اور شہادت کا تمنائی تھا، دوستوں میں شاید ایسا کوئی نہیں جسے کیپٹن شیر خان کی زبان یا عمل سے کبھی دکھ پہنچا ہو"۔

نشانِ حیدر

مادرِ وطن پر قربان ہونیوالے عظیم شہداء اور انکی فیملی کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کرنے کیلئے کنونشن سینٹر اسلام آباد میں بروز ہفتہ مورخہ 14 اگست 1999ء کو ایک تقریب منعقد کی گئی اس تقریب میں کارگل کے ہیروز، زخمی غازیوں، شہداء کے لواحقین، اُس وقت کے آرمی چیف جنرل پرویز مشرف، صدر مملکت رفیق تارڑ اور سول و اعلیٰ فوجی افسران شریک تھے یہ پروگرام پاکستان ٹیلی ویژن کے ذریعے براہ راست دنیا بھر کے چالیس ممالک میں نشر ہوا 8 بج کر 35 منٹ پر پاکستان کا اعلیٰ ترین فوجی اعزاز ''نشانِ حیدر'' شہید کیپٹن شیر خان کو دینے کا اعلان کیا گیا ڈیفنس سیکریٹری افتخار علی خان کے اس اعلان پر پورا ہال (کنونشن سینٹر) تالیوں سے گونج اٹھا۔

شہید کا اعزاز خورشید خان (والد کیپٹن شیر خان) نے صدر مملکت رفیق تارڑ سے وصول کیا۔

گیارہواں نشانِ حیدر

شہید

لالک جان

ہفتہ یکم اپریل ۱۹۶۷ء

تا

بدھ ۷ جولائی ۱۹۹۹ء

Havildar
Lalak Jan
Shaheed

لالک جان

ولدیت	:	نیت جان
تاریخ پیدائش	:	ہفتہ یکم اپریل 1967ء
جائے ولادت	:	ہندور، تحصیل یاسین۔ ضلع غذر (موجودہ صوبہ گلگت بلتستان)
آرمی نمبر	:	2841030
رینک	:	حوالدار
آرمڈ سروس	:	این ایل آئی (ناردرن لائٹ انفنٹری)
تاریخ شہادت	:	بدھ 7 جولائی 1999ء
بمقام	:	کارگل سیکٹر
آخری آرام گاہ	:	ہندور، تحصیل یاسین
عرصہ حیات (ظاہری)	:	32 سال 3 ماہ 6 دن

ماحول، زمین اور آب وہوا کے انسانی زندگی پر بہت گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ لالک جان قدرتی مناظر سے بھر پور جنت نظیر جن حسین وادیوں میں پیدا ہوا وہاں دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنیوالے دل کو اللہ بہت ہی قریب اور اُس کا عکس جگہ جگہ نظر آتا ہے۔شمالی علاقہ جات کا بہادر جوان حوالدار لالک جان قدرتی حسن و جمال سے مالا مال انہی علاقوں میں پروان چڑھا یہ علاقہ اسلام آباد سے چار سو میل دور اور سطح سمندر سے تقریباً دس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

وادی کشمیر کو اوپر سے گھیرے ہوئے شمالی علاقہ جات کے خوبصورت گلیشیر، آبشاروں، چشموں، دریاؤں اور دیگر فطری حُسن نے جنت نظیر بنا رکھا ہے۔اسکردو، گلگت، گانچے، غذر اور دیامیر پر مشتمل یہ اضلاع صوبہ گلگت و بلتستان کا حصہ ہیں۔

خاندانی پس منظر

ضلع غذر، تحصیل یاسین کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''ہندور'' میں سادہ زندگی گزارنے والا نیت جان وہ خوش قسمت انسان ٹھہرا جسکے گھر گیارہویں نشانِ حیدر شہید حوالدار لالک جان نے ہفتہ یکم اپریل 1967ء کو جنم لیا۔اللہ تعالی نے اس بچے کی پیدائش

کیلئے انتخاب بھی ایسے گھرانے کا کیا جو نہ صرف محنت پر یقین رکھتا تھا بلکہ پاک فوج اور وطن عزیز سے محبت کا دم بھی بھرتا تھا۔

رب تعالیٰ نے نیت جان کو 7 بچوں کی نعمت سے نوازا جن میں 5 بیٹیاں اور 2 بیٹے تھے نیت جان کے نہ صرف یہ دونوں بیٹے بلکہ انکے دو مرحوم بھائی بھی پاک فوج کا حصہ تھے۔ یاد رہے کہ نیت جان کا ایک بھتیجا ابراہیم خان بھی معرکہ کارگل میں دادِ شجاعت وصول کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گیا۔

ماں دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس لازوال
رشتے کا کوئی نعم البدل نہیں۔

لالک جان بمشکل پانچ برس کا تھا کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ غربت نے پہلے ہی ڈیرے ڈال رکھے تھے تعلیمی سہولیات بھی نہ ہونے کے برابر تھی چنانچہ والدہ کی وفات کے بعد اسکی تکلیفوں اور دکھوں میں اضافہ ہو گیا اسی لئے ابتداء میں وہ صرف تیسری جماعت تک سکول جا سکا اور جب این ایل آئی (ناردرن لائٹ انفینٹری) میں بطور سپاہی بھرتی ہوا تو پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا اور مئی 1998ء میں دوران ملازمت ہی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

لالک جان تعلیمی کمی کے باوجود مسلمان جرنیلوں، اسلاف کی سوانح عمری اور تاریخ کا بغور مطالعہ کرتا تھا وہ اپنے حسنِ سلوک، برزگوں کے احترام، ادب اور بہترین اخلاق کے سبب علاقے بھر میں محبت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

ہر مشکل کے بعد آسانی

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

جس طرح پہاڑوں کا سینہ چیر کے پانی اپنا
راستہ خود بناتا ہے ایسے ہی پہاڑوں کے درمیان پیدا
ہونیوالے لالک جان نے اپنی زندگی میں آنیوالی
مشکلات کے درمیان سے خوب راستہ نکالا اور پاکستان
کا سب سے بڑا عسکری اعزاز ''نشانِ حیدر'' حاصل
کرنیوالی سب سے آخری شخصیت ٹھہرا۔

اللہ والے فرماتے ہیں
''مشکل حالات کی کوکھ سے عظیم ہستیاں جنم لیتی ہیں''۔

لالک جان جس علاقے میں پیدا ہوا وہاں بسنے والے لوگ بجلی، ذرائع آمدورفت، سڑکیں اور تعلیمی سہولیات نہ ہونیکی وجہ سے انتہائی مشکل زندگی گزار رہے تھے۔ اس علاقے میں برف باری نہ صرف لوگوں کو گھروں میں محصور کردیتی ہے بلکہ موسم سرما میں تو زندگی تقریباً مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے لیکن اسکے باوجود لالک جان نے اپنے لئے جس راستے کا تعین کیا وہ راستہ مشکل اور دشوار ضرور تھا مگر کامیابی لالک جان کا مقدر تھی۔
مشکلات ہی اس جوان کی کامیابی تھی یہی وجہ ہے کہ جب مادرِ وطن کو کارگل کی بلند چوٹیوں پر فرزندانِ وطن کی ضرورت پڑی تو لالک جان نے اس جنگ کیلئے رضاکارانہ

طور پر خود کو پیش کر دیا۔

اللہ والے فرماتے ہیں
''مشکل میں کیا جانیوالا شکر رب کو بہت پسند ہے''۔

لالک جان کی پرورش بڑے صابر مزاج لوگوں کے درمیان ہوئی تھی یہ وہ لوگ تھے جو سخت موسم، غربت اور دیگر مشکلات کے باوجود بھی ہمیشہ خوش رہتے، کبھی حرف شکایت زباں پر نہ لاتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ اس علاقے کے سادہ لوگ انتہائی ملنسار، محبت کرنے والے اور مہمان نواز ہیں جبکہ سچائی، بہادری، قربانی، حصول رزق حلال اور اپنی مٹی سے محبت بھی انکی سرشت میں شامل ہے۔
1975ء کے بعد جب ان علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر کا آغاز ہوا تو یہاں کے لوگوں کی زندگی میں بھی کچھ تبدیلی آئی۔ جب ذرائع آمد و رفت کی سہولت ملی تو یہ لوگ بہتر ذریعہ معاش کیلئے برف پوش وادیوں سے نکلے اور پاک سرزمین کے مختلف شہروں میں روزگار کی غرض سے جا پہنچے اور اسطرح رفتہ رفتہ تعلیمی سہولیات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور آج یہاں بسنے والے لوگ حصول تعلیم کے بعد ملکی تعمیر و ترقی اور بطور خاص دفاع میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔

اللہ کی پسند

اللہ والے فرماتے ہیں

''مخلوق کی خدمت رب تعالیٰ کی پسندیدہ عادت ہے''۔

حقیقی سکون رضائے الٰہی کے بغیر مل ہی
نہیں سکتا اور رب تعالیٰ کو راضی کرنے کا ایک ذریعہ
مخلوقِ خدا کے ساتھ سچا رہنا اور ان میں آسانیاں تقسیم
کرنا ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے
یا جو وہ دوسروں کو دیتا ہے تو وہ لوٹ کر ویسا ہی اسکی
جھولی میں گرتا ہے اب یہ بندے کی اپنی پسند ہے کہ وہ
لوگوں میں کیا تقسیم کرتا ہے، آسانی اور خوشی کی تجارت
کرتا ہے یا تکلیفیں اور ظلم بانٹتا ہے بندے کی جانب
سے ہو کر جانے والا ہر عمل لوٹ کر اُسی کے پاس
آتا ہے۔ کائنات میں اس کی ایک نہیں بلکہ ہزاروں
مثالیں ملتی ہیں جیسا کہ......
شیخ مجیب الرحمٰن اور اندرا گاندھی کے ہاتھ
لاکھوں معصوم بے گناہ انسانوں کے خون سے رنگے
ہوئے تھے تو کسی نے انکے خون سے بھی اپنے ہاتھ
رنگ لئے اور یہ قاتل بالآخر خود بھی کسی کے ہاتھوں ہی
قتل ہوئے۔

لالک جان کا تعلق جس علاقہ سے تھا وہاں لوگوں کیلئے مال مویشی انتہائی اہمیت

کے حامل ہیں جب کبھی گاؤں والوں کے مویشی پہاڑ کی کسی بلند گھاٹی میں پھنس جاتے تو لالک جان ہی انہیں نکال کر لاتا۔ وہ ایک دردمند دل رکھنے والا انسان تھا، وسائل کی کمی اور غربت کے باوجود مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا، ضرورت مندوں کے کام آنا، دکھوں اور پریشانیوں میں مبتلا انسانوں کو آسانیاں دینا اسکے مزاج میں شامل تھا۔

شاید مکمل حقیقی علم ڈگریوں سے نہیں ملتا یہ مالک کی عطا ہے جسے چاہے نواز دے۔ اللہ بے نیاز ہے چاہے تو ساری زندگی کی عبادت قبول نہ کرے اور چاہے تو کسی چھوٹی سی نیکی کی بناء پر اپنا فضل کر دے شاید لالک جان اپنے مالک کی اس پسند سے واقف تھا کہ خدمت خلق اور اندر کی صفائی کے بغیر اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا اسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے لالک جان نے اپنا وقت، اپنا آرام بلکہ اپنا آپ وقف کر دیا تھا اسی سوچ و جذبے کیساتھ اپنے کچھ دوستوں کو ہمراہ کیا اور باقاعدہ ''المدد ویلفیئر آرگنائزیشن'' کے نام سے ایک رفاعی ادارہ قائم کیا۔

دوہٹ

جس شب لالک جان پیدا ہوا وہ رات ایک بڑے طوفان کی وجہ سے یاد رکھی جاتی ہے کیونکہ اس رات گاؤں میں بہت بڑا برفانی طوفان آیا تھا مقامی بروشسکی زبان میں اس طوفان کو دوہٹ کہا جاتا ہے۔ لالک جان کے مزاج میں بھی اس دوہٹ کے کچھ اثرات شامل ہو گئے تھے جب کبھی بھی لالک کا موڈ خراب ہوتا تو بہن بھائی آپس میں یہ کہہ کر ہنس دیتے کہ دوہٹ آ گیا ہے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ اس برفانی طوفان کے تھمنے تک (یعنی لالک جان کا موڈ ٹھیک ہونے تک) کوئی بات نہ کرے۔

شاید تعمیری ضد بچپن سے اسکے مزاج کا حصہ تھی لالک جان پر جس کام کا جنون سوار ہو جاتا تو جب تک وہ اسے مکمل نہ کر لے چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔

این ایل آئی (ناردرن لائٹ انفینٹری)

برف پوش پہاڑوں کے درمیان اپنا بچپن گزارنے والا نوجوان لالک جان نہ صرف فطری طور پر ایک سپاہی تھا بلکہ اپنے خیالات وتصورات میں بھی خود کو ایک فوجی محسوس کرتا تھا۔ گلگت شہر کے قریب بھونجی میں این ایل آئی کا ایک ٹریننگ سینٹر تھا لالک جان اپنے ایک عزیز مراد خان کے ساتھ بھرتی کیلئے وہاں جا پہنچا۔ باری تعالیٰ نے لالک کی خواہش کو تکمیل بخشی اور وہ بحیثیت سپاہی پاک فوج کا حصہ بن گیا۔

گلگت، ناردرن اور قراقرم اسکاؤٹس کی تنظیم نو کے بعد نومبر 1975ء میں ناردرن لائٹ انفینٹری کا باقاعدہ قیام ہوا۔ اس رجمنٹ کا MOTO ہے "ثابت قدم"۔

این ایل آئی کے قیام سے قبل بھی اس رجمنٹ کے جوان 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں کے دوران سیاچن سے کشمیر تک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند پاکستانی سرحدی حفاظت پر مامور اور وطن عزیز پر اپنا آپ قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار کھڑے رہے یہی وجہ ہے کہ دشمن کسی بھی قسم کی جارحیت سے پہلے ہزار بار سوچتا ہی رہ گیا۔ ناردرن لائٹ انفینٹری کے جوان ستارہ جرأت، تمغہ جرأت، ستارہ بسالت اور تمغہ بسالت تو پہلے ہی حاصل کر چکے تھے مگر معرکہ کارگل میں اس رجمنٹ کے دو جانباز شہید کیپٹن کرنل شیر خان اور شہید حوالدار لالک جان کو بے مثال قربانی کی تاریخ رقم کرنے پر ملک کے سب سے بڑے فوجی اعزاز "نشانِ حیدر" سے نوازا گیا۔

شادی

گھر کے سربراہ والدنیت جان نے بڑے بیٹے گل سمبر خان کے ساتھ ہی چھوٹے بیٹے کی بھی شادی کا فیصلہ کیا اُسوقت لالک جان کی عمر 21 سال تھی۔ بروز جمعہ مورخہ

21 اکتوبر 1988ء کو دونوں بھائی دولہا بنے۔ لالک جان کو اللہ نے دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کی نعمت سے نوازا۔ بیٹی آمنہ، روبینہ اور بیٹے طارق نے لالک جان کی زندگی کو خوبصورت بنا دیا تھا۔

خوشیاں اور دُکھ کبھی ہمیشہ نہیں رہتے چنانچہ لالک جان کی زندگی میں بھی خوشیوں کے بعد ایک دُکھ نے ڈیرہ ڈال دیا شریک حیات بیگم گل جہاں کا ساتھ زیادہ عرصے نہ رہا اور فروری 1998ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اہلیہ کی وفات کے بعد لالک جان نے باقاعدہ داڑھی رکھ لی تھی یہ وقت ان کیلئے انتہائی مشکل یوں بھی تھا کہ بچے ابھی چھوٹے تھے اور بچوں کی پرورش ایک ماں کے بغیر آسان نہ تھی۔ اس لئے گھر والوں نے 26 اکتوبر 1998ء کو لالک جان کی دوسری شادی کر دی۔

بھارت کی بے بسی اور امریکی مداخلت

مقبوضہ کشمیر میں 65 سالوں سے خون کی ہولی کھیلنے والا بھارت ہی معرکہ کارگل کا ذمہ دار ہے۔ آزادی کے متوالے کشمیری ہزاروں شہادتوں کے باوجود بھی 1948ء سے بھارتی غاصبانہ قبضہ اور ظلم وبربریت کا مقابلہ کر رہے تھے۔

ایک طرف دنیا کشمیر میں بھارتی افواج کے مظالم پر خاموش تھی تو دوسری طرف بھارت 1998ء میں اپنے شرانگیز ایٹمی دھماکوں کے بعد جنگ کا محاذ تیار کر رہا تھا۔ بھارتی غرور اور اسکی مسلسل دھمکیوں نے صورتحال انتہائی کشیدہ کر دی تھی لیکن معرکہ کارگل شروع ہوتے ہی ایٹمی طاقت کے نشے میں دُھت مبتلا ہندوستان کا غرور خاک میں مل گیا کیونکہ پاک فوج کے چند جوان اور کشمیری حریت پسند دشمن کا بڑا ذخیرہ تباہ کر کے اس پر کاری ضرب لگا چکے تھے ان کارروائیوں میں غیر جانبدار ذرائع کے مطابق ہزاروں ہندوستانی فوجی

مارے گئے۔

اب شر انگیز دھماکے کرنیوالی ایٹمی طاقت کا نشہ اُتر گیا تھا کیونکہ عسکری قوت کے اعتبار سے دنیا کی تیسری بڑی فوج ہونیکی دعویدار بھارتی سرکار چند سینکڑا جوانوں کے سامنے چاروں خانے چت ہو چکی تھی۔ دراس سیکٹر میں تقریباً 80 ہزار کے قریب بھارتی اہلکار حریت پسندوں اور پاک فوج کے ٹارگٹ پر تھے اور انہیں اپنے سامنے یقینی موت نظر آرہی تھی چنانچہ بھارت سرکار مکمل طور پر بے بس ہونے کے بعد اپنی چالاکی اور چانکیہ سفارت کاری سے دنیا اور بالخصوص امریکہ کو یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ مظلوم ہے بھارت نے اسی پروپیگنڈا، جھوٹ اور جعلی کہانیوں کے ساتھ اقوام متحدہ کا بھی دروازہ کھٹکھٹایا۔

عالمی طاقتوں کو لاکھوں کشمیریوں کا بے گناہ بہتا ہوا خون اور معصوم بچوں اورعورتوں پر ہونیوالے بھارتی مظالم تو کبھی نظر نہ آئے مگر بھارت کی بے بسی پر وہ فوراً حرکت میں آگئے چنانچہ اُس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن نے محصور و بے بس بھارتی فوج کی آزادی اور باحفاظت واپسی کیلئے 4 جولائی 1999ء کو دونوں ملکوں کے درمیان معاہدہ کروانے میں ثالثی کا کردار ادا کیا اور اسطرح امریکی مداخلت نے بھارت کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچالیا۔

جذبہ حب الوطنی

یہ مئی 1999ء کی بات ہے کہ جب حوالدار لالک جان گاؤں میں گھر والوں کیساتھ اپنی چھٹیاں گزار رہا تھا اتفاق سے انہی دنوں کارگل میں جنگ کا محاذ گرم ہوگیا۔ اپنی مٹی سے محبت کرنیوالے ایک سچے سپاہی کو تو ایسے موقع کا بہت بے چینی سے انتظار رہتا ہے جبکہ بفضل خدا افواج پاکستان کے جوان تو ان مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے رضا کارانہ

طور پر بھی ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

لالک جان کو جیسے ہی جنگی صورتحال کی خبر ملی تو بے چین ہو گیا اب اس جوان کیلئے یہ بہت تکلیف دہ بات تھی کہ وہ میدان جنگ سے بہت دور اب تک گھر پر کیوں ہے اسکی خواہش تھی کہ وہ فوراً ہی وہاں پہنچ جائے اور جنگ کا حصہ بن جائے چنانچہ وہ جلد ہی سفر پر جانے کیلئے تیار ہو گیا اور گھر والوں کیساتھ ساتھ گاؤں والوں سے بھی دعائیں لیکر اس انداز میں نکلا کہ جیسے ایک معرکہ ایک کامیابی ایک شادمانی اُس کا انتظار کر رہی ہے اور شاید اسے یہ یقین تھا کہ اب اسکی منزل زیادہ دور نہیں ہے۔

ناردرن لائٹ انفینٹری کا یہ بہادر، بے باک، نڈر اور بے خوف جوان لالک جان گھر والوں سے آخری ملاقات کر کے فوراً اپنی یونٹ پہنچا۔ وہ خود کو میدان جنگ میں دیکھنا چاہتا تھا مگر اسکی ڈیوٹی کمپنی ہیڈ کوارٹر میں لگا دی گئی جبکہ میدان جنگ سے دور رہنا اب اسکے بس میں نہیں تھا کیونکہ کارگل کا میدان جنگ لالک جان کیلئے شاید اس کا محبوب بن گیا تھا جس سے دوری اب اسے کسی صورت برداشت نہ تھی۔

بلآخر چین نہ پایا تو کمانڈنگ آفیسر کے پاس جا کر اگلے مورچوں پر جانیکی خواہش کا اظہار کیا آفیسر نے بہت سمجھایا کہ وہاں صورتحال اسوقت بہت خراب ہے اور دشمن اپنے حملوں میں شدت لا چکا ہے مگر لالک جان اپنی خواہش کے ساتھ ساکت کھڑا رہا۔ بلآخر افسران بالا نے شدید خواہش اور جذبہ حب الوطنی کے پیش نظر لالک کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب وہ خوش تھا کہ اسے بچپن سے دل میں بسے وطن عزیز کیلئے سچے جذبوں کا ثمر ملنے جا رہا ہے شاید جسکی اسے تلاش تھی وہ موقع آن پہنچا تھا میدان جنگ کی جانب جانے سے پہلے لالک نے اس اعزاز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

آمنہ، روبینہ اور طارق کا بابا برف پوش پہاڑوں پر اپنی ذمہ داری سنبھال چکا تھا اور اب حوالدار لالک جان کو مادرِ وطن کے ازلی دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کا بے تابی سے انتظار تھا۔ کچھ روز بعد اچانک ایک رات بھارتی بٹالین نے چوکی پر حملہ کر ڈالا، لالک اسی

چیک پوسٹ پر اپنے والدنیت جان کا فخر بن کر اور اپنی خواہش کے عین مطابق دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔

لالک جان نے بہادری اور بے خوفی کے وہ جو ہر دکھائے جو کہ صرف اور صرف افواجِ پاکستان کے دلیر جوانوں کا ہی خاصہ ہے۔اس رات مادرِ وطن کے سپوتوں نے حملے کا بھرپور جواب دیتے ہوئے نہ صرف اسے پسپا کیا بلکہ اس کے دانت کھٹے کر دیئے، دشمن کا یہ حملہ صبح تک جاری رہا۔

بحیثیت سپاہی دشمن سے برسر پیکار ہونا تو ایک طرف یہ بندۂ خدا نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اللہ اکبر، اللہ اکبر کی گونج سے ساتھی جوانوں کے دلوں کو بھی گرماتا رہا اور پوری رات دشمن پر کاری ضربیں لگاتے ہوئے کارگل کی بلند پہاڑیوں پر دلیری کی ایک نئی تاریخ بھی رقم کرتا رہا یہی وجہ تھی کہ دشمن اپنی روایات کے عین مطابق خوفزدہ ہو کر اپنے ہی سپاہیوں کی نعشیں لاوارث چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

اس حملے میں منہ کی کھانے اور پسپائی کے بعد ہندوستانی فوج کو یہ اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ انکے سامنے شیر دل جوان مثلِ لالک جان اپنے وطن پر قربان ہونے کیلئے کھڑے ہیں۔

بھارت کے پاس وسائل کی کمی نہ تھی ایک دفعہ پھر تازہ کمک ملنے کے بعد بھرپور تیاری کے ساتھ اس نے مختلف اطراف سے حملہ کر دیا۔دشمن نے پاک فوج کے چند جوانوں کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنی بڑی فوجی طاقت کا استعمال کیا مگر اپنی مٹی کو اپنی پیشانی کی شان سمجھنے والے یہ بہادر بیٹے اس بار بھی دشمن کے سامنے چٹان کی طرح کھڑے رہے۔

لالک نے اس معرکہ میں بھی اپنی خاندانی دلیری کیساتھ ساتھ پیشہ ورانہ مہارت کا ثبوت دیا جسکے سبب سے دشمن اس مرتبہ بھی اپنے سینکڑوں سپاہیوں کی بلی چڑھا کر واپس گیا۔

اپنی مٹی سے برخورداری کا رشتہ جوڑے

ہوئے لالک جان نے معرکہ کارگل میں دلیری کی
داستان امر کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ میدان اُس کا
تھا۔

حوالدار لالک جان کی چوکی فتح کرنے کیلئے دشمن نے 6 جولائی تک اپنے حملوں میں بھرپور طاقت کا استعمال کیا مگر جونیئر لیڈر ہونے کے باوجود مادرِ وطن کیلئے راہِ حق کی جنگ لڑنے والے اس سپوت نے بہترین جنگی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان تمام حملوں کو ناکام بنا دیا۔ اپنی مٹی پر قربان ہونے کے جذبہ سے سرشار لالک جان نے معرکہ کارگل میں دلیری کی تاریخ رقم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اسکی اصل جگہ میدان جنگ ہی تھی۔

کارگل میں ایک طرف لالک جان کی چوکی بھارتی فوج کی شکست اور نقصان کا باعث بنی ہوئی تھی مگر دوسری طرف دشمن کو تازہ کمک ملنے کا سلسلہ بھی جاری تھا چنانچہ اس مرتبہ بھارتی فوج نے موجود کل قوت جمع کر کے 7 جولائی کو ایک بار پھر حملہ کیا وہ دن بھر فائرنگ اور توپ خانہ سے گولے برساتا رہا مگر اس حملہ کا بھی لالک جان نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ بھرپور جواب دیتے ہوئے اپنی چوکی کا کامیاب دفاع کیا۔ دشمن بغیر کسی وقفے کے پورا دن آگ برساتا رہا اور رات گئے تین اطراف سے شدید حملہ کر دیا اس حملے میں لالک جان زخمی ہو گیا مگر زخمی ہونے کے باوجود اس نے پاک فوج کی اعلیٰ روایت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے حوصلوں اور ارادوں میں کمی نہ آنے دی اور دلیری سے اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔

کمپنی کمانڈر لیفٹیننٹ وسیم نے زخموں سے چور حوالدار لالک جان کو محاذ سے پیچھے آنے کیلئے کہا لیکن میدان جنگ چھوڑ کر واپس جانا اس جوان کی سرشت میں نہ تھا اور وہ زخمی شیر ببر شیروں کی فطرت کے عین مطابق لڑتا رہا۔

جب جنگ اپنے عروج پر تھی تو لیفٹیننٹ وسیم نے دیکھا کہ لالک جان کی فائرنگ سے بھارتی فوجی مٹی کے بتوں کی طرح مسمار ہوتے چلے جا رہے تھے اور دشمن کی نعشوں کا

ڈھیر لالک جان کے عین سامنے پڑا اسکے کارنامے کی کہانی سنا رہا تھا۔شدید زخموں کے باوجود بھی اپنے زخموں سے بے پرواہ ایک تازہ دم سپاہی کی مانند لڑتے ہوئے ظاہراً موت کو اور حقیقتاً شہادت کی زندگی کو گلے لگالیا۔

شاید اس دلیر، بے خوف، نڈر اور شیر دل جوان نے سانسوں کی تار ٹوٹنے کے بعد بھی اپنی چوکی کا دفاع نہیں چھوڑا تھا۔کارگل کی چوٹی پر وطن عزیز کا ستارہ وہلال اپنی سربلندی کیلئے شہید حوالدار لالک جان کا مشکور ہے۔مسلح افواج اور حکومت پاکستان نے شہید کی اس عظیم قربانی کے اعتراف میں انہیں ''نشانِ حیدر'' سے نوازا۔

شہادت

حوالدار لالک جان کی خواہش منزلِ شہادت تھی۔اس نے رضا کارانہ طور پر جنگ کیلئے خود کو پیش کیا تو اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ اب اسکی منزل بہت قریب ہے اور وہ منصب شہادت پر فائز ہوگا یہی وجہ تھی کہ وہ گھر والوں سے اس انداز میں مل کر گیا کہ جیسے یہ اسکی آخری ملاقات ہو۔اپنی منزل پر جانے سے قبل لالک جان گاؤں کے اسکول ماسٹر کے پاس بھی کچھ ضروری کاغذات لے کر گیا اور ب فارم پر دستخط کرواتے ہوئے ماسٹر کریم سے کہنے لگا کہ

> ''اُستاد جی! زندگی کا کیا بھروسہ ہے یہ کاغذات درست بن جائیں تاکہ میری شہادت کے بعد میرے چھوٹے بچوں کو کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ ہو''۔

والد کے تاثرات

شہید کے گھر اور گاؤں میں ٹیلیفون کی سہولت نہ تھی گاؤں یاسین کے رہنے والے صوبیدار عیسیٰ بہادر نے جب شہادت کی خبر دی تو شہید حوالدار لالک جان کے والد نیت جان نے فوراً اللہ کا شکر ادا کیا۔

14 اگست 1999ء کو کنونشن سینٹر اسلام آباد میں ''نشانِ حیدر'' کا اعزاز شہید کے بڑے بھائی گل سمبر خان نے اُس وقت کے صدر مملکت رفیق تارڑ سے حاصل کیا۔ اس تقریب میں چیف آف آرمی اسٹاف، وزیر اعظم اور اعلیٰ سول وفوجی افسران سمیت سینکڑوں افراد موجود تھے۔

ملک کا سب سے بڑا اعزاز ملنے پر شہید کے والد نے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

> ''بوڑھا ہوں تو کیا ہوا میرا جذبہ جوان ہے اگر میری ضرورت ہوئی تو میں خود بھی کارگل پہنچ جاؤں گا۔
>
> بیٹے کو نشانِ حیدر ملنے پر ہونیوالی خوشی اور مسرت لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا میں رب تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ میرے بیٹے نے پیارے وطن کیلئے اپنی جان کا نذرانہ دیا میرے لئے تو شہید فوجی کا باپ ہونا ہی سب سے بڑا اعزاز ہے میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے لالک کو ''نشانِ حیدر'' جیسے اعلیٰ فوجی اعزاز سے نوازا جائے گا''۔

ایک اور خواب

ایک عام انسانی زندگی بے تحاشہ حوادثِ زمانہ کا شکار ہوتی ہے گویا وقت کی تقسیم اور بانٹ ،نظام کا حصہ بن جانے والے اُس انسان کیلئے ایک معمہ بن جاتی ہے باوجود اس کے من میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر کسی حد تک ان مسائل سے آزادی حاصل ہو جائے تو اپنا ایک اور خواب پورا کروں......

اور گیارہ شہدائے نشانِ حیدر کی زندگی سے پرت در پرت دریافت واقعات کو اکٹھے کرنے کے بعد اپنی تمام تر توانائیوں کے ہمراہ اُن شہداء کے نشانِ لحد تلاش کروں اور اُن کے حالات زندگی لکھوں جن پر جنگی معرکہ خود فخر کرتا ہو کہ میں اُس کی زندگی میں رونما ہوا ہوں۔اور اُن شہداء کو شاید کسی بڑے فوجی و قومی اعزاز سے نوازا بھی نہ گیا ہو۔وہ شہداء ماں باپ کے رکھے ہوئے ......فوجی کاغذات میں درج ......اور قبر کے کتبے پر لکھے ہوئے نام تو رکھتے ہوں ...... لیکن گمنام ہوں......

میرے گمنام سپاہی

ماہنامہ

محافظ میگ

We Salutes Every Muhafiz of Pakistan

موضوعاتی اعتبار سے یگانہ ......

محافظانِ وطن کی لازوال قربانیاں وکارنامے، عسکری خبریں،

تجزیئے، انٹرویوز اور بہت کچھ ......

افواجِ پاکستان سے تعلق رکھنے والے حاضر اور ریٹائرڈ

افسران اور جوانوں کے ساتھ ساتھ محب وطن شہریوں کی

توجہ کا طالب ...... ماہنامہ محافظ

خیر اندیش

ایڈیٹر

حسن علی آگریا